عراق و ایران

— از —

میر اسد علی

عراق و ایران

یعنی

سفرنامہ مقاماتِ مقدسہ

از

نواب میر اسد علیخان بہادر

(بیگن پلی)

۱۹۳۱ء

مطبوعہ شمس الاسلام پریس چھتہ بازار
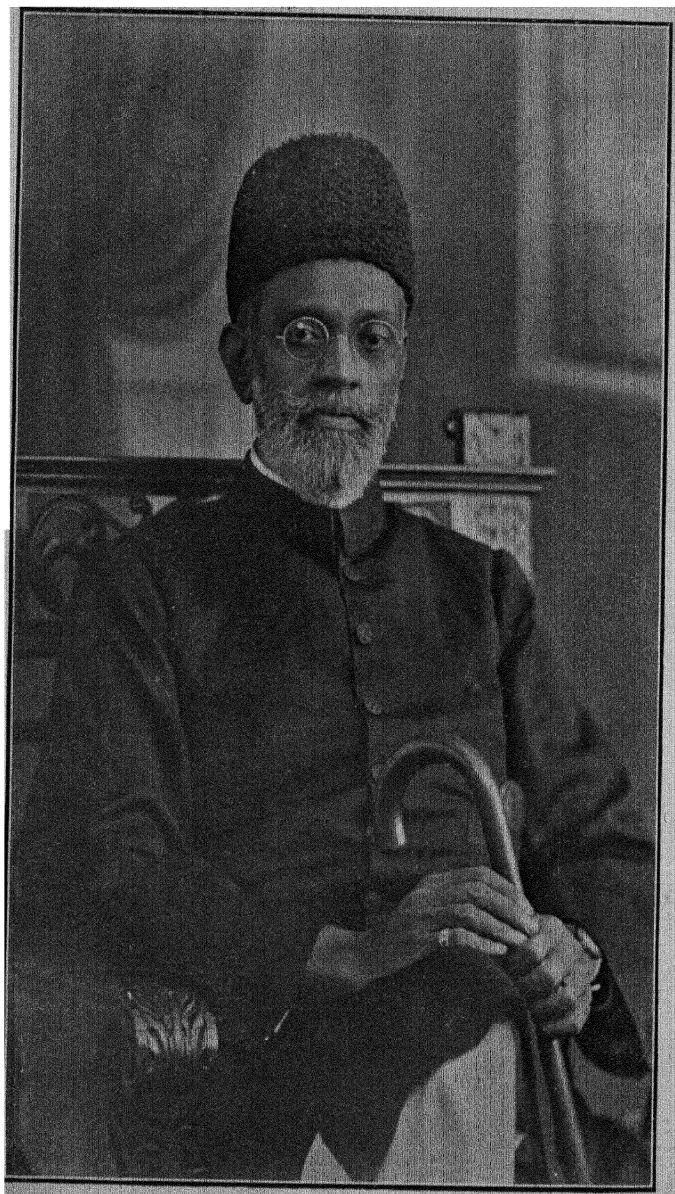
مولف

انتساب

اس کتاب کو میں نہایت حزن و ملال کے ساتھ اپنی

دختر مرحوم

(بیگم صاحبہ بلگین پلی) کے نام معنون کرتا ہوں

جو

کمال عقیدت کے ساتھ ۱۰ رمئی سنہ ۱۹۲۸ء کو زیارتوں کے سفر
پر روانہ ہونے والی تھی اور (خوشی خوشی انتظامات سفر میں مصروف
تھی کہ یکایک علیل ہوگئی اور ایسی علیل ہوئی کہ سفر زیارت کی
بجائے ۱۹ راپریل سنہ ۱۹۲۸ء کو سفر آخرت ہی درپیش ہوگیا۔
موت نے اس کو زیارتوں کی مہلت نہ دی مگر اس کا جنازہ
۵ رنومبر سنہ ۱۹۲۹ء کو مقدس سرزمین میں پیوند خاک ہو کر
اس کی دلی خواہش کی تلافی کر رہا ہے

فہرست مشتملات

فہرست تصاویر

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۹	طومان } طوفان	تومان	۲۹	۳	اولاق	آلاغ
۱۵	۹	دلوجی محال	دیوجی جمال	〃	۱۲	او	اور
۱۵	۱۰	بجدا	نمیرا	۵۳	۳	ان	آون
۱۶	۱۴	وادی اسلام	وادی السلام	۵۷	۱۰	سنہ ۳۱۵ھ	سنہ ۲۱۵ھ
۲۰	۱	زنوجی جمال	دیوجی جمال	۵۸	۷	شیشہ کے آلات	شیشہ آلات
۲۱	۱۶	کرمان	کرمان شاہ	〃	۱۷	ہدا	ہدیٰ
۲۲	۲	برجنی	برجن	۷۱	۹	وادی الاسلام	وادی السلام
۲۲	۲	چندری	حیدری	۷۶	۱	نوع	نو
۲۲	۱۰	شاہرو	شاہرود	〃	۱۸	اوربلند	بلند
۲۳	۱۰	معمولا	معمولاً	۷۷	۲۱	نصب	نشیب
۲۴	۲۱	بارلا	بارالا	۸۱	۷	زفافت	رفاقت
۲۹	۱۹	بصرمحرہ ہوتاہے	بصرمحرہ ہوتے ہوئے بصرجاتا ہے	〃	۱۰	دے	دیتے
		LOWER	LOWER	۸۲	۶	فراتی	فرمائی
۳۵	۱۴	STORS	STORY	۹۰	۸	کا انتقام	انتقام
۳۷	۹	ہارریہ	ہاربر	〃	۲۱	عباس	اسمٰعیل
۳۹	۱۷	صد	صَدَہٗ	۹۸	۱۰	سرہنگال	سرہنگ
۴۰	۱۹	کام	اکام	۱۱۶	۵	تغفیہ	کفیہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۹	۱۷	خبر	خیبر	۱۶۶	۷	اب بنی ہے	بنی ہے
″	۱۹	ئہ	بہ	″	۱۰	غاء	غذ
۱۲۶	۱۷	لکھنا	دیکھنا	۱۷۵	۱۲	اثرندران	مازندران
۱۳۱	″	سوت	سود	۱۸۰	۱۸	روکاریں	روبرومیں
۱۳۷	۱۰	بحرخزم	بحرخنفر	۱۸۶	۲	اڑ	اور
۱۴۱	″	جیفۂ	جیغۂ	۱۸۹	۱۰	~~Commu- nism~~	~~Commu- nism~~
″	″	پہیر	پر				
۱۴۲	۲	کرلیا ہے	کرلیتا ہے	۱۹۶	۳	پارسی	فارسی
۱۴۸	۷	بیجا	بیحساب	۲۰۱	۷	چندرہ	پندرہ
۱۵۳	۲	لورہور	ٹورہور	۲۱۲	۵	کے قباد	کیئے قباد
۱۵۵	۴	قمقام	قوام	۲۲۰	۱۹	بن	جن
۱۵۹	۱۵	زینت	زینب	۲۲۱	۱۶	تغفیس	نفیس
۱۵۵	۱۸	عسکر	عسکری	۲۲۲	۳	بیپار	بیوپار
۱۶۲	۳	برپاہوی	برپا ہورہی	۲۴۶	۱۷	سب	شب
″	۱۰	صامن ضامن	ضامن صامن	۲۶۹	۱۵	ئی	بھائی
″	۲۱	سعادت صی	سعادتمندی	۲۷۷	۱۱	ہرچند	برجن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

انا ہدینٰہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں — یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے — حیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

ایک مدت سے عراق کے مقدس مقامات کی زیارت کا خیال دل میں پیدا ہوگیا تھا۔ اور گو اس خیال کو پورا کرنے کا ارادہ دن بدن زیادہ مستقیم ہوتا گیا لیکن سچ تو یہ ہے کہ ارادے کا پورا کرنے والا اور وقت مقرر کرنیوالا خدا ہے، جب تک اس کی مشیت نہ ہو کوئی ارادہ پورا نہیں ہوسکتا۔ اور جب تک وہ وقت جو منجانب اللہ مقرر ہے نہ آجاوے انجام کو نہیں پہنچ سکتا، کیسی ہی کوشش کی جائے لاحاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ جب اس کا وقت آگیا یکایک بغیر کسی تیاری کے سہ شنبہ

ب

۱۷ ماہ مے سنہ ۱۹۲۹ء م ۲۶ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۷ھ ہجری کو ایسی حالت میں کہ ہمراہ غلہ تھا نہ سامان پخت و پز "باورچی تھا" اور نہ توشہ خاص موسم کے لایق لباس بھی نہ تھا غرض بے سروسامانی میں بنگلور میں جو کچھ ہمراہ تھا اس میں سے بھی مختصر سا سامان لے کر صرف ایک ملازم کے ساتھ میں بنگلور سے ریل پر سوار ہوگیا۔ سچ ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

پہلے یہ خیال تھا کہ صرف عراق کے مقدس مقامات کی زیارت کرکے واپس ہوجاؤں مابعد اتفاق ایسا ہوا کہ مجبوراً خراسان کی زیارت بھی شامل کرلی گئی۔ خدا کا فضل شامل حال تھا۔ آٹھ اماموں کی بارگاہ قدس میں حضوری نصیب ہوئی ۱۴ محرم سنہ ۱۳۴۸ھ مطابق ۲۴ جون سنہ ۱۹۲۹ء کو بیگن پلی لوٹ آیا اس ڈیڑھ ماہ میں اللہ نے اتنی وسعت دی کے عراق کی بڑی تو بڑی جہاں تک ممکن ہوا چھوٹی سے چھوٹی زیارت گاہ بھی نہ چھوٹی ایران میں بھی ہر چھوٹی سی درگاہ پر جو راہ میں یا قریب تھی حاضری نصیب ہوئی' اس طرح عراق و ایران کا سفر طے ہوگیا' کوئی بے لطف عجلت نہ تھی جہاں رہا بفضل خدا راحت و اطمینان سے رہا جس بارگاہ میں گیا شاد کام آیا' پورا سفر خیر و عافیت سے طے ہوا کل سفر میں جو کچھ گزرا اور کچھ آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا عقل سے سمجھا اور یقین کی کسوٹی پر پرکھا اس کو بقدر استطاعت اور دیانت کے ساتھ حسب عادت بطور نوٹ اپنی ڈائری میں قلمبند کردیا۔ جب کوئی شخص ایسے سفر سے واپس ہوتا ہے تو عزیز و اقارب اور دوست احباب عموماً

حالات سفر سننے کے خواہشمند رہتے ہیں نیز وہ لوگ بھی ایسے حالات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں جو ان مقامات سے مشرف ہونے کی تمنا رکھتے ہیں ایسے لوگ صرف حالات سننے ہی پر اکتفا نہیں کرتے' بلکہ سوالات بھی کرتے جاتے ہیں کہ اخراجات کیا ہوئے' جہاز کیسا تھا' آیا اس میں آرام ملا یا تکلیف ہوئی' ریل کہاں کہاں ہے' آیا وہاں بھی موٹر کار ہیں یا اونٹ اور قافلہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کا کس قدر فاصلہ ہے' راہ پر امن ہے' یا پرخطر' سامان سفر کیا ہونا چاہئے' قیام وطعام کا کیا انتظام ہے وغیرہ وغیرہ۔

میرے سفر میں بعض حالات غیر معمولی بھی پیش آگئے تھے جو دلچسپی سے خالی نہیں تھے' جب میں نے دوستوں کی مجبوری سے تمام حالات بیان کئے تو بعضوں نے تقاضا شروع کیا کہ ان کو سفرنامے کی صورت میں قلمبند کر دیا جائے' ان اصرار کرنے والے بزرگوں کا یہ عذر تھا کہ مقامات مقدسہ کا کوئی سفرنامہ ایسا موجود نہیں ہے جس سے واقعات بھی پورے معلوم ہوں' اور زائرین کو رہبر کا کام بھی دے' سفرنامہ لکھنا تو آسان تھا لیکن دقت اس کی تھی کہ سفرنامہ کی نوعیت کیا ہوگی' آج کل اردو میں بہت سے سفرنامے ملتے ہیں جو عراق اور ایران پر لکھے گئے ہیں مگر کل سفرنامے دو طرز کے ہوتے ہیں' ایک تو وہ جو مسافر کے ذاتی حالات سے پر ہوتے ہیں دوسرے محض دوا اور چارٹ کی طرح' مسافت' کرایہ ریل وغیرہ سے بھرے رہتے ہیں ایسے سفرنامے گائیڈ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

میں نے جس نمونے کو نظر کے سامنے رکھا ہے' وہ ان دونوں کا مرکب ہے جس میں عام پڑھنے والے کو بھی دلچسپی ہو اور مسافر کی ضروریات بھی پوری ہو سکیں' تاثرات بھی ہوں اور حالات بھی چنانچہ اس مختصر سی کتاب

میں میں نے کوشش کی ہے کہ عراق و ایران کے سفر کی تمام ضروری ہدایات منازل و مشارع کی تفصیل ملک اور شہر کا مختصر جغرافیہ مختصر تاریخی حالات تمدن و معاشرت رسم و رواج کا اجمال حکومت تجارت فلاحت صنعت و حرفت، ذرائع رسل و رسائل اور مقامات متبرکہ کے تفصیلی حالات پیش کروں جس میں حسب ضرورت عکسی تصاویر و نقشہ جات بھی شامل ہوں تاکہ ناواقف زائرین اور سیاحوں کو کسی قسم کی احتیاج باقی نہ رہے۔

پہلے پہل میں نے جب اس قسم کی کتاب کا خاکہ اپنے ذہن میں کھینچا تو مجھے اپنی ڈائری کے نوٹ کی ایک طرف از سر نو تحقیقات کرنی پڑی تاریخی حالات جمع کرنے پڑے معاشرتی مشاہدات کو مدون کرنا پڑا۔ غرض ہر اس مواد کی فراہمی کی کوشش کرنی پڑی جو عموماً جدید طرز کے سفرناموں کا لاینفک جز ہے پہلا مسئلہ حل طلب یہ تھا کہ تاریخیں جو واقعات کے ضمن میں لکھی جائیں گی وہ انگریزی سنہ کی ہونگی یا عربی۔ مسلمانوں کی تاریخی کتب میں سنہ ہجری ہوتا ہے جس سے اب بہت کم کام لیا جاتا ہے، اس لیے سنین ہجری کو عیسوی سنہ کے ساتھ مطابق کرنا میں نے اپنے خیال میں ضروری سمجھا، اس کام میں مجھے بڑی دقت اٹھانی پڑی۔

سنہ ہجری کا ۱۵ر تاریخ ماہ جولائی سنہ ۶۲۲ء سے آغاز ہوتا ہے اس کا مدار چاند کی حرکتوں پر ہے جس کے باعث ہجری مہینے ہمیشہ ایک موسم میں نہیں آتے محرم کبھی بارش میں تو کبھی گرمی اور کبھی سردی میں آجاتا ہے سال عیسوی کا حساب سورج کی گردش پر ہے جس کے باعث عیسوی ماہ ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتے رہتے ہیں، غرض کہ سنہ ہجری کا سال سنہ عیسوی کے سال سے دس روز (۲۱) گھنٹہ ۱۴ اکے دقیقہ چھوٹا ہے، اس لیے سنہ ہجری

سے سنہ عیسوی کا تطابق کرنا ہو تو سنہ ہجری کے اعداد کو ۳۳ کے عدد سے تقسیم کریں اور خارج تقسیم کے عدد کو سنہ کے عدد سے منہا کر دیں۔ جو باقی رہے اسمیں چھ سو بائیس جمع کر دینے سے سنہ ہجری عیسوی کے مطابق ہو جاتا ہے' اس بات کا خیال رہے کہ باقی اگر نصف سے کم ہو تو چھوڑ دیا جائے اگر نصف سے بڑھکر ہو تو قبل منہائی ایک عدد خارج قسمت میں جمع کر کے منہائی کا عمل کیا جائے۔

دوسری مشکل یہ پیش آئی کہ مسافت کیونکر معلوم ہو عراق و ایران میں ہندوستان کی طرح مسافت کے پتھر نصب نہیں کئے جاتے' وہاں میل کی بجائے مسافت کا حساب فرسخ سے لگایا جاتا ہے' پھر عراق کے فرسخ میں اور ایران کے فرسخ میں فرق بھی ہے' عراق کا ہر فرسخ انگریزی تین میل کے برابر ہوتا ہے۔ اور ایران کا چار میل کا' اس لیئے فرسخ کو میلوں میں شمار کرنے کے لیئے میں نے اپنے حساب میں عراق کے ہر فرسخ کو تین میل اور ایران کے ہر فرسخ کو چار میل تصور کیا ہے' تاکہ ہندوستانی زائرین اور سیاحوں کو آسانی ہو۔

اس قدر محنت اور مشقت' تلاش اور تحقیق کے ساتھ نیز اپنا عزیز وقت صرف کر کے اس کتاب کو لکھنے میں میری غرض یہ نہ تھی کہ اس سے میں کچھ شہرت یا روپیہ کماؤں' بلکہ اس کے آغاز کے محرک جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے میرے بعض مخلص احباب کے تقاضے ہوئے اور اس کا انجام عوام کے مفاد کے خیال پر ہو رہا ہے۔

اگر یہ کتاب مذکورہ بالا مقاصد کی تکمیل کر سکے تو مجھے اپنی ریاضت کا پھل مل جائیگا اور میری سعی مشکور ہوگی۔

آخر میں نہایت خلوص دل سے جناب عبدالقادر صاحب سروری ام اے۔ ال ال بی۔ یم۔ آر، اے یس (لندن) مددگار پروفیسر اُردو کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے کتاب کی ترتیب میں میری بڑی مدد کی، بلکہ محنت کے ساتھ کتاب کی نظر ثانی بھی فرمائی اور میرا زیادہ وقت ان کی مہربانیوں کے باعث بچ گیا۔

ان کتابوں کی تفصیل طویل ہے جن سے اس سفرنامے کی ترتیب میں مدد لی گئی ہے لیکن جو زیادہ اہم ہیں ان کی فہرست نیچے دیدی گئی ہے

بعض حالات خصوصاً طاعون کی پریشانیوں کی وجہ سے کاتبوں اور سنگسازوں کی بے توجہی نے کتاب میں جا بجا غلطیاں پیدا کردی ہیں انکی تصحیح ناظرین غلطنامہ سے فرمالیں، یہ عیب دوسرے ایڈیشن میں دور ہوجائے گا۔

اس میں شک نہیں کہ احباب کی خوشی پوری ہوگئی، لیکن اس کو پیش کرتے ہوئے میں صاحبان بصیرت سے اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کو نظرانداز کرنے کی درخواست کئے بغیر نہیں رہ سکتا، کیونکہ اس میں ایسی چیزیں بہت سی نکلیں گی۔

بیت الامن۔ حیدرآباد دکن
۱۵ رمضان ۱۳۴۹ھ ۴ فروری ۱۹۳۱ء

میر اسد علی

تصویر کربلا ۔ الموسوم بہ گلزار جنت مصنف حاجی سید آل محمد صاحب مطبوعہ ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۷ء در مطبع اثنا عشری دھلی ۔

زاد الزائرین ۔ المعروف بہ معین الزائرین مصنفہ الحاج مرزا قاسم علی صاحب سنہ ۱۹۰۰ء بہ مطبع یوسفی دھلی ۔

اسلامی حیدری جنتری ۔ مولفہ شیخ ابو القاسم صاحب حسام سنہ ۱۳۴۷ھ سنہ ۱۹۲۹ء مطبع حیدری چھتہ بازار حیدرآباد دکن ۔

معین الحاج ۔ از ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب سنہ ۱۳۴۷ھ سنہ ۱۹۲۹ء معین دکن پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن ۔

سفر نامۂ بغداد ۔ از حاجی مولوی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار خادم العلوم اسٹیم پریس لاہور ۔

تاریخ اسلام ۔ جلد اول و دوم از اکبر خاں شاہ صاحب نجیب آبادی سنہ ۱۳۴۳ھ صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمٹیڈ پنڈی بہاء الدین پنجاب

تمدن خراسان ۔ حاجی محمد مسعود الحسن صاحب کربلائی و مشہدی سنہ ۱۳۴۶ھ سنہ ۱۹۲۷ء مطبع اثنا عشری دھلی ۔

تقویم موسوم بہ پارس سنہ ۱۹۲۹-۲۸ء اور سنہ ۱۹۳۰-۳۹ء فارسی مطبوعہ مجلس طہران و ایران۔

علوم کاظمیہ۔ مولف خان بہادر مولوی سیّد اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی سنہ ۱۳۳۴ھ سنہ ۱۹۱۶ء مقبول پریس دھلی۔

سیرۃ النقی " " سنہ ۱۳۳۵ھ سنہ ۱۹۱۷ء "

العسکری " " " " "

در مقصود " " سنہ ۱۳۴۰ھ سنہ ۱۹۱۷ء

تحفہ رضویہ " " سنہ ۱۳۳۴ھ سنہ ۱۹۱۶ء

انگریزی کتابوں کی فہرست

THE INS AND OUTS
OF
Mesopotamia BY—Thomas Lyell,
Messrs. A. M. Philpot (1923.)

A BAGHDAD CHRONICLE BY Reuben Levy, M A.,
University Press Cambridge (1929.)

A SHORT HISTORY OF THE SARACENS,
BY—Syed Ameer Ali, P. C., C. I. E., L. L. D., D. Z..
Messrs. Macmillan & Co., (1927)

THE NEW PERSIA BY Vincent Sheean,
The Century Co., New York & London (1927)

PERSIA (The Story of Nation)
BY—S. G. W. Benjamin,
4th Edition, T. Fisher Unwin, London.

THE GLORY OF THE SHIA WORLD,
BY—MAJOR P. M Sykes, C. M. G., C. I. E.,
Messrs. Macmillan & Co., Ltd., London, 1910.

A HISTORY OF PERSIA, Vol. I & II.,
BY—Lieut.-Col. P. M Sykes, C. M. G., C. I. E.,
Messrs. Macmillan & Co., Ltd., London (1915.)

UNDER PERSIAN SKIES,
BY—Hermann Norden Squr.,
Messrs. H. F. & G. Witherby London (1923)

FOUR CENTURIES OF MODERN IRAQ,
BY—Stephens Hemsley Longrigg, M. A.,
The Clarendon Press, Oxford (1925)

PERSIA OLD AND NEW,
BY—Rev. W. Wilson Cash,
Church Missionary Society, London (1929)

ANCIENT CITIES OF IRAQ,
BY—Dorothy Mackay,
Messrs. K. Mackenzie, Baghdad, Iraq (1929)

MANSOORI GUIDE, To KHORASAN, MESHED,
BY—Syed Abbas Shah Mansoor-Zada,
The Muslim University Press, Aligarh (1926)

IRAQ, MESSRS THOMS COOK & SON, LTD.,
(Hand Book)
Messrs. McCorquodale & Co., Ltd., London.

Bhagyanagar Press, Residency Road Hyd, Dn.

باب اوّل

عام ہدایات

موسم

بہترین موسم عراق کے مقدس مقامات کی زیارت کے لیئے وسط
اکتوبر سے وسط دسمبر یا وسط فبروری سے وسط اپریل تک ہے۔ ایران کیلئے
اوائل جولائی سے آخر سپٹمبر مناسب ہے۔ ان ایام میں جدا جدا مقامات
کی زیارات کر سکتے ہیں۔ اگر کسی کا ارادہ عراق سے ایران جانے کا ہو تو فبروری
کے اوائل میں ہندوستان سے نکلیں پہلے عراق کے زیارات سے فارغ
ہولیں۔ پھر ایران کے زیارات سے فارغ ہوکر اواخر اپریل تک ہندوستان
واپس ہو جا سکتے ہیں لیکن اگر ارادہ ایران سے عراق جانے کا ہو تو اوائل
جولائی میں ہندوستان سے براہ دزداب نکلیں زیارات ایران کرتے ہوئے
عراق آئیں اور عراق کی زیارتوں سے فارغ ہوکر اواخر سپٹمبر میں ہندوستان

واپس ہوجائیں۔ ان دونوں مقامات کی زیارتوں کے لیئے تین ماہ بالکل کافی ہیں۔ اس عرصہ میں آرام وراحت۔ اطمینان وسہولت اور خیر وعافیت سے سفر طے ہوسکتا ہے۔

پاسپورٹ

غیر ممالک میں سفر کرنے کے واسطے اول گورنمنٹ ہند سے پاسپورٹ حاصل کرنا لازم ہے زائرین کا پاس جسکو پلگریم پاس (Pilgrim Pass) یا اجازت نامہ زائرین کہتے ہیں انھیں ضلع کے مجسٹریٹ کے ہاں سے اور دیسی ریاستوں میں رہنے والوں کو رزیڈنٹ یا ایجنٹ گورنر جنرل سے ملسکتا ہے۔ ایک سرکاری مطبوعہ فارم کی خانہ پری کرنی پڑتی ہے۔ جس میں مسافر کی سب کیفیت درج ہوجاتی ہے اُس کے ساتھ دو عکسی تصاویر بھی داخل کرنی پڑتی ہیں کوئی فیس دینی نہیں پڑتی۔ اس قسم کے پاس تاریخ اجرائی سے ایک سال تک کام دے سکتے ہیں۔ اِس مدت کے بعد سفر کرنا ہو تو پھر جدید پاس حاصل کرنا پڑتا ہے۔ پاس صرف عراق یا ایران کیلیئے جہاں جانا ہو مل جاتا ہے یا دونوں مقامات کے لئے بھی مل جاتا ہے۔ بعض زائر ایک ہی مقام کے لیئے پاس حاصل کرلیتے ہیں لیکن اگر اسی پاس سے دوسرے مقام کو جانا ہو تو دقت پڑتی ہے۔

بہتر یہ ہے کہ ایک ہی پاس دونوں مقامات کے لئے حاصل کیا جائے۔ اس کو بہت احتیاط سے رکھنا لازم ہے۔ اُس کے بغیر سفر محال ہے چیچک کا ٹیکہ اور ہیضہ کی پچکاری غیر ممالک کے سفر میں بطور حفظ ماتقدم ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ بہتر ہے کہ قبل روانگی ان امور سے

فارغ ہوجائیں ورنہ دوران سفر میں ٹیکہ و پچکاری لگوانی پڑتی ہے۔ بچپن
میں ٹیکا لگ چکا ہو تو کافی ہے البتہ ہیضہ کی پچکاری تازہ لگوانی ضرور ہے
بہرصورت کسی سیول سرجن کا باقاعدہ سرٹیفکٹ ساتھ رکھنا لازم ہے
اکثر مقامات پر اس کا مطالبہ اور معائنہ ہوتا ہے۔ پلگریم پاس کے یا
اجازت نامہ زائرین کی بہ نسبت پاسپورٹ غیر ممالک کے سفر کے لئے
زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ پاسپورٹ برٹش عملداری میں رہنے والونکو
لوکل گورنمنٹ کے ہاں سے بہ آسانی مل جاتا ہے اور دیسی ریاستوں
میں رہنے والوں کو رزیڈنٹ یا ایجنٹ گورنر جنرل کے ہاں سے۔ اس
کے لیے مبلغ تین روپیہ فیس اور تین عکسی تصاویر مطبوعہ فارم کی خانہ پری
کے ساتھ داخل کرنی پڑتی ہیں۔ پاسپورٹ تاریخ اجرائی سے پانچسال
تک کام دیتا ہے اور بعد ختم مدت مبلغ ایک روپیہ فیس داخل کرنے پر۔
اس کی تجدید ہو جاتی ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی نیلی خوشنما کتاب ہوتی ہے
جس میں مسافر کی ایک تصویر اور دستخط بھی چسپاں رہتی ہے ضروری
اندراجات ہوتے رہتے ہیں۔ اس کو معہ ٹیکہ اور ہیضہ کی پچکاری کے
صداقتناموں کے بیحد حفاظت و احتیاط سے ساتھ رکھنا لازم ہے اکثر
موقعوں اور مقامات پر ان کا معائنہ ہوتا ہے۔

بمبئی پہنچکر پاسپورٹ کو مزید (Vise) ویزہ کرنی پڑتی ہے۔
اس کا طریقہ یہ ہے کہ بمبئی گورنمنٹ کے پاسپورٹ افسر سے جا کر ملئے
اور اپنے سفر کی تفصیل بتائیے۔ عراق جانا ہو تو وہ آپ کے لیے حکومت
عراق سے اجازت حاصل کر کے ویزہ کر دے گا۔ حجاز جانا ہو تو حکومت
عرب سے اجازت حاصل کر کے ویزہ کر دیگا۔ اگر آپ اس افسر کو

پہلے ہی سے اطلاع دیں تو اجازت بذریعہ ڈاک حاصل کر لیجائے گی ورنہ عین وقت پر آپ کو تار کے اخراجات برداشت کرنے ہوں گے۔ بہرحال جس ملک کو آپ جانا چاہیں اس حکومت کی اجازت کی ضرورت ہے۔ وہ اجازت مقامی قونصل بھی دے سکتے ہیں۔ بمبئی میں عموماً کل خارجی گورنمنٹ کے قونصل رہتے ہیں ان سے ویزہ کرانی ضرور ہے مثلاً اگر بندر عباس اترنا ہو تو ایرانی قونصل سے۔ شام جانا ہو تو فرانسیسی قونصل سے۔ حجاز کے لیئے حجازی قونصل سے مگر بیت المقدس کے لیئے سرکار ہند کی کافی ہے۔ ویزہ آسانی سے ہو جاتی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اپنے سفر کے تمام ممالک کے ویزے سے بمبئی میں فارغ ہو سکتے ہیں۔ دوران سفر میں بھی ویزہ ہو جا سکتی ہے۔ مثلاً ایران کے لیئے یا شام کے لیئے بغداد میں ایرانی و فرانسیسی قونصل سے ہو جاتی ہے، اس سے بعض وقت تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے۔ ہر ویزہ کے لیئے مقررہ فیس ادا کرنی پڑتی ہے چاہے بمبئی میں ہو یا دوران سفر میں کسی اور مقام پر۔ کل ویزوں کی فیس ادا کر کر بمبئی میں فارغ ہو جانا بہتر ہے۔

رقم کی حفاظت

حکومت عراق کا اس وقت تک کوئی خاص سکہ نہیں ہے۔ ہندوستان کا روپیہ ساورن (اشرفی) اور نوٹ چالو ہیں۔ چھوٹے اور بڑے نوٹ ہر جگہ بآسانی بھنائے جا سکتے ہیں۔ سو سو کے نوٹ بہتر ہیں اس سے بڑھکر رقم کے نوٹ ہوں تو بھنانے میں مشکل ہوتی ہے۔

اور بڑی زحمت کا سامنا ہوتا ہے۔ ان کو ساتھ رکھنے کی سب سے اچھی صورت یہ ہے کہ ویسٹ کوٹ کے استر میں جیب لگا کر رکھئے جسکا منہ اندر ہو یا بلٹ میں رکھکر کمر سے باندھ لیں۔ بہر حال جس کو جیسی سہولت معلوم ہو عمل کریں۔ روپیہ یا اشرفیاں ہرگز ساتھ نہ رکھیں۔ اول تو وزن دار چیز کا رکھنا مشکل، دوسرے مختلف ممالک میں چاندی اور سونا ساتھ ساتھ لیئے پھرنے میں نقصان ہی نہیں بلکہ خطرہ بھی ہے۔

حکومت ایران کے خاص سکے یہ ہیں۔ سنار اور شاہی نکل کے ہوتے ہیں نصف قرآن۔ قرآن۔ دو قرآن۔ ۵ قرآن نقرئی ہیں اور طومان طلائی سکے ہیں اور نوٹ بھی جو ایک طومان۔ دو طومان۔ ۵ طومان۔ ۱۰ طومان۔ ۲۰ طومان۔ ۵۰ طومان اور ۱۰۰ طومان تک ہیں۔ میں نے اپنے ساتھ ایک طومان سے پچاس تک کے نوٹ لے رکھے تھے زائرین کو اکثر مشکل ہوتی ہے وہ صحیح اندازہ سکہ کی قیمت نہیں کر سکتے اگر ذیل کا تختہ ذہن نشین کر لیں تو نقصان سے بچ سکتے ہیں۔ دو سنار کی ایک شاہی ہوتی ہے اور دس شاہی کا ایک قرآن ہوتا ہے۔ دس قرآن کا ایک طومان ہوتا ہے۔ طومان عموماً ہندوستانی ڈھائی روپیہ کے برابر نرخ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ جس وقت میں گیا تھا ڈھائی روپیہ نرخ تھا۔ نوٹ ہر شہر کے لیئے جدا ہیں۔ مثلاً آبادان۔ طہران۔ مشہد۔ اصفہان۔ ہمدان وغیرہ۔ سابق میں ایک شہر کا نوٹ دوسرے شہر میں نہیں چلتا تھا۔ اور اب بھی چھوٹے مقامات پر نہیں چلتا بڑے شہروں میں قبول تو کر لیتے ہیں۔ مگر کسی قدر بٹہ یعنی کمی سے۔ بہتر ہے کہ جہاں جہاں جانا ہو وہاں کے نوٹ حسب ضرورت ساتھ رکھلیں

دوسرے ملکوں کے سکہ اور نوٹ کا بھی چلن مملکت ایران میں ہے۔ مگر بڑے شہروں جیسے طہران۔ خراسان وغیرہ میں بھی غیر ممالک کے سکوں اور نوٹوں کے مبادلہ میں کسی قدر نقصان ہوتا ہے اور چھوٹے مقامات میں تو چلتے ہی نہیں۔ زائرین اور سیاحان ایران کو چاہیئے کہ حدود ایران میں داخل ہوتے ہی حسب ضرورت اپنا روپیہ ایرانی سکہ سے بذریعہ امپیرل بنک آف پرشیا (Imperial Bank of Persia) تبدیل کر لیں ہندوستان سے راست خراسان جانے والوں کو چاہیے کہ راستے کی ضرورت کے مناسب زرداب میں صدر بنک کی شاخ کے ذریعہ تبادیل کرالیں۔ مملکت ایران کے ہر بڑے شہر میں صدر بنک کی شاخ موجود ہے۔ عراق ہوتے ہوئے ایران جانے والوں کو چاہیے کہ امپیرل بنک آف پرشیا کی جو شاخ بغداد میں ہے اس سے روپیہ تبدیل کرالیں باقی سو سو کے ہندوستانی نوٹ حفاظت کے ساتھ رکھ لیں۔ رقم ہمراہ لے جانے کا ایک آسان طریق اور بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ صرف سفر خرچ کے برابر رقم ساتھ رکھ لیں اور باقی رقم کہیں جمع کر کر مختلف مقامات کے واسطے ہنڈیاں لے لیں اس طریقہ سے اپنا زادراہ محفوظ رہتا ہے اور مسافر بے فکر و مطمئن چلا جاتا ہے بمبئی میں کسی معتبر تاجر سے انتظام کر سکتے ہیں مسرز تھامس کوک اینڈ سن (Messrs. Thoms Cook & Son) بمبی سے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے یا امپیرل بنک آف پرشیا کی شاخ بمبی سے یہ صورت سب سے بہتر ہے کیونکہ اس بنک کی شاخیں بغداد میں اور ایران کے ہر بڑے شہر میں موجود ہیں۔ خود تھامس کوک اینڈ سن اپنی ہنڈیاں اسی بنک پر دیتا ہے

اور کوک کے خاص نوٹ و چک جو مسافروں کو کمپنی سے ملتے ہیں ان کو بھی یہی بنک خریدتا ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مملکت ایران میں یہ بنک کوک کا ایجنٹ ہے۔ بہرحال اس بنک سے انتظام کرلیں تو بہتر ہے۔

ہمسفر

کسی زمانہ میں سفر صورت سقر سمجھا جاتا تھا آج کل وسیلہ ظفر کہنا بے جا نہ ہوگا۔ سفر میں اس قدر سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں۔ اور ایسا امن و امان ہوگیا ہے کہ ایک ضعیف تن تنہا اطمینان و راحت۔ خیر و خوبی سے کل عراق اور ایران کا سفر کرکے گھر واپس ہوسکتی ہے۔ اگر یاران وطن کی ایک مختصر جماعت یعنی کم از کم چار ہم مذاق و ہم خیال ہمسفر ہو جائیں تو سفر کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے اور گاڑی و موٹر کے کرایہ میں خاص کفایت اور سہولت رہتی ہے۔ موٹر عموماً ۷ یا ۸ نشستی ہوتی ہیں۔ عام بس ۲۴ نشستی تک بھی ہوتی ہیں۔ بس میں سفر کرنے سے تکلیف کے علاوہ ڈریور کے دست نگر بھی رہنا پڑتا ہے ٹیکسی موٹر سے سفر کرنے میں آرام ہے اور ایسی مجبوری نہیں رہتی جیسی کہ بس میں اگر مسافروں کی تعداد پوری نہ ہو تو موٹر روانہ نہیں ہوسکتی اگر چار ہمسفر ہوں تو موٹر اپنی اختیار میں ہو جاتی ہے۔ جب چاہے چلیں۔ اور جہاں چاہیں ٹھیریں۔

اگر ہمسفر ہم مذاق و ہمخیال نہ ہوں تو بے حد مصیبت ہو جاتی ہے سفر بڑا بے لطف ہو جاتا ہے۔ ہمسفر کا انتخاب نہایت ہی غور و فکر سے کیا جائے مختلف المذاق وخیال کے حضرات کے ساتھ سفر کرنے سے

تنہا سفر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ دور و دراز سفروں میں نوکر محنتی ہوشیار اور مستعد ہو۔ اکثر نوکر کو ساتھ لیجا کر پچھتانا پڑتا ہے۔ نئی ہوا لگ کر نوکر کا مزاج بدلجاتا ہے خدمت لینی تو درکنار بعض وقت الٹی ناز برداری کرنی اور اکثر مالک کو نوکر کی خدمت کرنی پڑتی ہے جو علاوہ بے لطفی کے از حد تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔ ہر جگہ حسب ضرورت مقامی آدمی مل جاتا ہے اور ساتھ کے نوکر سے کہیں زیادہ کام دیتا ہے۔ یہ بہت مفید بھی ثابت ہوتا ہے

سامان سفر

سامان سفر جس قدر مختصر ہو بہتر ہے موسم کے لحاظ سے خصوصاً لباس کا انتخاب مناسب ہے۔ وسط اکتوبر سے وسط دسمبر تک زائرین اور سیاحوں کو گرم لباس ساتھ ضرور رکھنا چاہیئے۔ وسط فروری سے وسط اپریل تک گرم لباس کی ایسی ضرورت نہیں۔ ہاں حسب مناسب ایک یا دو جوڑ ون کا شاید کسی وقت کام پڑ جائے اس لیئے یہ بھی ساتھ رکھ لیں تو بہتر ہے۔ تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔ موٹر کا سفر عموماً صبح میں اول وقت ہوتا ہے اور موٹر کی رفتار تیز رہتی ہے جس کے باعث سردی محسوس ہوتی ہے۔ ایسے موقعوں پر اوورکوٹ کی ضرورت پڑتی ہے اس کو بھی ساتھ رکھنا چاہیے۔ لباس خاکی صندلی اور اگری رنگ کے اچھے ہیں باوضع بھی ہیں اور میل خور بھی اگر یہ نہ ہو تو وہ رنگ جو گرد و غبار برداشت کر سکتے ہوں اور میلے کم ہوتے ہوں بہتر ہیں۔ زائرین کے لیئے کم از کم پانچ چھ جوڑے (سفید) معہ چند رومال یا تابے کا لرا اور تولیے بالکل کافی ہیں بیاحوں اور وضعداروں کے لیئے وقتیہ دو سوٹ اور ایک درس سوٹ معہ قمیص ثانی

اور جوتے وغیرہ ضروری ہیں۔ عراق و ایران میں دھوبی کپڑا اچھا دھوتے ہیں ۔ وقت پر دیتے ہیں اور اجرت بہت کم لیتے ہیں۔ کسی مقام پر چار پانچ روز کا قیام ہو جائے تو وہ کپڑے جو دوران سفر میں میلے ہو گئے ہوں آسانی سے دھلائے جا سکتے ہیں۔

بستر بھی ہلکا ہو تو بہتر ہے۔ دو کمبل یعنے بلانکٹ ایک اوڑھنی اور ایک بچھانی ۔ ایک تکیہ کم از کم دو غلاف کے ساتھ چند چادریں اوڑھنی اور بچھانی اگر میل خور ہوں تو مناسب ہے بستر کے واسطے دری سے بارانی بہتر ہے۔ بلکہ انگریزی ساختہ بستر جس کو ہولڈآل کہتے ہیں اچھا ہوتا ہے۔

سفر میں بوٹ اور شوز کے علاوہ پمپ شوز یا سلیپر کی بھی حاجت ہوتی ہے خصوصاً جب مقدس درگاہوں پر جاتے ہیں تو بوٹ یا شوز اُتارنے اور پہننے میں دیری اور زحمت ہوتی ہے ایسی جگہ پمپ یا سلیپرز زیادہ آرام دہ اور مفید ثابت ہوتے ہیں۔ سفر میں چمڑے کے چھوٹے بکس جن کو سوٹ کیس کہتے ہیں ہوں تو بہتر ہے ۔ لکڑی یا لوہے یا چمڑے کے بڑے صندوق موٹروں میں لادنے میں دقت ہوتی ہے۔ چمڑے کا ہنڈ بیگ یا اٹاچی کیس جس میں فوری ضرورتوں کا سامان جو دوران سفر میں درکار ہو ساتھ رکھنا بہت مناسب ہے یہ زیادہ آرام دہ اور مفید ہے۔

جہاز و نیز سفر میں۔ ایک سفری پلنگ معہ فریم و مچھردان ۔ ایک سفری کرسی ۔ ایک تیز روشنی کا برقی جیبی لیمپ یا ٹارچ ۔ اور چاقو ساتھ رہے جن کی ضرورت ہر مقام پر پڑتی ہے اور ان سے آرام

ملتا ہے۔ تازہ کھانے جہاز ریل شہروں میں۔ نیز راستہ میں کہیں گراج و سرا ہوٹل ملتے رہتے ہیں تاہم سامان خورد و نوش میں اچار۔ جام۔ جیلی۔ منجمد دودھ۔ مکھن (مسکہ) پنیر۔ بسکوٹ۔ ڈبے کی مچھلیاں۔ شربت وغیرہ ساتھ رکھیں اس قسم کی چیزیں زیادہ کام آتی ہیں جن کو بید یا بانس کے توشہ دان یا ہلکی ٹوکریوں میں رکھ کر ساتھ لے لیں۔ اکثر موقعوں پر ان اشیاء سے بہت آرام ملتا ہے۔ مذکور الصدر اشیاء جہاز پر بھی فروخت ہوتی ہیں مگر بہت گراں بمبئی۔ بغداد۔ طہران۔ خراسان کے ہر بازار میں بھی ملتی ہیں۔ بہتر یہ ہے یہ چیزیں حسب ضرورتِ سفر بمبئی ہی میں خرید لی جائیں یا کل عراق کیلئے بھی لے لیں تو مناسب ہے۔ لیکن اگر عراق سے ایران جانا ہو تو بغداد میں بھی خرید لی جا سکتی ہیں جو طہران تک کافی ہوتی ہیں۔ پھر طہران سے خرید لی جائیں تو خراسان تک کام دیسکتی ہیں اور پھر وہاں سے ہندوستان لوٹنا ہو تو خراسان میں خرید لیں۔ ایسا ہی زرداب کی راہ سے پہلے خراسان اور پھر عراق سے ہندوستان آنا ہو تو زرداب میں خراسان تک کی ضرورت کے لیئے اور پھر طہران میں عراق تک کے لیئے یہ چیزیں حسب ضرورت لے لیا کریں تو سہولت رہتی ہے اور سفر کے سامان میں غیر ضروری زیادتی نہیں ہونے پاتی۔

پانی کی صراحیاں جا بجا ملتی رہتی ہیں۔ تاہم ایک آدھ مشکیزہ موٹے کپڑے کا بنا ہوا ہوتا ہے بمبئی کے بازاروں میں ملتا ہے اور ایک تریا فلاکس عمدہ ضرور ساتھ رہے۔

سفر میں اکثر صحت پر بار پڑتا رہتا ہے کچھ مجرب ادویہ بھی ساتھ رکھنا بہتر ہی نہیں لازمی ہے۔ ادویہ بقدر مناسب ایک چھوٹے ڈبہ میں

ساتھ رہیں تو پھر ڈاکٹر و حکیم۔ دواخانہ و شفاخانہ سے بھی بے نیازی رہتی ہے سہولت و کفایت سے عین وقت پر طبیعت کی اصلاح ہو جاتی ہے ذیل کی ادویہ ضروری ہیں۔ اس لئے اگر ایکدم بمبئی ہی میں خرید لی جائیں تو بہتر ہے اس میں کفایت و سہولت دونوں مدنظر ہیں۔ فہرست ادویہ کے ساتھ ہی یہاں ترکیب استعمال بھی درج ہے۔ اس کو ذہن نشین کریں تو مفید ہو گا۔

(Concentrated Red Mixtnre) کانسنٹریٹڈ ریڈ مکسچر ۳ اونس بغرض اصلاح کے لیئے فی خوراک۔ ایک چمچہ چائے کا ۲ تولہ پانی کے ہمراہ ۲ یا ۳ گھنٹہ کے وقفہ سے استعمال کریں۔ (۲) (Chlorodyne) کلوریڈین ایک اونس۔ فی خوراک ۲۰ قطرہ ۲ تولہ پانی کے ہمراہ ۳ یا ۴ گھنٹہ کے وقفہ سے دست موقوف ہونے تک استعمال کریں (۳) (Tinchire Iodln) ٹنکچر ایوڈین۔ زخم ہو تو اس پر لگایا جائے۔ درد کے مقام پر اور چھوٹی پھنسیوں پر ابتدا میں لگایا جائے تو وہ خشک ہو جاتی ہیں۔ (۴) (Elimeris Embrocation) ایمنس امبروکیشن ایک شیشی یہ روغن مالش ہے درد کے مقام پر مل کر سیکھ دینے سے آرام ملتا ہے (۵) (Ounin Tabloid 3 gain) کونین کے تین گرین والے قرص۔ ۱۰۰ قرص والی شیشی لینا بہتر ہے۔ جب بخار کم رہے یا اتر جائے تو فی خوراک ایک یا دو یا تین دن بھر میں تین مرتبہ استعمال کریں (۶)

(Phenacetin Tablaid one small bottle 5 grs. each)

قرص فناسٹین ۵ گرین والی چھوٹی شیشی بخار کو اتارنے کے لیئے فی خوراک نصف قرص پانی کے ہمراہ تین یا چار گھنٹے کے وقفہ سے استعمال کریں۔ اور

شدید درد سر ہو تو بھی نصف قرص ۲ یا تین گھنٹہ کے وقفہ سے استعمال کر سکتے ہیں۔ زیادہ مقدار اور کم وقفہ سے کبھی استعمال نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے ناطاقتی ہو جاتی ہے (۷) (Vegitable Laxatius tabloids) وجی ٹیبل لیاکزیٹو ٹیابلائڈز ایک چھوٹی شیشی یہ دوا دفع قبض کے لئے ہے حسب ضرورت ایک یا دو یا تین قرص سوتے وقت رات میں کھالیں

(۸) (Keatings' Cough lozenges) کیٹنگ کاف لازنجر ایک شیشی کھانسی کے لیئے فی خوراک ایک قرص ۲ یا ۳ گھنٹے کے وقفہ سے منہ میں گھلا کر لعاب نوش کریں (۹) Mawdes Solusion میانڈل سلوشن نزلہ اور خراش طارق کے لیئے روئی کے برش سے حلق میں لگائیں

(۱۰) (Eucaliputas) (oil) یوکیولیپٹس ایل۔ یہ تیل ہے۔ سردی کی کھانسی ہو تو سینہ اور دگدگی پر لگائیں۔ اور زکام ہو تو سونگنے سے فایدہ ہوتا ہے (۱۱) (Stiking Plaster) اسٹکنگ پلاسٹر یہ چکٹ مرہم ہے اس کو کپڑے پر لگا کر زخم یا پھنسی پر لگانے سے فایدہ ہوتا ہے

[مذکورۃ الصدر ادویہ معمولی علاج کے لیئے کافی ہیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی علالت ہو تو ڈاکٹر اور شفاخانہ بمبئی، جہاز اور عراق کے ہر مقدس مقام میں موجود ہیں علیٰ ہٰذا ایران کے ہر شہر میں بھی ان کی کمی نہیں کسی ڈاکٹر کے پاس رجوع ہو جائیں یا شفاخانہ چلے جائیں تو بہتر ہے۔

ابواب قابل لحاظ

"قبلہ" ہندوستان میں رہنے والوں کا قبلہ مغرب رویہ ہے ان کو بچپن سے مغرب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی عادت ہے۔ جب

عراق جاتے ہیں یا خراسان تو حسب عادت مغرب رو یہ قبلہ تصور کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کا خیال رہے کہ عراق میں قبلہ جنوب رو یہ واقع ہے اور عموماً کل ایران خصوصاً خراسان میں مغرب و جنوب رو یہ یعنے مغرب اور جنوب کے درمیان واقع ہے۔ قطب نما ہمراہ رہے تو آسانی سے قبلہ کی جہت معین کر سکتے ہیں اور ادائے نماز میں غلطی نہیں ہوتی بہتر یہ ہے کہ قبل از نماز وہاں کے حضرات سے تحقیق کر لیں۔ **وقت** ہندوستان میں مروجہ وقت کا شمار نصف النہار سے شروع ہوتا ہے اور نصف شب پر ختم ہوتا ہے۔ مثلاً دن کے ایک بجے سے رات کے بارہ بجے تک بارہ گھنٹے ہوتے ہیں۔ پھر رات کے ایک بجے سے دن کے بارہ بجے تک بارہ گھنٹے۔ عراق اور خراسان میں وقت کا شمار غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے طلوع آفتاب پر ختم ہوتا ہے۔ پھر طلوع آفتاب سے شروع ہو کر غروب تک ختم ہو جاتا ہے اس لیے کبھی دن بہت بڑھ جاتا ہے اور کبھی رات بڑی ہو جاتی ہے۔ بہر حال ہندوستان کے وقت میں اور عراق کے وقت میں ۶ گھنٹے کا فرق ہوتا ہے۔ عراق کی صبح کے چھ بجیں تو ہمارے ہاں دن کے بارہ بجتے ہیں۔ جس کے باعث ہندوستانیوں کو مشکل اور دقّت ہوتی ہے۔ کسی سے ملاقات کا وقت مقرر ہوتا ہے تو غلط فہمی ہو جاتی ہے اور وقت کی پابندی نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ دونوں وقتوں کا مقابلہ کر کے قرار داد نہ کر لیا جائے۔

مملکت عراق میں صرف بغداد ہی ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں وقت کے دو نظام ہیں ایک انگریزی اور دوسرا عربی جیسے بمبئی اور کلکتہ میں ایک اسٹانڈرڈ اور ایک مقامی وقت ہوا کرتا ہے اور باقی مقامات پر

عربی وقت ہی رائج ہے مملکت ایران کے صرف شہر طہران میں مجھے سٹانڈرڈ
وقت بھی نظر آیا۔ دیگر کل مقامات میں عربی وقت ہی رائج ہے۔ تاہم ہندوستان
کے وقت اور ایران کے وقت میں بحساب گردش کرہ ارض کچھ گھنٹوں کا
فرق ضرور ہو جاتا ہے اس لیئے مناسب یہ ہے کہ اپنی گھڑی کو
ان مقامات کے مروجہ وقت سے ملا لیا کریں جس سے سہولت ہوتی ہے
اور آرام ملتا ہے۔

میتوں کا لیجانا

اکثر حضرات میتوں کو اپنے ہمراہ بغرض دفن کربلا، یا نجف کو لیجاتے
ہیں۔ ان حضرات کی سہولت کے لیئے میتوں کو لیجانے کے متعلق ضروری
معلومات اور ہدایات یہاں درج کی جاتی ہیں اگر روانگی کے قبل از وقت
مذکور الذیل ابواب سے واقفیت نہ ہو اور ہدایات ذیل کی پابندی نہ کیجائے
تو بڑی زحمت اور مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔ ہندوستان سے میتیں لیجانے
کے قواعد مقرر ہیں۔ ان کی سخت پابندی ضروری ہے۔

(۱) مرطوب لاشوں کو کیمیائی ترکیب سے ایسے صندوقوں میں
بند کرنا چاہیئے۔ جس کے اندر لوہے سیسے یا جست کا پورا استر لگا ہوا ہو
تا کہ ہوا اور پانی کے اثر سے محفوظ رہیں۔ خشک لاشوں کے لیئے اسقدر
اہتمام کی ضرورت نہیں مگر ان کو بھی اسی طرح لپٹنا یا بند کرنا چاہیئے کہ کوئی
حصہ نظر نہ آسکے اور نہ کسی طرح کی بدبو پیدا ہو۔

(۲) جس مقام سے میت لیجاتے ہیں وہاں کے سول سرجن کا
ایک صداقتنامہ حاصل کرنا ضروری ہے جس میں موت کا اصل باعث

درج ہو۔ اور اس امر کی تصدیق بھی کرے کہ متعدی مرض موت کا باعث نہ تھا۔ اور یہ بھی درج ہو کہ مرطوب لاش کیمیائی ترکیب سے صندوق میں باقاعدہ بند کی گئی ہے۔ اگر خشک لاش ہو تو یہ صراحت ہو کہ کسی طرح کی بدبو نہیں ہے۔

(۳) نقل میت کے لیئے حاکم ضلع کے سرٹیفکٹ کی بھی ضرورت ہے اور جب بمبئی پہنچتے ہیں تو قبل اس کے کہ میت کو جہاز پر چڑھائیں میونسپل کارپوریشن کے ڈاکٹر کی اور کمشنر پولیس کا سرٹیفکٹ حاصل کرنا بھی لازم ہے۔ اس کو بمبئی میں سید ایوب حسین صاحب کے ذریعہ جو حاجی دلوجی مجال کے مسافر خانہ میں رہتے ہیں بآسانی حاصل کر سکتے ہیں یا عبداللطیف صاحب اسلامیہ ہوٹل بخدا شید الکزنڈرا ڈاک بمبئی کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں۔

(۴) بصرہ میں حکام محکمۂ حفظان صحت لاشوں کا اور صدا قتناموں اور اجازت ناموں کا معائنہ کرتے ہیں اگر لاش قابل اجازت سمجھی جاتی ہے تو سات روپیہ آٹھ آنہ فیس لیکر اجازت نامہ دیتے ہیں۔ مرطوب لاشیں صرف یکم نومبر سے ۳۱ مارچ تک داخل ہو سکتی ہیں۔ باقی مہینوں میں ممانعت ہے البتہ خشک لاشیں تمام سال داخل ہو سکتی ہیں جب تک کہ قواعد کی پابندی نہ ہو لاشیں عراق میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ بصرہ میں جناب آغا سید عبدالوہاب کے ذریعہ سے مدد لے سکتے ہیں۔

ہندوستانی ریلوں میں لاشیں لیجانے کا کرایہ عموماً ایک ہی ہے جو بحساب میل لیا جاتا ہے۔ فی لاش کے لیئے ہر میل کو آٹھ آنہ مقرر ہے اور جہاز کا کرایہ ایک لاش کے لیئے بمبئی سے بصرہ تک پانسو روپیہ اور

کراچی سے بصرہ تک ساڑھے چار سو روپیہ مقرر ہے۔ عراق ریلوے کا کرایہ حسب ذیل ہے:-

ایک خشک لاش بصرہ سے حلہ تک ۸۱ روپیہ ۲ آنہ کربلا تک ۲۰ روپیہ ۱۰ آنہ

〃 مرطوب 〃 〃 〃 〃 〃 ۴۲ 〃 ۸ 〃 〃 〃 ۸۳ 〃

〃 مزید 〃 〃 〃 〃 ۵۴ 〃 ۶ 〃 〃 ۶۲ 〃 ۴ آنہ

جن میتوں کو نجف میں دفن کرنے کا قصد ہو تو بصرہ سے حلہ تک ریل میں لیجانا پڑتا ہے وہاں تقریباً ۳۰ میل موٹر کار میں لیجانا ہوتا ہے اور کربلا لیجانا ہو تو ریل سے کربلا تک لے جاتے ہیں۔

اکثر حضرات میت کو نجف میں دفن کرنے کی ہو اول کربلا لاکر نجف لے جاتے ہیں۔ کربلا سے نجف تقریباً ۵۰ میل ہے موٹر میں لیجانا ہوتا ہے بہر حال حلہ اور کربلا میں موٹر بہت سے ملتے ہیں۔ کرایہ بھی زیادہ نہیں ہے آسانی سے موٹر والوں سے طے کر سکتے ہیں۔

نجف اشرف میں اور کربلائے معلّیٰ میں بڑے بڑے قبرستان موجود ہیں۔ نجف کے قبرستان کا نام وادی اسلام ہے۔ ان قبرستانوں میں میت دفن کرنے کے لیئے محکمۂ صفائی میں مقررہ فیس دیکر دفن کر دیسکتے ہیں۔ میت کو صحن حرم۔ حرم کے اطراف کمرہ میں کسی ایک کمرہ میں۔ یا ردات میں دفن کرنا ہو تو اجرت لیجاتی ہے۔ اس کی آمدنی اوقاف کو جاتی ہے۔ اجرت مقرر نہیں ہے حسب حیثیت لے لیتے ہیں۔ عموماً ۲۰ روپیہ سے ایک ہزار تک ہے۔ اس کا انتظام کلید بردار ضریح مقدس نجف و کربلا سے بذریعۂ خادم حرم جس کے پاس آپ مہمان رہتے ہیں۔ آسانی سے کر سکتے ہیں۔ باقی اخراجات مقامی ہیں جن کا اندازہ صحیح بتانا نہایت مشکل

ہے۔ اُسی خادم بارگاہ سے طے ہو جا سکتا ہے۔ یہاں مزار کے لوح بہت اچھے بنتے ہیں خوشخط بہتر۔ ارزان قیمت پر تیار ہوتے ہیں اور کام بہت جلد کرتے ہیں قیمت پتھر اور کندہ کروائی وغیرہ بھی اسی خادم کے ذریعہ سے طے ہو جا سکتی ہے۔ بہرحال میت کو لیجانے کے قبل معلومات حاصل کر لیں ہدایات کی پابندی کریں اور قواعد کی پوری پوری تعمیل کریں ورنہ میت کے لیے مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔ علاوہ زحمت کے نقصان مال بھی ہو جاتا ہے۔
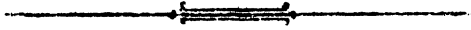
باب دوم

شارع و منازل

بندرگاہ

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے کہ جس میں کئی پراونس علاوہ دیسی ریاستوں کے ہیں۔ ہر پراونس میں کئی ضلع اور ہر ضلع میں کئی تعلقے اور ہر تعلقہ میں کئی تحصلیں۔ اور ہر تحصیل میں کئی قریئے ہیں۔ ہندوستان مختلف مذاہب و ملت کے باشندوں سے آباد ہے۔ آبادی عجیب قسم سے واقع ہوئی ہے کہ ہر مقام میں خواہ بڑے سے بڑا شہر ہو یا چھوٹے سے چھوٹا قریہ۔ حکومت انگریزی کا ہو یا دیسی ریاست کا دیگر مذاہب کے باشندوں کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی آباد ہیں۔ کہیں زیادہ تعداد میں اور کہیں کم ہر مسلمان کی خواہش رہتی ہے کہ کم از کم عمر بھر میں ایک وقت اپنا مذہبی فرض یعنے حج بیت اللہ ادا کرے۔ مقدس درگاہوں کی زیارتوں سے مشرف ہو جائے۔ ہر سال ہزاروں مسلمان ایام حج میں کعبۃ اللہ کے لئے اور زیارات

بزرگان دین کے لیئے حسب سہولت جاتے ہیں۔ جزیرہ نمائے ہند کے کئی بندرگاہ ہیں۔ جہاں سے جہاز ہر موسم میں وقت مقررہ پر دوسرے ممالک کو جاتے اور غیر ممالک سے ان بندرگاہوں کو آتے رہتے ہیں۔ تجارتی سامان اور مسافر ہمیشہ جہازوں پر سوار ہوتا اور جہاز سے بندرگاہ پر اترتا رہتا ہے مگر حجاج اور زائرین عموماً کراچی اور خصوصاً بمبئی کے بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہوتے ہیں۔ ہر زائر کو اپنے مستقر سے کراچی یا بمبئی آنے کے لیئے مختلف راہیں۔ مختلف ریلیں۔ اور ان ریلوں کے مختلف اوقات آمد و رفت اور مختلف شرح ٹکٹ ہیں جس کی تفصیل اس مختصر کتاب میں آنی ناممکن ہے بہر حال ریلوے ٹیم ٹائیبل یا گیڈ بک سے مدد لیکر آسانی سے سفر طے کرتے ہوئے کراچی یا بمبئی آجا سکتے ہیں۔

بمبئی کی آبادی اور تجارت بہت بڑی ہوئی ہے۔ زندگی کی تمام ضروریات کے سامان اور رہایش کی تمام سہولتیں موجود ہیں۔ ہر مذہب و ملت کے ادنیٰ اور اعلیٰ درجہ کے ہوٹل ہر گلی و کوچہ میں ہیں۔ حال میں وکٹوریہ اسٹیشن پر بھی مسافران درجہ اول اور دوم کے لیئے قیام کا انتظام ریلوے کمپنی کی طرف سے ہوا ہے ویٹنگ روم میں مفت تھوڑے عرصہ تک رہ سکتے ہیں اور ریٹیرینگ روم میں کرایہ دینا پڑتا ہے۔ یہاں ایک ان مسافر مقام کر سکتا ہے۔ انگریزی اور ہندوستانی کھانا ملتا ہے اور کمرے بھی ضروری فرنیچر کے ساتھ آراستہ ہیں۔ بہر حال سیاح اور زائر جہاز تک کہیں بھی بہ آرام روانگی تک قیام کر سکتے ہیں اور علاوہ اس کے کئی مسافر خانے بھی ہیں۔

مسافرخانہ حاجی دلوجی جمال

چنانچہ حجاج کے لیئے کرافورڈ مارکٹ کے قریب صابو صدیق سیٹھ
کا مسافرخانہ بہت مشہور ہے اور دو مسافرخانے ایک واڑی بندر پیا دروسر
بھینڈی بازار میں ہے۔ زائرین عراق کے لیئے ایک مخصوص مسافرخانہ
جیل روڈ پر عمرکھاڑی میں ہے۔ اس مسافرخانہ کے بانی سیٹھ حاجی دلوجی جمال
تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ اب اُن کے پوتے متولی ہیں۔ اس مسافرخانہ
کے قیام انتظام اور مرمت کے لیئے ایک جائداد وقف کردی گئی ہے جسکی
سالانہ آمدنی ۲۰۰ ۷ روپیہ بتائی جاتی ہے۔ یہ مستحکم اور شاندار سہ منزلہ عمارت ہے
جس میں روشنی کا اچھا انتظام ہے اور بہت سے ہوا دار کمرے ہیں جن کیساتھ
باورچی خانہ ملحق ہے۔ حمام اور پائخانہ کمروں سے بالکل علیحدہ ہے معقول
انتظام ہے اور ہمیشہ صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ جابجا برقی
روشنی بھی آویزاں ہے۔ ایک امام باڑا ہے جن میں مجالس ہوتی ہیں اور
مسجد کا کام بھی دیتا ہے۔ ایک پاک وصاف پانی سے لبالب حوض ہے
جس سے طہارت کا آرام ملتا ہے۔ مسافروں سے کسی طرح کا کرایہ نہیں
لیا جاتا ہر مسافر (۱۰) یوم تک قیام کرسکتا ہے مگر خورونوش کا انتظام
خود مسافر کو اپنا کرلینا پڑتا ہے۔ اس مسافرخانہ میں مولانا مولوی محمد باقر صاحب
مدظلہ العالی رہتے ہیں جو بڑے لائق عالم اور ذاکر ہیں۔ بہت ہمدرد و خلیق
و مقدس بزرگ ہیں۔ بلا مبالغہ شب و روز زائرین کے قیام و آسائش
کے انتظام میں مصروف رہتے ہیں۔ جہاز کا و نیز عراق ریلوے کا ٹکٹ
آسانی سے دلانے کا انتظام فرماتے ہیں۔ بہرحال آپ سے بڑی مدد ملتی ہے
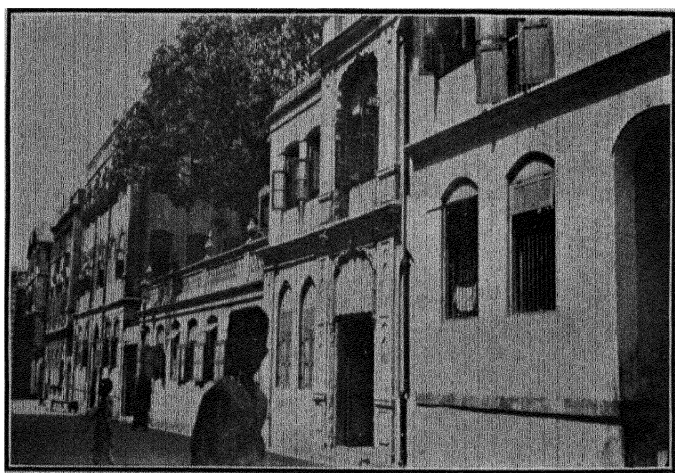
مسافر خانہ حاجی دلد جی جمال (بمبئی)

اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ ایک اور بزرگ قابل ذکر ہیں۔ وہ جناب سید ایوب حسین صاحب ہیں۔ آپ کی ذات بہت مفید خلائق ہے۔ آپ بڑے خلیق اور ملنسار ہیں اور زائرین کی خدمت کرنے کو راحت خیال فرماتے ہیں۔ آپ سے زائرین کو بڑی مدد ملتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزائے خیر دے۔ اس مسافرخانہ میں قیام کرنے سے عموماً غریب اور بے علم زائرین کو ہر طرح کی سہولت ہوتی اور بہت آرام ملتا ہے۔

راستے

ہندوستان سے حجاز کو جانے کے عموماً دو راستے ہیں۔ ایک راستہ سمندر سے جدّا آ۔ پھر موٹر سے مکہ و مدینہ۔ دوسرا عراق و شام سے مدینہ و مکہ بمبئی یا کراچی سے عراق تک جہاز پر جاتے ہیں اس کے بعد موٹر اور ریل سے مدینہ و مکہ یا ایران ہوتے ہوئے عراق وہاں سے شام ہوتے ہوئے مدینہ و مکہ اسیطرح عراق کے لیئے بھی آج کل دو راستے ہیں۔ ایک ایران ہوتے ہوئے عراق۔ دوسرا براہ سمندر راست عراق کو علی ہذا ایران کو جانے کی یوں تو آٹھ راہیں ہیں۔ اول کابل و ہرات سے۔ دوم کوئٹہ و چمن ہوکر سوم کوئٹہ توشکی و ذرداب ہوکر۔ چہارم بندر عباس ہوکر پنجم بوشہر ہوکر ششم محمرہ ہوکر۔ ہفتم بغداد سے کرمان ہوکر۔ ہشتم کراچی یا بمبئی سے عدن و سویز کے بندرگاہوں کو عبور کر کر قسطنطنیہ کے سامنے سے گزر کر بحر خضر ہوتے ہوئے مگر موجودہ زمانہ میں ہندوستان کے لیئے صرف دو راستے آرام دہ اور کم خرچ ہیں۔ اوّل ہندوستان سے کوئٹہ اور کوئٹہ سے ذرداب بذریعہ ریل ذرداب سے مشہد مقدس ۰۰ ۶ میل بذریعہ موٹر کار ہے جس کے حسب ذیل چھ منزل

ہوتے ہیں۔ اول سفید آبہ۔ بعض سفید آباد بھی کہتے ہیں۔ دوسرا ششت تیسرا برجنی یا برچند بھی کہتے ہیں چوتھے فائن یا حاذری۔ پانچواں تربت حیندزی پھر مشہد مقدس۔ ذرد آب سے مشہد تک کرایہ موٹر ۸۰ روپیہ سے لیکر سوا سو تک ہے۔

دوسرا راستہ کاظمین یا بغداد سے مشہد ایک ہزار میل کا ہے بذریعہ موٹر آٹھ منزل ہوتی ہیں۔ یوں تو ریل بغداد سے خانقین تک جاتی ہے۔ وہاں سے بذریعہ موٹر منازل طے کرتے ہوئے مشہد مقدس پہنچ جاتے ہیں اکثر لوگ بغداد ہی سے موٹر میں جانا پسند کرتے ہیں۔ بہرحال پہلی منزل بغداد سے خانقین۔ دوسری کرمان شاہ۔ پھر همدان اگر قم کی زیارت کرنی منظور نہ ہو تو ورنہ تیسری منزل قم ہوتی ہے یہاں سے پھر طہران۔ سمنان۔ شاہرو سبزوار اور مشہد موٹر کا کرایہ ایک سو بیس سے ایک سو پچاس تک ہے۔

ہر شخص اپنی سہولت کے لحاظ سے کوئی مشہد سے عراق آتا ہے۔ اور کوئی عراق سے مشہد جاتا ہے بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں کہ کل زیارات اور حج سے فارغ ہوتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس راستہ سے جاتے ہیں اسی راستہ سے واپس نہیں ہوتے بلکہ ایک سمت سے جاتے اور دوسری سمت سے واپس ہوتے ہیں۔ بہرحال جو لوگ عراق سے مشہد و ایران جاتے ہوں یا عراق سے حجاز جاتے ہوں اُن کو براہ سمندر جانا ہوتا ہے کراچی یا بمبئی سے جہاز پر سوار ہونا ضروری ہے۔

جہاز

یورپ۔ افریقہ جاپان اور دیگر ممالک کو جانے کے لیے کئی جہازی کمپنیاں
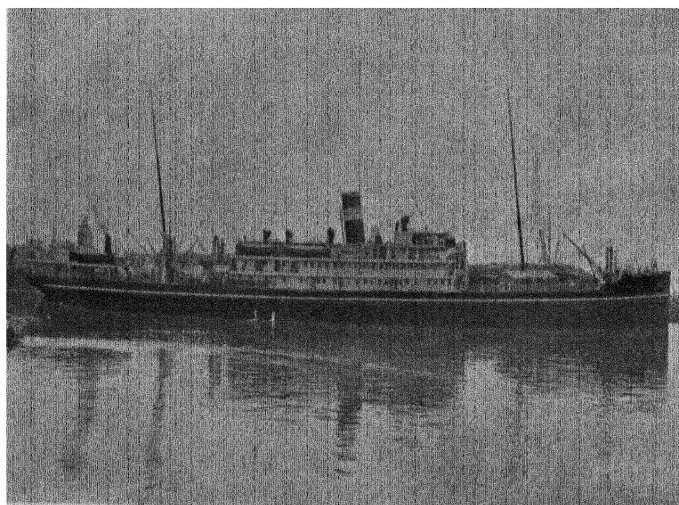
وریلا - جہاز

ہیں۔ جن کے جہاز ہر وقت مسافرین کو ان مقامات کو لے جاتے رہتے ہیں
حج کے زمانے میں مغل کمپنی۔ غازی کمپنی بشستری کمپنی کے جہاز حاجیوں کو
براہ راست حجاز لے جاتے اور لے آتے ہیں۔ ہندوستان سے عراق جانیوالے
جہاز (British India Steam Navigation Co.) برٹش انڈیا
اسٹیم نیویگیشن کمپنی کے ہیں۔ اس کمپنی کا مختصر نام (B I.S.N.) بی آئی ایس
این ہے۔ اس کمپنی کے جہاز باقاعدہ طور پر کراچی و بمبئی سے بصرہ جاتے
ہیں جہازوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تیز رفتار جو ہر ہفتہ ڈاک لاتے اور
لیجاتے ہیں۔ اس وقت اس قسم کے تین جہاز ہیں (Vasna) ایک واسنا
دوسرا (Varela) وریلا اور تیسرا (Varsova) وارسوا ہر ایک جہاز
اندازاً ۷۰۰۰ ٹن ہے جو تیز رو یا میل اسٹیمر کہلاتے ہیں۔ یہ جہاز معمولاً ہر
جمعہ کو (۱۰ یا ۱۱) بجے بمبئی سے چھوٹتا ہے یکشنبہ کو کراچی پہنچتا ہے۔ اور
ساتویں روز جمعرات کو دوپہر کے قبل بصرہ جا پہنچتا ہے راستہ میں کراچی
کے علاوہ بوشہر محمرہ کے بندرگاہوں پر بھی کچھ دیر قیام کرتا ہے۔ کراچی تو
بڑا بندرگاہ ہے جہاز پلیٹ فارم پر جا لگتا ہے۔ باقی بوشہر اور محمرہ کے
بندرگاہ چھوٹے چھوٹے ہیں۔ یہاں جہاز سمندر میں کسی قدر فاصلہ پر ٹھہرا رہتا
ہے۔ کشتیوں کے ذریعہ سے آمد و رفت رہتی ہے۔ البتہ بصرہ میں وہی
بمبئی اور کراچی کا انتظام ہے۔ مسافر جہاز سے پلیٹ فارم پر اترتے ہیں
کشتیوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ جہاز خوش وضع اور آرام دہ ہیں۔ درجہ
اول و دوم کے مسافروں کے لیئے جو جو سہولتیں اور آسائشیں مہیا رہتی
ہیں۔ ان کا تو ذکر کیا۔ درجہ سوم کے مسافروں کے واسطے بھی غسل خانے
پائخانے صاف ستھرے ہیں۔ میٹھا پانی افراط سے ملتا ہے جا بجا نل لگے

ہوئے ہیں۔ برقی روشنی کافی رہتی ہے اور صفائی کا معمول سے زیادہ انتظام ہے ہر روز جہاز دھلتا ہے مگر درجہ سوم کے مسافروں کو ہر صبح میں سامان اٹھانے اور رکھنے کی ضرور زحمت ہوتی ہے جن کے ہاں بیٹھنے کی سفری کرسیاں و پلنگ بستروں کے نیچے رکھنے کیلئے موجود ہو تو آرام میں رہتے ہیں جہاز پر دو باورچی خانے ایک انگریزی اور ایک ہندوستانی ہیں۔ حال ہی میں اس ہندوستانی باورچیخانے میں خاص مسلمانوں کے لیے علیحدہ انتظام کیا گیا ہے جس کے ٹھیکہ دار سلے لسے کریم ہیں کھانے کا انتظام باسانی ہو جاتا ہے۔ کل اوقات کا کھانا اور چاء وغیرہ فی کس بحساب بارہ روپیہ بمبئی سے بصرہ تک لیئے جاتے ہیں۔ یا جتنے وقت کے کھانے اور چاء چاہیں لے سکتے ہیں قیمت مقرر ہے یا مسافر مناسب معاوضہ دے کر بطور خود ہی باورچی خانہ میں کھانا تیار کرا سکتے ہیں۔ جن کے پاس پیتل کے چولھے یا کوئلے کے انگیٹھیاں ہوں وہ خود ہی تیار کر لیتے ہیں خورد و نوش کی معمولی چیزیں مثلاً دودھ۔ چاء وکافی۔ میوہ۔ سگریٹ۔ بیڑی و پان۔ سوڈا ولیمونیڈ۔ بسکوٹ۔ کیک وغیرہ وغیرہ کریم سے مقررہ قیمت پر مل سکتے ہیں مگر کسی قدر گراں ملتی ہیں۔ جہاز میں زنانہ کے واسطے انتظام بھی معقول کروا لے سکتے ہیں۔ حسب ضرورت پردے لگا لے سکتے ہیں۔ مگر میری رائے میں خدا نے جس کسی کو دیا ہے ان کے لیئے عورتیں اور بچوں کے ساتھ سکنڈ کلاس میں سفر کرنا بہتر ہے زیادہ آرام ملتا ہے۔ دوسرے قسم کے جہاز سست رفتار ہیں جو بیشتر مال لانے اور لیجاتے ہیں اور راستہ میں اکثر بندرگاہوں میں قیام کرتے ہیں۔ اس وقت اس قسم کے جہاز

بارلا (Barala) بنکورا (Bankura) بارپیٹہ (Barpeta) باموراا

(Bamora) نامی (Barjora) اور بارجورہ (Bandra) باندارہ
میں ہر ایک جہاز اندازاً ۳۲۰۰ ٹن وزنی ہے۔ یہ سست رفتار جہاز معمولاً
ہر چہار شنبہ کو بمبئی سے روانہ ہوتا ہے۔ اور راستہ میں کراچی۔ مسقط۔ بندر عباس
ہنجام لنگہ۔ بحرین۔ بوشہر۔ کویت۔ اور محمرہ ٹھیرتا ہوا آہستہ آہستہ تقریباً
دو ہفتہ میں بصرہ پہنچتا ہے۔ یہ جہاز بھی خوش وضع و آرام دہ ہیں مگر کسی قدر
چھوٹے ہیں۔ درجۂ اول و دوم کے مسافروں کے لیئے انتظام ویسا ہی ہے
جیسا کہ تیز رو جہازوں میں ہے۔ سوم درجہ کے مسافروں کے لیئے بھی وہی
سہولتیں اور آرام ہے جو اس میں (تیز رو جہاز) ہے اور دونوں قسم کے
جہازوں کا کرایہ ایک ہی ہے جسکو جلدی عراق پہنچنا منظور ہو وہ تیز رفتار
جہاز میں سوار ہو جائے۔ اور جس کا قصد بحر عرب اور خلیج فارس میں
سیر و تفریح اور صحت کی خاطر سمندر کی ہوا کھانا ہو یا راستہ میں چھوٹے چھوٹے
بندرگاہوں پر اترنا ہو تو سست رو جہاز میں سفر کرے۔ کرایہ حسب ذیل
مقرر ہے:-

	فسٹ کلاس سنگل	فسٹ کلاس ریٹرن	سکنڈ کلاس بغیر خوراک	معہ خوراک	تھرڈ کلاس بغیر خوراک	معہ خوراک
بمبئی سے بوشہر	۲۰۳	۵۰۹	۱۵۷	۱۸۹	۲۲-۸	۲۰-۸
بمبئی سے محمرہ و بصرہ	۲۱۰	۵۶۷	۱۷۲	۲۱۰	۳۸-۸	۲۰-۸

(۱) صرف فسٹ کلاس کا ٹکٹ واپسی ملتا ہے۔ واپسی کے لیئے
چھ ماہ کی مہلت دیجاتی ہے۔ باقی کلاسوں کا واپسی ٹکٹ نہیں ملتا فسٹ کلاس

کی شرح ٹکٹ میں خوراک بھی شامل ہے۔ اگر خوراک کا خود انتظام کرلیں تو ڈاک سے دو چند کرایہ منہا کرنے سے تشریح معلوم ہو سکتی ہے۔

(۲) والدین کے ساتھ تین سال کی عمر تک کے بچہ کا کرایہ معاف ہے لیکن اگر ایسے ایک سے زیادہ بچے ساتھ ہوں تو ہر زائد بچہ کا کرایہ ایک چوتھائی لیا جاتا ہے۔ بارہ سال کی عمر تک کے بچہ کا نصف کرایہ مقرر ہے

(۳) دوسرے چھوٹے بندرگاہوں کے کرائے کمپنی کے دفتر سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ بخوف طوالت یہاں درج نہیں کئے گئے ہیں۔

جہاز کے ٹکٹ کئی ذریعہ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مسافر خانہ حاجی دلوجی جمال، یا مسٹر تامس کوک اینڈ سن کی معرفت خرید لیجئے خود میکنن میکنزی کے دفتر سے قبل از وقت لے لیجئے۔ یا دفتر جا کر راست خرید لیجئے ٹکٹ خریدتے وقت پاسپورٹ دکھانا پڑتا ہے۔

یوں تو جہاز کی روانگی کا وقت دن کے ۱۰ - ۱۱ بجے مقرر ہوتا ہے لیکن گودی پر صبح سے مسافروں کا اجتماع شروع ہو جاتا ہے۔ اول و دوم درجہ کے مسافر تو بلا روک ٹوک جہاز پر چلے جاتے ہیں۔ درجہ سوم کے مسافر معہ اسباب ایک احاطہ میں جمع رہتے ہیں۔ وہاں ٹکٹوں کا اور اسباب کا معائنہ ہوتا ہے اور سامان کے عددوں پر منظوری کا نشان لگا دیا جاتا ہے۔ پھر پھاٹک کھلتا ہے اور مسافر جہاز پر چڑھتے ہیں۔ سامان لیجانے کو قلی مل جاتے ہیں۔ جہاز پر جگہ مسافر خود اپنی آپ پیدا کرلیتا ہے۔ اور اچھی آسانی سے جگہ مل جاتی ہے بشرطیکہ پہلے پہنچے۔

کراچی

جمعہ کو جہاز بمبئی سے روانہ ہو کر عموماً شنبہ کو اور بعض وقت یکشنبہ کو
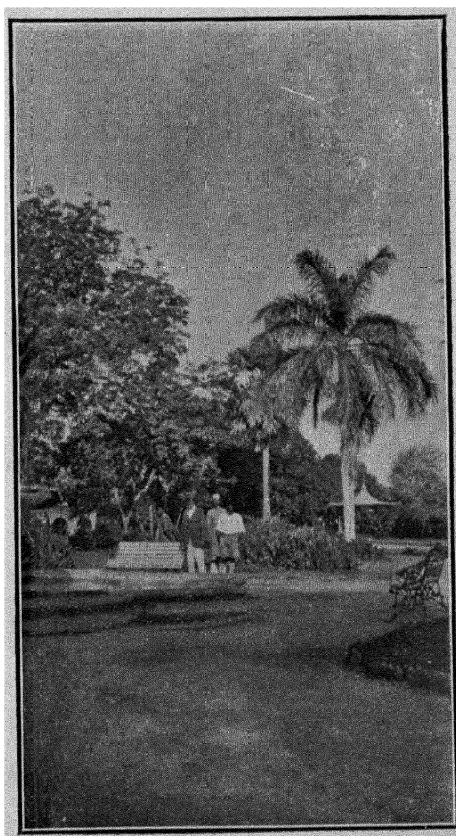
گاندھی گارڈن (کراچي)

کراچی پہنچ جاتا ہے۔ علاقہ بمبئی کی بندرگاہوں میں کراچی بہت بڑی بندرگاہ ہے۔ جہاں قدرتی ہاربر ہے یہ سندھ کا پایہ تخت ہے شہر بالکل نیا ہے۔ تجارت کا بڑا مرکز ہے۔ یہاں سے پنجاب۔ بلوچستان اور شمالی ممالک ہندوستان کو مال اور مسافر جاتے اور اطراف سے آتے رہتے ہیں۔ آج کل ہوائی جہاز بھی ڈاک اور مسافروں کو یہاں سے عراق۔ شام۔ ایران بیت المقدس اور یورپ کے ممالک و مصر لیجاتا اور لاتا ہے شہر کی سڑکیں آراستہ اور کشادہ ہیں۔ عمارات شاندار اور خوبصورت ہیں۔ صفائی کا بہت عمدہ انتظام ہے شہر کی بڑی بڑی راہوں پر ٹرام ہے جو پٹرول سے چلتی ہے۔ موٹر اور گاڑیاں بہت ملتی ہیں۔ اور کرایہ بھی بہت کم لیا جاتا ہے۔ ایک باغ عامہ ہے جس کو گاندی گارڈن نام دیا گیا ہے۔ اس کا انتظام محکمہ صفائی سے ہے بہت آراستہ باغ ہے اور قابل دیکھنے کے ہے۔

جہاز گودی میں پلیٹ فارم سے مل جاتا ہے۔ یہاں جہاز چہار شنبہ کے روز آئے تو پنجشنبہ کے روز تک ٹھیرتا ہے اگر یکشنبہ کو آئے تو تقریباً چھ گھنٹہ ٹھیرتا ہے۔ (ہمارا جہاز یکشنبہ کی صبح کو آیا اور اسی روز دن کے ایک بجے روانہ ہوا)

(۲) اکثر سیاح سیر کے لیئے اور مسافر سامان خورونوش خریدنے کے لیئے شہر جاتے ہیں۔ اور قبل روانگی جہاز بآسانی آجاتے ہیں۔

یہاں قرنطینہ ہے۔ درجہ اول اور دوم کے مسافروں کا معائنہ ڈاکٹر خود جہاز پر آکر کرجاتا ہے۔ سوم درجہ کے مسافروں کو مقام معائنہ کو جانا پڑتا ہے۔ جہاز کے پلیٹ فارم سے تقریباً ڈیڑھ یا تین فرلانگ کے فاصلے پر ایک معمولی عمارت ہے یہاں مسافر معہ اپنے بستروں کے جمع ہوتا ہے۔

ڈاکٹر آکر برائے نام سب کی صورت اور پیٹ میں طحال دیکھتا ہے اور ہاتھ اور ٹکٹ پر تصدیق معائنہ کی مہر لگادی جاتی ہے۔ مستورات کیلئے لیڈی ڈاکٹر مقرر ہے وہ بھی مستورات کی صورت اور پیٹ کی طحال دیکھتی ہے اور ٹکٹ پر تصدیق معائنہ کی مہر لگاتی ہے۔ اس دوران میں بستروں کو انجن میں ڈال کر بھاپ دیتے ہیں۔ اس کے بعد مسافر معہ بستروں کے جہاز پر واپس ہو جاتے ہیں۔ مردوں کے لئے تو قرنطینہ کوئی بات نہیں لیکن مستورات کے واسطے یہ آمدورفت تکلیف دہ ہے۔ مگر زیادہ سختی نہیں ہے۔ معائنہ برائے نام ہے اور بستروں کو لیجانے کی بھی زیادہ پابندی نہیں ہے۔ بعض تو ایک آدھی دری یا چادر لیجاتے ہیں اور بعض کچھ بھی نہیں۔ بہر حال کچھ لیجانا مناسب ہے ہمراہ ٹکٹ کا رکھنا ضروری اور لازمی ہے۔ ورنہ مشکل ہوتی ہے۔

اگر جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں جہاز کراچی سے یکشنبہ کو روانہ ہوتا ہے تو جہاز شنبہ کے اول صبح میں داخل بوشہر ہوتا ہے۔

بوشہر

اس وقت تک یہاں نہ قدرتی ہاربر ہے اور نہ ساختہ بندرگاہ جہاز سمندر میں بندرگاہ سے کسی قدر فاصلہ پر کھڑا رہتا ہے کشتیوں کے ذریعہ آمدورفت رہتی ہے۔ یہ بندرگاہ فارس (ایران) کی ہے یہاں تجارتی سامان جہاز سے اتارا جاتا ہے اور جہاز پر چڑھایا جاتا ہے ایرانی حضرات جو عراق بحمرہ۔ شام۔ حجاز وغیرہ جانیوالے ہیں یہیں سے جہاز پر سوار ہوتے ہیں اور وہ سیاح اور زائرین جو ایران کے ممالک کو جاتے ہیں اوترپڑتے ہیں۔ جو

یہاں اتر جاتے ہیں ان کے پاسپورٹ کا معائنہ اور سامان کی کسٹم میں جانچ
دیر پڑتال کی جاتی ہے۔ یہاں سے شیراز۔ اصفہان۔ طہران۔ خراسان
بغداد جانے کے لیے پختہ سڑکیں بنی ہوئی ہیں جن پر موٹر سروس جاری
ہے اور حال میں ہوائی جہاز ڈاک اور مسافروں کو ہفتہ میں ایک وقت
یہاں سے شیراز۔ اصفہان۔ طہران لیجاتا ہے اور ان مقامات سے ہفتہ
میں ایک وقت لاتا ہے۔ طہران سے بوشہر تک ہوائی جہاز سے چھ گھنٹے
میں سفر طے کرتے ہیں۔ حکومت ایران یہاں سے ریل بنانے والی ہے جو
طہران ہوتی ہوئی بحر خضر کی بندرگاہوں سے گزر کر تبریز پہنچیگی سنا جاتا
ہے کہ کام بھی شروع ہو گیا ہے۔ یہاں تجارتی سامان بہت اترتا اور چڑھتا
ہے۔ اہل شہر۔ میوہ۔ ترکاریاں مرغ۔ انڈے۔ گوشت و مچھلی فروخت
کرنے جہاز پر لاتے ہیں۔ اکثر مسافر ان سے حسب ضرورت اشیا خرید کرتے
ہیں جو بصرہ تک کام دیسکتے ہیں۔ جب سامان جہاز سے اتار دیتے ہیں
اور جو کچھ لینا ہے لیا جاتا ہے تو روانگی عمل میں آتی ہے۔ یہاں کے قلی جو
سامان چڑھانے اور اتارنے آتے ہیں بڑے چور ہوتے ہیں۔ مسافروں کو
خصوصاً درجہ سوم کے مسافروں کو چاہیے کہ اپنے سامان کی حفاظت کریں
ورنہ چوری جانے کا احتمال ہے۔

محمرہ

بوشہر سے جو جہاز روانہ ہوتا ہے پنجشنبہ کو داخل بصرہ محمرہ ہوتا ہے
محمرہ میں عربی حکومت ہے۔ یہاں کا حاکم شیخ محمرہ کہلاتا ہے۔ جہاز سے
سامان تجارت یہاں زیادہ اتارا جاتا ہے اور مسافر بھی زیادہ اترتے

ہیں۔ کیونکہ یہاں سے قریب آبادان علاقہ ایران ہے۔ جہاں اینگلو پرشین
آئل کمپنی (.Anglo Persian Oil Co) کا صدر مقام ہے اور مٹی کے تیل
کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ لب ساحل شاندار عمارتیں نظر آتی ہیں۔ تیل کے
مخزن (Reserveirs) بھی نظر آتے رہتے ہیں تعمیر کا سلسلہ جاری
ہے۔ یہاں چہل پہل اور رونق زیادہ ہے۔ صرف چند گھنٹوں کے قیام
کے بعد جہاز روانہ ہوتا ہے۔ دونوں طرف شط العرب کی سلسلہ دار
آبادی اور کھجور کے باغات نظر آتے رہتے ہیں۔ بہت دلچسپ منظر قدرت
نے پیدا کیا ہے یہاں سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر بصرہ ہے۔

بصرہ

پنجشنبہ کو جہاز بصرہ پہنچتا ہے۔ یہ عراق کی حکومت کی بڑی بندرگاہ
ہے بصرہ کی تاریخ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ ۶۳۸ء میں اس شہر کی
بنیاد رکھی گئی اسکے بعد سے برابر ترقی کرتا گیا۔ قدیم اسلامی حکومت کے زمانہ میں
بصرہ تجارت ہندوستان کا ایک عظیم مرکز تھا۔ کہا جاتا ہے کہ قدیم شہر بصرہ
موجودہ مقام پر آباد نہ تھا۔ بلکہ اس وقت جہاں قریہ زبیر ہے وہاں آباد
تھا۔ اب تک وہاں کھنڈرات نظر آتے ہیں۔ بہر حال یہ شہر بہت آباد
تھا اور اب بھی آباد ہے ۱۶۶۸ء میں سلطان مراد خاں چہارم کے زمانہ
حکومت میں بصرہ عثمانیہ ممالک میں شامل ہوگیا۔ ایک صدی کے بعد ایران
کے زیر حکومت آگیا۔ پھر ایک سال کے اندر ہی اندر عثمانیہ حکومت نے
واپس لے لیا مگر حقیقت میں شیخ منتافق مالک رہا۔ پھر ۱۸۳۸ء میں مستقل
عثمانیہ حکومت قائم ہوئی پہلے صوبہ بغداد میں شامل رہا۔ پھر علیحدہ ولایت
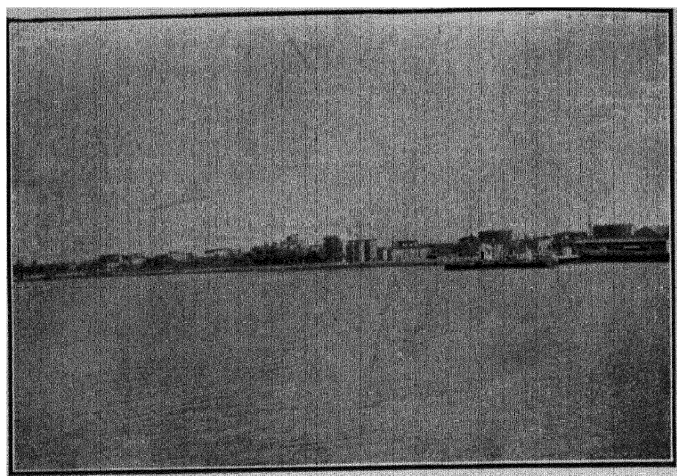
آبادان ـ شط العرب
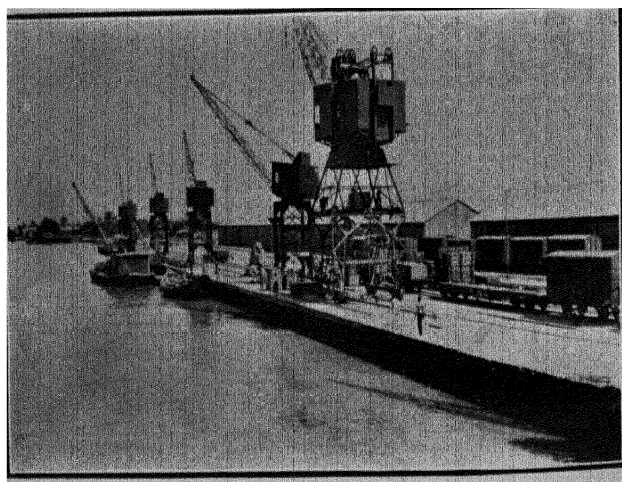
ھاربر بصرہ (عراق)

یعنے صوبہ بنا دیا گیا یہ حالت جنگ عظیم تک رہی اور ۱۹۱۴ئہ میں اسکو حکومت برطانیہ نے فتح کیا۔ اور بعد ختم جنگ سنہ ۱۹۲۱ئہ میں جب عراق کی خودمختار علیحدہ حکومت قائم کی گئی تو فیصل امیر عراق بنائے گئے۔ اب بصرہ عراقی حکومت کا صوبہ اور بندرگاہ ہے۔ اور امیر فیصل حاکم مگر زیر حفاظت برطانیہ ہیں۔ اس شہر کی نئی گلیاں کشادہ ہیں۔ سڑکین ہیں۔ اور شہر میں چھوٹی چھوٹی نہریں ہیں جن میں چھوٹی کشتیاں چلتی ہیں بہت دلچسپ منظر ہے۔ باہر سے سامان زیادہ آتا ہے اور یہاں سے باہر غلہ اور کھجور جاتا ہے۔ بہرحال تجارت اچھی خاصی ہے۔ یہاں پر عربی تمدن و معاشرت نظر آتی ہے۔

شہر دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک بصرہ۔ اور دوسرا عشارہ۔ کسی زمانہ میں آخرالذکر غیر آباد تھا۔ اب یہاں آبادی بڑھ گئی ہے۔ یہاں بڑا بازار ہے ضروریات زندگی کے کل سامان ملتے ہیں۔ اشیاء خوردنی خشک و تر اور پکا ہوا کھانا بھی ملتا ہے۔ یہاں مسافرخانہ اور ہوٹل بھی اچھے ہیں۔ مقام کے لحاظ سے کرایہ ارزاں ہے۔ اس جگہ ایک مسجد ہے جس کو مقام علیؑ کہتے ہیں۔ یہاں کی زیارت کرنی چاہیئے گویا عراق کی زیارت گاہوں کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے۔ اس جگہ سے ۹ - ۱۰ میل کے فاصلہ پر جنگ جمل کا میدان کارزار ہے۔ اس کے قریب زبیر اور طلحہ کی قبریں ہیں۔ اور قریہ زبیر کے باہر قبر حسن بصری بھی ہے۔ جن کو ان مقامات سے دلچسپی ہو جا کر دیکھ سکتے ہیں یہاں موٹر کار اور گھوڑوں کی گاڑیاں بہت ملتی ہیں اور کرایہ بھی سستا ہے آسانی سے انتظام ہو جاتا ہے۔ یہاں پاسپورٹس کا معائنہ اور کسٹم

میں سامان کی جانچ ہوتی ہے۔

بصرہ میں معاینہ

جب جہاز بندرگاہ بصرہ کے قریب آجاتا ہے تو عراقی حکام آتے ہیں۔ پاسپورٹ کا معائنہ ہوتا ہے۔ اور خاص طور پر جانچ پرتال ہوتی ہے۔ خدانخواستہ اگر کسی مسافر کی بدبختی سے اس کا پاسپورٹ گم ہوجائے یا کوئی بے قاعدگی پاسپورٹ میں پائی جائے تو جہاز پر روک لیا جاتا ہے اترنے کی اجازت نہیں ملتی۔ اور اسی جہاز میں اسکو مجبوراً واپس ہوجانا پڑتا ہے۔ یہ معائنہ جہاز ہی پر ہوتا ہے۔ جن کے پاس پاسپورٹ رہتا ہے اور اس میں کوئی بے قاعدگی نہیں ہوتی انپر مہر لگادی جاتی ہے۔ گویا وہ پاس ہوجاتے ہیں۔ یہاں مزدور بہت ملتے ہیں۔ اور اجرت بھی کم لیتے ہیں۔ بہت بھروسہ کے ہوتے ہیں اسباب ان کے تحویل میں کردیا جائے تو وہ لاکر کسٹم کے علاقہ میں رکھدیتے ہیں۔ درجہ اول و دوم کے مسافروں کا سامان جہاز ہی پر دیکھ لیا جاتا ہے ان کو کسٹم کے احاطہ میں جانے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی۔ ہاں درجہ سوم کے مسافروں کو اس احاطہ میں جمع ہونا پڑتا ہے۔ بصرہ میں بھی جہاز کا پلیٹ فارم مثل بمبئی اور کراچی کے بنا ہوا ہے۔ اس پلیٹ فارم سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر کسٹم کا احاطہ ہے۔ وہاں مطبوعہ فارم ملتے ہیں جو لوگ انگریزی دان ہیں خود ہی اپنے مال و اسباب کی تفصیل فارم میں درج کردیتے ہیں جو انگریزی دان نہیں ہیں وہ فی کس آٹھ آنہ دیکر تفصیل مال و اسباب درج کرا لیتے ہیں اس کام

مارکٹ - بصرہ
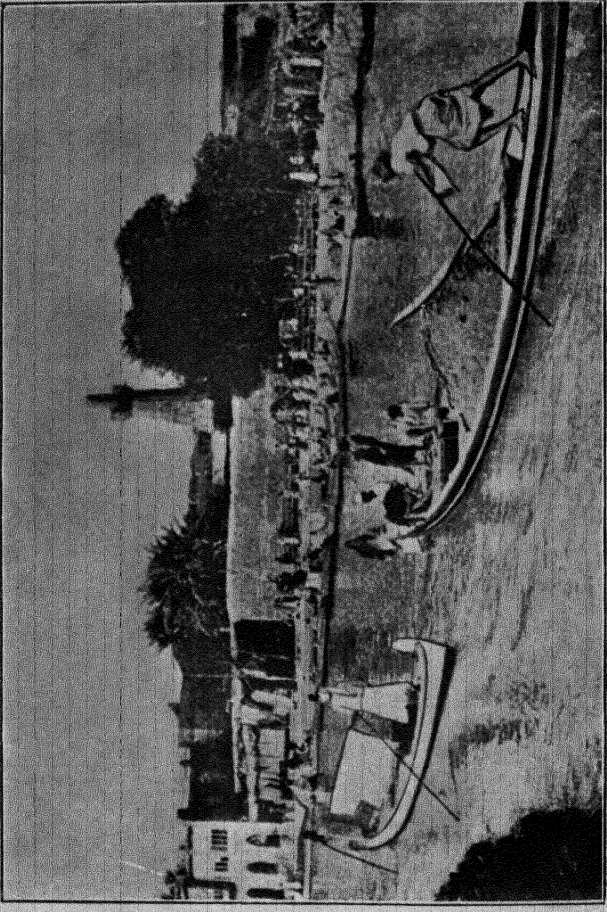
کے واسطے ایک صاحب انگریزی دان منجانب سرکار مقرر ہیں۔ اس فارم پر آٹھ آنہ کا عراقی ٹکٹ چسپاں کیا جاتا ہے۔ وہ بھی یہیں فروخت ہوتا ہے بعد اندراج فارم و چسپانی ٹکٹ کسی عہدہ دار کسٹم کو لیجا کر دکھائیں تو وہ سامان کا معائنہ کر لیتا ہے۔ اکثر اوقات نہایت تفصیل سے معائنہ ہوتا ہے جو اشیا قابل محصول ہوتی ہیں ان کی قیمت اپنے اندازہ سے لگائی جاتی ہے اور اس کا محصول لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اندازہ قیمت ایسا ہوتا ہے کہ اصل مال سے بہت زیادہ ہوجاتا ہے بہرحال ادائے محصول کے بعد منظوری کی علامت لگادی جاتی ہے۔ پھر آپ کا جی جہاں چاہے اپنا سامان لیجا سکتے ہیں۔

اس معائنہ پاسپورٹ اور ادائی کسٹم کے بعد فرصت ہو جاتی ہے اس کے بعد عراق بھر میں کہیں سامان دیکھا جاتا ہے اور نہ پاسپورٹ کا معائنہ ہوتا ہے اور واپسی کے وقت تک فرصت ہو جاتی ہے۔ جب ہندوستان واپس آتے ہیں تو کراچی میں بھی پاسپورٹ دیکھے جاتے ہیں۔ اور سامان بھی۔ بصرہ سے عراق کی زیارت گاہوں کو جانے کے دو راستے ہیں ایک دریا سے اور دوسرا ریل سے دریائی سفر میں بغداد ہوتے ہوئے جاتے ہیں۔ بصرہ سے بغداد ۵۰۰ میل براہ دریا ہے۔ چھوٹے جہاز چلتے ہیں جو یوفریٹس اینڈ ٹگرس اسٹیم نادی گیشن کمپنی لمیٹڈ (Euphrates and Tigris Steam Navigation Company Ltd.) کے ہیں اس کے ایجنٹ ڈی۔ میسوپوٹیمیہ پرشیا کارپوریشن لمیٹڈ (The Mesopotamia Persia Corporation Ltd.) بصرہ میں رہتے ہیں۔ ان سے کرایہ طے ہوسکتا ہے۔ ان کا ہیڈ آفس بغداد

میں بھی ہے۔ یہ جہاز ہفتہ میں دو وقت بصرہ سے روانہ ہوتا ہے اور بغداد سے بصرہ کے لیئے نکلتا ہے۔ جو جہاز بصرہ سے نکلتا ہے تین روز یا پانچ روز میں بغداد پہنچتا ہے دریا کی حالت پر جہاز کی رفتار کا دارومدار ہے۔ دوسرا راستہ ریل کا ہے

عراق ریلوے

گو عراق صدیوں سے حکومت سلطنت عثمانیہ (ترک) کے ماتحت رہا مگر ریلوے کی تعمیر کا خیال حکومت کو پیدا نہ ہوا تھا۔ جب قیصر ولیم نے سلطان عبدالحمید خاں ثانی سے قسطنطنیہ میں ملاقات کی اس کے دوسرے ہی سال یعنی سنہ ۱۸۹۹ء میں بغداد ریلوے کی عظیم الشان اسکیم کے اجارہ پر ترکوں کی دستخط ہوگئی گویا یہ جرمنی پولیٹیکل پالیسی کی بڑی کامیابی تھی۔ جرمنی سرمایہ اور انجینیروں سے اسٹانڈرڈ گیج ریلوے کا کام شروع ہوا۔ بغداد ریلوے کا کام کوہستان ٹارس پر رکا ہوا تھا اور دوسری طرف بغداد سے لائین شروع کرکے سامرہ تک لے گئے تھے۔ ٹرین بھی چالو ہوگئی تھی اور آگے سامرہ کے شمال کو بچھائی جارہی تھی کہ جنگ عظیم شروع ہوگئی اور بصرہ پر حکومت برطانیہ کا قبضہ ہوگیا۔ پھر تو جنگی ضرورتوں کے باعث بصرہ سے میٹر گیج ریلوے حکومت برطانیہ نے تعمیر کرنی شروع کی اور عراق کی خود مختار حکومت قایم ہونے اور ملک عراق کے جدید حکومت کے تحویل میں آنے کے قبل تک ریلوے کا بہت سا حصہ تیار ہوچکا تھا۔ لائین قریب بڑے بڑے شہروں میں سے گزرتی ہوئی بغداد پہنچتی ہے اسٹانڈرڈ گیج ریلوے جو جرمنی کی تیار شدہ تھی اس کو بھی شامل کرکے کل کو "عراق ریلوے" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ گو اس وقت عراق کی حکومت جدا ہے مگر ابھی تک ریلوے برٹش حکومت ہی کی ہے
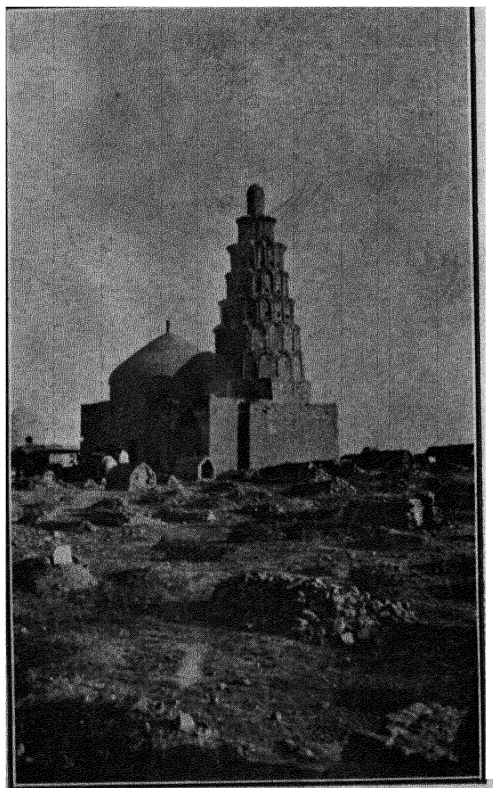
قبر حسن بصری

سرمایہ برطانیہ کا ہے اور انتظام بھی برطانوی عہدہ داروں کا ہے اس ریلوے کے ڈپٹی ٹرافک منیجر (Depuby Traffic Manager) کا مستقر ماگل اسٹیشن بصرہ میں واقع ہے اور ٹرافک منیجر (Traffic Manager) کا مستقر بغداد ہے بصرہ میں ایک ریلوے انسپکٹر بھی مقرر کر رکھا ہے۔ جو ہندوستانی زائرین اور سیاحوں کے کام کاج میں اپنی واقفیت اور اپنے اثر سے ہر طرح کی مدد دیتا ہے۔ اس وقت ریلوے انسپکٹر مسٹر سبا راؤ ضلع اننتاپور صوبہ مدراس کے باشندے ہیں بڑے خلیق اور بہت محنتی آدمی ہیں۔ کام میں کافی توجہ کرتے ہیں انگریزی کے علاوہ اردو بھی خاصی جانتے ہیں۔ عربی اور فارسی زبانوں سے بھی خوب واقف ہیں یہ صرف ہندوستانی زائرین و سیاحوں کی خدمت کرنے کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں۔ ان سے زائرین ہند کو واقعی بڑی بہت مدد ملتی ہے۔ مسٹر سبا راؤ کے ایک مسلمان مددگار بھی ہیں جو عراقی ہیں اور وہ بھی خلیق اور محنتی ہیں۔

چونکہ ہندوستان سے زائرین کثرت سے عراق جاتے ہیں ان کی سہولت کے لیے عراق ریلوے کی ایک ایجنسی کا آفس طبقہ پائیں (Lower stors) امرچند بلڈنگ ہیلوز پیر روڈ قلعہ بمبئی میں بھی ہے جہاں سے ٹکٹ یا کل سفر کا کوپن لے سکتے ہیں اس کی تفصیلی کیفیت مابعد آئیگی۔

غرض کل عراق میں دو قسم کے ریلوے ہیں ایک چھوٹی یعنی میٹر گیج جو تخمیناً (۶۲۵) میل طویل ہے۔ اور دوسری بڑی یعنی اسٹانڈرڈ گیج جو اندازاً (۳۳۲) میل کی مسافت طے کرتی ہے سوائے سامرہ مقدس کے تمام عراق کی زیارت گاہیں میٹر گیج پر واقع ہیں۔ بصرہ سے روزانہ ایک ٹرین نکلتی ہے جو راست الجوادین جاتی ہے۔ اور ایک ٹرین جو الجوادین سے بصرہ جاتی ہے عموماً

بصرہ سے نکلنے والی ٹرین کے اوقات حسب ذیل مقرر ہیں۔ عراق کے ریلوے کا
وقت اسٹانڈرڈ ٹیم ہے۔ عربی ٹیم نہیں ہے

تختہ اوقات

روانگی از بصرہ ۸ بجکر ۳۰ منٹ شب آمد بہ عوز جنکسن ۵ بجکر ۲۵ منٹ صبح
″ از عوز جنکشن ۶ ″ ۱۰ ″ صبح ″ حلہ دن کے ۲ ″ ۲۸ ″ ″
″ از حلہ ۲ ″ ۴۳ ″ ″ ″ ہندیہ ″ ۳ ″ ۴۲ ″ ″
″ از ہندیہ ۴ ″ ۳ ″ شام ″ بغداد غربی ۶ ″ ۳۰ ″ شام
″ از بغداد غربی ۶ ″ ۴۵ ″ ″ ″ الجوادین ۷ ″ ۱۰ ″ ″

اور الجوادین سے بصرہ کو جانے والی ٹرین کے اوقات عموماً حسب ذیل
ہیں:-

روانگی از الجوادین صبح کے ۸ بجکر ۱۰ منٹ آمد بہ بغداد غربی ۸ بجکر ۴۰ منٹ
″ از بغداد غربی ″ ۹ ″ ″ ″ ہندیہ ۱۱ ″ ۲۱ ″
″ از ہندیہ ″ ۱۱ ″ ۴۰ ″ ″ حلہ دن کے ۱۲ ″ ۴۰ ″
″ از حلہ ″ ۱۲ ″ ۵۵ ″ ″ عوز جنکشن شب کے ۹ ″ ۱۸ ″
″ از عوز جنکشن ۱۰ بجے شب ″ بصرہ موگل صبح کے ۶ ″ ۵۰ ″

پنجشنبہ کو جہاز بصرہ پہنچتا ہے اور اسی روز رات میں ۸ بجکر ۳۰ منٹ کو
ٹرین نکلتی ہے دوسرے روز شام کے (۷) بجے کربلا معلی پہنچ جاتی ہے کسٹم کے
دفتر سے متصل ہی ریلوے لین ہے اس پر ایک مختصر لوکل ٹرین کھڑی رہتی ہے
کسٹم کے جھگڑوں سے خلاصی کے بعد مسافر اس ٹرین میں معہ سامان سوار ہو جاتے
ہیں۔ اور یہ ٹرین روانہ ہو کر آہستہ آہستہ قریب کے اسٹیشن ماگل پہنچ جاتی ہے

یہ سفر مفت ہوتا ہے۔ زائرین اور سیاحوں کو اس کے واسطے کوئی ٹکٹ خریدنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسٹیشن پر بجلی روشنی اور پانی کا نل لگا ہوا ہے۔ تھوڑے فاصلہ پر صاف ستھرا بیت الخلاء بھی موجود ہے۔ اس اسٹیشن پر خورونوش کا تمام سامان نہیں ملتا۔ ہاں درجۂ اول و دوم کے مسافروں کے لیئے رسٹوران کار ٹرین ہی میں ہے۔ اس سے ضروری اشیاء جب چاہیں خرید لے سکتے ہیں مگر درجہ سوم کے مسافروں کے لیئے خوردونوش کا سامان بصرہ کے بازار میں مل جاتا ہے جو کسیقدر فاصلہ پر ہے۔ وہاں سے خشک اشیاء لاکر اپنا کھانا آپ پکالیں۔ کافی وقت کھانے پکانے کو ملجاتا ہے۔ اسٹیشن ماگل پر ڈاک گاڑی تیار رہتی ہے۔ بار بردالی ٹرین سے مسافر معہ سامان ڈاک گاڑی میں منتقل ہوجاتے ہیں۔ یہ ٹرین الجوادین کو راست جاتی ہے۔ اس ٹرین میں کربلاء معلی کے مسافروں کے لیئے ڈبے مخصوص رہتے ہیں ہندیہ جنکشن پر ڈبے ڈاک گاڑی سے علیحدہ ہوکر دوسری ٹرین میں لگ جاتے اور براہ راست کربلاء معلیٰ پہنچ جاتے ہیں غرضکہ ٹرین میں ہر طرح کا آرام ملتا ہے۔ ماگل (بصرہ) سے ڈاک گاڑی الجوادین کو (بغداد غربی) راست جاتی ہے جو (۲۰) گھنٹوں میں پہنچتی ہے۔

مسافروں کے لیئے راستہ میں چند اسٹیشن قابل ذکر ہیں۔ اول عور جنکشن دوسرا حلہ تیسرا ہندیہ جنکشن چوتھا اسٹیشن ام عون اور پانچواں سیت بصرہ سے عور جنکشن (۱۲۶) میل بذریعہ میل ٹرین تقریباً چھ گھنٹہ کا سفر ہے۔ عور اسٹیشن کے قریب کلدانیوں (Chaldians) کے آثار قدیمہ ہیں (۲۰) منٹ میں پیدل جاکر دیکھ سکتے ہیں اسٹیشن پر مسافروں کے قیام کے لئے سرکاری ڈاک بنگلہ ہے فی کس یومیہ دو روپیہ کرایہ مقرر ہے۔ اگر چاہیں تو

وہیں کھانے کا بھی انتظام ہو سکتا ہے۔ صبح کا ناشتہ اور دو وقت کھانا تقریباً
سات روپیہ روزانہ میں مل جاتا ہے۔ بنگلہ میں چار آدمیوں سے زیادہ کے قیام
کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیئے اسٹیشن ماسٹر کی معرفت پہلے سے قیام کا انتظام
کر لینا ضروری ہے تاکہ وقت پر بنگلہ خالی ملے۔ عین وقت پر جگہ نہیں ملتی۔ اسی
اسٹیشن سے حسب ذیل مقامات بھی دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں "تالالعبید"
(Tal al ubaid) اسٹیشن سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے ابوشارین
(Abu Shahrain) (۱۴) میل اور ناصریہ (۱۰) میل ہے۔ صدر مقامات کو
جانے کے لیئے موٹر کار کا انتظام اسٹیشن ماسٹر کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔
موٹر کار ناصریہ میں ملتے ہیں۔ اور ناصریہ کو لوگ ریل میں بھی جاتے ہیں عور جنکشن
سے شاخ نکالی گئی ہے ڈاک ٹرین عور سے چل کر حلہ پہنچتی ہے حلہ بصرہ سے
(۲۰۹) میل ہے اور (۱۶) گھنٹوں کا سفر ہے۔ اسٹیشن حلہ سے (۲) میل کے
فاصلہ پر آثار قدیمہ بابل ہیں (Babylon) کش (Kish) (۱۴) میل اور
بیرنمرود (Borsippa) (۷) میل ہے ان مقامات پر بھی ڈاک بنگلے ہیں
موٹر کے ذریعہ بسہولت جا کر آسکتے ہیں۔ حلہ ضلع کا صدر مقام ہے اور آباد
بھی ہے بہت سے موٹر کار ملتے ہیں۔ یہاں سے بذریعہ موٹر کار نجف اشرف
بھی جا سکتے ہیں۔ نجف اشرف جانا ہو تو کوفہ ہوتے ہوئے جانا پڑتا ہے۔
حلہ سے نجف اشرف اندازاً (۳۰) میل کے فاصلہ پر واقع ہے جہاں بذریعہ
موٹر کار (۲) گھنٹوں میں باسانی پہنچ جاتے ہیں۔ مگر راستہ کسی قدر خراب حالت
میں ہے غرض کہ میل ٹرین جب یہاں سے چلتی ہے تو ہندیہ جنکشن کو ایک
گھنٹہ میں پہنچتی ہے۔ بصرہ سے ہندیہ (۳۱۹) میل اور حلہ سے ہندیہ (۳۰)
میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہاں سے ایک ریلوے شاخ کربلاء معلیٰ کو
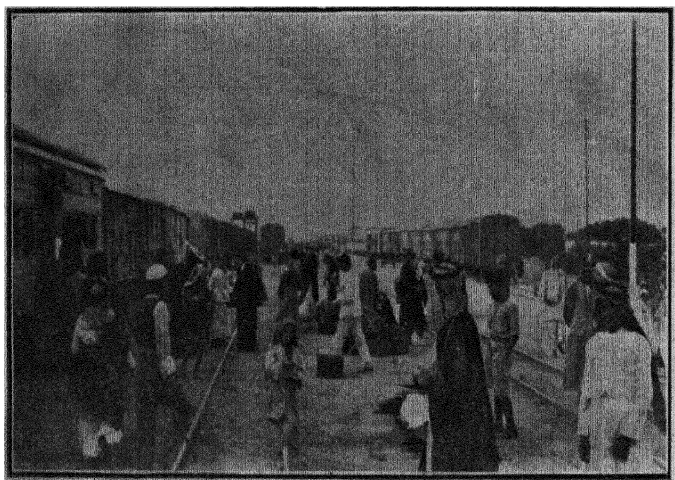
هندیہ جنگشن (بغداد ریلوے)

جاتی ہے۔ میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ راست کربلا معلیٰ جانے والے ڈبے میل ٹرین سے کاٹ کر کربلا معلیٰ جانے والی ریلوے شاخ میں لگائے جاتے ہیں۔ بعض وقت کافی ڈبے نہیں رہتے مسافروں کو ایک ٹرین سے دوسری میں بدلنا ہوتا ہے چونکہ یہاں کافی وقت مسافروں کو مل جاتا ہے اس لیئے سہولت سے ایک ٹرین سے دوسری ٹرین میں منتقل ہو جا سکتے ہیں الجوادین جانے والی ٹرین (میل ٹرین) دن کے (۳) بجکر ۲۴ منٹ کو ہندیہ پہنچتی ہے۔ کربلا معلیٰ جانے والی ٹرین ہندیہ سے (۴) بجکر ۵ منٹ کو نکلتی اور کربلا معلیٰ کو (۶) بجکر (۱۰) منٹ کو پہنچتی ہے اسی طرح ایک روزانہ ٹرین جو کربلا معلیٰ سے دن کے (۲) بجکر (۳۰) منٹ کو نکلتی ہے وہ ہندیہ (۳) بجکر (۵۰) منٹ کو پہنچتی ہے۔ الجوادین جانے والی ٹرین (۴ بجکر ۲۰) منٹ کو ہندیہ سے نکلتی ہے ان مسافروں کو جو کربلا معلیٰ سے الجوادین جاتے ہیں۔ کافی وقت ملجاتا ہے اس لیئے بہ سہولت ایک ٹرین سے دوسری میں منتقل ہو جا سکتے ہیں بصرہ سے کربلا جانے والے یہاں ٹرین بدل لیں اور کربلا والی شاخ لے لیں اور جو کربلا سے الجوادین جانیوالے ہیں میل ٹرین میں سوار ہوتے ہیں بہر حال ہندیہ سے جو شاخ کربلا معلیٰ جاتی ہے وہ کربلا معلیٰ پر ختم ہو جاتی ہے۔ ہندیہ سے کربلا معلیٰ (۱۳) میل ہے اور تقریباً سوا گھنٹہ سے کم عرصہ میں پہنچ جاتے ہیں درمیان ہندیہ و کربلا معلیٰ کے صدہا واٹر ورکس ہیں فرات پر بند باندھا گیا ہے زراعت کے لیئے چھوٹے چھوٹے نالوں کے ذریعہ پانی زمینات کو دیا جاتا ہے۔ اسٹیشن کربلا سے شہر کربلا بہت قریب ہے دس منٹ سے کم عرصہ میں اسٹیشن سے شہر پہنچ جاتے ہیں کربلا معلیٰ سے بھی نجف اشرف بذریعہ موٹر کار جاتے ہیں نجف اشرف یہاں سے (۵۰) میل پر واقع

ہے اور نجف اشرف سے (۶) میل پر کوفہ واقع ہے۔ نجف اشرف سے کوفہ بذریعہ موٹر یا ٹرام میں جاتے ہیں۔ اکثر زائرین نجف اشرف و کوفہ ان مقامات کو کربلا معلی سے ہی سے جایا کرتے ہیں۔ اور سیاح آثار قدیمہ شیفتح (Shifatha) سر سبز میدان فافتح اور فافتح (Ousis of Phafatha and phafatha) قلعہ و دار العمارہ عقیدیہ (Fotress Palace of lekhaid) کو کربلا سے ۶ یا ۷ گھنٹوں میں بذریعہ موٹر جا کر آ سکتے ہیں ہندیہ بڑا اسٹیشن ہے یہاں سامان خورد و نوش ملتا ہے۔ ہندیہ سے میل ٹرین الجوادین جانے والی نکلتی ہے اور تقریباً تین گھنٹے میں الجوادین پہنچتی ہے ہندیہ و مسیب کے درمیان ایک چھوٹا سا اسٹیشن امام عون نامی ہے۔ جو کربلا معلی سے ۵ میل ہے جہاں حضرت عونؑ برادر حضرت عباسؑ فرزند حضرت امام علیؑ کا مزار ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ عون فرزند حضرۃ زینب و عبد اللہ ابن جعفرؓ ہیں۔ بہر حال زیارت کرنے والے یہاں اور زیارتوں سے مشرف ہو کر دوسری ٹرین سے الجوادین جاتے ہیں بعض زائرین بذریعہ موٹر کار کربلا معلی سے آکر زیارت کرتے ہیں اور ریل سے الجوادین چلے جاتے ہیں یا کربلا معلی واپس ہو جاتے ہیں اسٹیشن امام عون سے ریل جو چلتی ہے تو اسٹیشن مسیب پہنچکر رکتی ہے یہ مقام کربلا معلی سے تقریباً (۲۲) میل ہے۔ یہاں عونؑ و محمدؑ پسران حضرت مسلم ابن عقیل کے مزار ہیں یہاں بھی زائرین اوتر کر زیارت سے مشرف ہوتے اور دوسری ٹرین سے الجوادین جاتے ہیں یا کربلا واپس ہونا ہو تو ادھر چلے جاتے ہیں بعض تو کربلا سے موٹر میں یہاں آکر واپس جاتے ہیں وہ لوگ کاظمین کو موٹر میں کربلا سے جانیوالے ہیں یہاں کی زیارت کرتے ہوئے کاظمین پہنچتے ہیں کیونکہ مسیب مابین کربلا و کاظمین واقع ہے غرض جن کو جیسی سہولت ہو کرتے ہیں۔ میل ٹرین مسیب سے

نکلتی ہے اور الجوادین پہنچتی ہے یہاں ریلوے کی اس شاخ کا خاتمہ ہوجاتا ہے
کاظمین جانے والے زائرین یا تو اسٹیشن بغداد پر اتر کر بذریعہ ٹرام کاظمین جاتے ہیں
جو بغداد سے (۶) میل پر واقع ہے یا الجوادین پر اتر کر بذریعہ گھوڑا گاڑی یا موٹر
چلے جاتے ہیں۔ الجوادین سے کاظمین بالکل قریب ہے۔

عربی بغداد سے اسٹانڈرڈ گیج ریلوے نکلتی ہے اور کاظمین شریف ہوتے
ہوئے سامرہ مقدس پرسے بائجی جاکر ختم ہوتی ہے۔ جن کا قصد سامرہ مقدس
جانا ہو وہ اسی ریل سے سامرہ جائیں مابین کاظمین شریف و سامرہ مقدس
بلد نامی اسٹیشن ملتا ہے جو بغداد سے تقریباً پچاس میل ہے اور سامرہ سے
(۲۴) میل۔ یہاں سے چھ میل کے فاصلہ پر مزار سید محمد فرزند حضرت
امام علی النقی علیہ السلام واقع ہے زائرین یہاں اتر کر زیارت سے مشرف ہوتے اور دوسری
ٹرین سے سامرہ جاتے ہیں۔ پھر ریل جو یہاں سے چلتی ہے تو سامرہ پہنچتی ہے
بغداد سے سامرہ (۷۴) میل ہے کل پانچ گھنٹوں کا راستہ ہے
زائرین یا سیاح جو سامرہ جانے والے ہوتے ہیں وہ سامرہ اسٹیشن پر اتر جاتے
ہیں یہاں سے ایک مختصر لوکل ٹرین نکلتی ہے جو کنارہ دجلہ تک جاتی ہے
دریائے دجلہ کو بذریعہ بلم یعنی کشتی عبور کرتے ہیں دجلہ کے مشرقی کنارہ پر شہر
سامرہ واقع ہے اور شہر کے وسط میں ضریح امام علی نقی علیہ السلام۔ حسن عسکری وغیرہ
ہے بائجی جانے والوں کو اسٹیشن سامرہ پر اترنے کی ضرورت نہیں بغداد غربی
سے نکلی ہوئی ٹرین راست بائجی جاتی ہے۔ بائجی بغداد سے (۱۲۳) میل
پر ہے اور سامرہ سے (۵۹) میل۔ بائجی سے آثار قدیمہ قالت شرکت
(Qalat Sharget) اور اشعر (Asshur) (۲۷) میل کے فاصلہ پر
واقع ہیں اور ہترا (Hatra) کے آثار قدیمہ (۸۰) میل پر ہیں موٹر کے ذریعہ

سے جا سکتے ہیں موٹر کا انتظام اسٹیشن ماسٹر بائجی سے ہو جا سکتا ہے موٹر موصل میں ملتی ہیں جہاں سے منگوائی جاتی ہیں۔ ٹرین کے اوقات پر عموماً ایسی موٹریں جو موصل کو جانے والی ہوں مل جاتی ہیں۔ یہ مسافروں کو موصل سے یہاں لے آتی ہیں بائجی کے اسٹیشن سے بذریعہ موٹر کار موصل ۷ گھنٹوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ موصل ایک گورنر (جس کو والی کہتے ہیں) کا مستقر ہے شہر آباد اور تجارتی مقام ہے۔ یہاں عمدہ ہوٹل ہے اور برٹش کلب بھی ہے۔ جہاں ٹھہر سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی تعرفی چھٹی مل جائے۔ موصل کے قرب وجوار میں آثار قدیمہ نینوا (Ninewah) نمرود (Nimrud) ماربہنم (Mar Behnam) باوین (Bavian) الخوش (Alkosh) اور دوحک (Dohuk) واقع ہیں۔ غرض کہ زائرین اور سیاح سامرہ مقدس یا ان مقامات کو جانے والے جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں اسٹیشن بغداد غربی سے ٹرین میں سوار ہوتے ہیں عموماً ٹرین ہفتہ میں دو روز یوم سہ شنبہ و جمعہ کو بغداد غربی سے نکلتی ہے اوقات حسب ذیل ہیں:۔

روانگی از بغداد غربی شام کے ۸ بجے آمد کاظمین ۸ بجکر ۲۰ منٹ
" از کاظمین ۸ بجکر ۴۰ منٹ " بسامرہ رات کے ۱ " ۱۰ "
" از سامرہ ۱ " ۳۰ " " بہ بائجی صبح کے ۵ " ۱۵ "

اسٹیشن سامرہ سے سیڈنگ (Siding) کو جو شاخ جاتی ہے۔ وہ دونوں مقاموں کے یعنی بغداد اور بائجی کے مسافروں کو لیکر جاتی ہے اور کنارہ دجلہ پر اتار دیتی ہے اسی طرح ہفتہ میں دو روز سہ شنبہ و جمعہ کو ریل بائجی سے نکلتی ہے اور بغداد جاتی ہے اس کے اوقات حسب ذیل ہیں:۔

روانگی از بائجی ۷ بجے شام آمد بہ سامرہ ۹ بجکر ۲۰ منٹ
" از سامرہ ۱ " رات میں " بہ کاظمین صبح ۵ " ۱۰ "
" از کاظمین ۵ " ۳۰ منٹ " بہ بغداد غربی ۵ " ۵۰ "

سامرہ سے بغداد اور بائجی جانے والے مسافروں کو کنارہ دجلہ کی سیڈنگ سے اسٹیشن سامرہ کو شاخ ریلوے لاکر چھوڑ دیتی ہے بغداد شمالی سے دو شاخیں میٹر گیج کی نکلتی ہیں۔ایک بغداد شرقی اور ہندی ہوتی ہوئی دیالا جاکر ختم ہوتی ہے یہ مسافت بارہ میل کی ہے۔دوسری شاخ کرکوک جاتی ہے۔بغداد سے کرکوک (۱۰۱) میل پر واقع ہے۔اس لین پر جنکشن قارہ غن ہے جو بغداد سے (۹۲) میل پر واقع ہے۔یہاں سے ایک لین خانقین جاتی ہے خانقین بغداد سے (۱۰۶) میل ہے اور قارہ غن جنکشن سے (۱۴) میل ہے خانقین سے ایران جانے والے بذریعہ موٹر کار جاتے ہیں ہوائی جہاز بھی طہران تک جاتا ہے۔مگر اس کے لئے خانقین سے قصر شیرین تک موٹر میں جانا پڑتا ہے وہاں سے ہوائی جہاز کے ذریعہ ہمدان ہوتے ہوئے طہران جاتے ہیں۔اور بعض بغداد سے راست طہران موٹر کار میں بھی جاتے ہیں چنانچہ میں بھی بغداد سے موٹر کار ہی میں طہران کو گیا تھا۔غرضکہ بغداد شمالی سے ٹرین ہفتہ میں دو روز خانقین جاتی ہے بغداد شمالی سے ایک ٹرین صبح کے ۸ بجکر ۱۵ منٹ کو نکلتی ہے وہ خانقین کو شام کے ۳ بجے پہنچتی ہے۔دوسری ٹرین رات کے ۹ بجے نکلتی ہے جو صبح کے ۶ بجکر ۲۵ منٹ کو پہنچ جاتی ہے۔اسی طرح خانقین سے ایک ٹرین جو ۱۱ بجکر ۱۵ منٹ پر دن میں نکلتی ہے وہ شام میں ۶ بجکر ۵ منٹ پر بغداد شمالی کو پہنچ جاتی ہے۔اور دوسری ٹرین رات کے

ساڑھے ۹ بجے خانقین چھوڑتی ہے اور بغداد شمالی کو صبح میں (۶) بجکر ۳۰ منٹ کو پہنچ جاتی ہے۔ جنگشن قارہ غن سے ٹرین جو چلتی ہے تو کرکوک پہنچتی ہے۔ کرکوک کے اطراف وجوانب میں آثار قدیمہ تارخیلان (Tarkalan) کرکوک سے (۱۴) میل پر باباگورگور (Baba Gurgur) (۵) میل اور اربل (Arbil) (۶۳) میل پر واقع ہے کرکوک میں آرام دہ ہوٹل ہے۔ ان مقامات کو جانے کے لیے موٹر باآسانی مل جاتی ہے۔ کرکوک سے موصل تک ریلوے لین کی توسیع کی تجویز زیر غور ہے۔ سنا جاتا ہے کہ پیمائش بھی ہو چکی ہے۔

شرح کرایہ

اسوقت تک شرح ٹکٹ خاص خاص اور بڑے مقامات کے لیے حسب ذیل ہے۔

	درجہ اول روپیہ	درجہ اول آنہ	درجہ دوم روپیہ	درجہ دوم آنہ	درجہ سوم روپیہ	درجہ سوم آنہ
از بصرہ تا عور جنگشن	۱۸	۰	۱۲	۰	۶	۰
" " حلہ	۲۴	۰	۲۹	۱۰	۱۴	۱۳
" " کربلا	۴۸	۶	۳۲	۴	۱۶	۲
" " بغداد	۵۰	۷	۳۳	۱۰	۱۶	۱۳
" " کاظمین	۵۵	۵	۳۶	۱۲	۱۸	۷
از بغداد تا حلہ	۱۲	۳	۶	۲	۲	
" کربلا	۱۶	۶	۴		۳	۵

	درجہ اول		درجہ دوم		درجہ سوم	
	روپیہ	آنہ	روپیہ	آنہ	روپیہ	آنہ
از بغداد تا عور جنگشن	۲۶	۱۳	۱۸	۱۴	۸	۱۵
" " تا بصرہ	۵۰	۷	۳۴	۱۰	۱۶	۱۳
" " " سامرہ	۱۳	۷	۹	۲	۲	۸
" " " بائجی	۲۴	۱۵	۱۶	۱۰	۵	۰
" " " خانقین	۱۰	۵	۶	۱۴	۳	۷
" " " کرکوک	۱۸	۵	۱۲	۱۰	۶	۱۵

واپسی کا ٹکٹ بھی ملتا ہے جو ایک ماہ کی مدت تک کام دیسکتا ہے تین سال سے کم عمر کے بچوں کا کرایہ معاف ہے۔ تین سال سے زیادہ عمر مگر بارہ سال سے کم عمر کے بچوں سے کرایہ نصف لیا جاتا ہے۔ خاص زائرین کی سہولت کے لیے کوپن بک بھی بمبئی اور بصرہ میں ملتی ہیں جس میں دو طرفہ ٹکٹ رہتے ہیں اس سے پورا سفر طے کر کے یعنی بصرہ سے روانہ ہو کر کل زیارات عراق سے فراغت حاصل کر کے (۹۰) روز یعنی تین ماہ کی مدت میں پھر بصرہ واپس پہنچ جاسکتے ہیں۔ اس کے کرایہ میں بھی کفایت ہوتی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ ایک مقام کو ایک مرتبہ جاسکتے ہیں۔ اگر کسی مقام کو دوبارہ جانا ہو تو علیحدہ ٹکٹ خرید کر جانا پڑتا ہے۔ مثلاً۔ بصرہ سے سیدھے کاظمین کو جا کر پھر کاظمین سے کربلا آسکتے ہیں۔ مگر کربلا سے مکرر کاظمین کو جانا چاہیں تو مزید ٹکٹ اس حصہ کے لیئے لینا پڑتا ہے کتابچہ (کوپن بک) نمبر ا کے کرایہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

تفصیل سفر	درجہ دوم				درجہ سوم			
	عام کرایہ		رعایتی کرایہ		عام کرایہ		رعایتی کرایہ	
	روپیہ	آنہ	روپیہ	آنہ	روپیہ	آنہ	روپیہ	آنہ
بصرہ سے کربلا تک اور اس کے برعکس	۱۴	۴	۳۶	۶	۱۸	۳	۱۵	۱۲
کربلا سے بغداد غربی تک یا برعکس	۸	۸	۷	۴	۳	۰	۳	۰
بغداد غربی یا کاظمین سے سامرہ تک یا برعکس	۹	۶	۷	۲	۲	۸	۲	۸
بغداد غربی سے بصرہ تک یا برعکس	۲۴	۰	۲۹	۱۱	۲۳	۲	۱۷	۱۱
جملہ	۱۰۳	۲	۹۰	۷	۴۵	۱۳	۳۰	۱۵

کوپن کے خریدنے سے درجہ دوم میں بارہ روپیہ گیارہ آنہ اور درجہ سوم میں چھ روپیہ چودہ آنہ کی کفایت ہوتی ہے۔ بچوں کے لیئے وہی رعایت ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ کوپن بک نمبر ”بی“ میں تفصیل سفر بصرہ سے کربلا تک یا اس کے برعکس کربلا سے بغداد تک یا اس کے برعکس بغداد سے بصرہ تک یا اس کے برعکس ہے۔ سامرہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ بہر حال جن کو کل سفر ریلوے سے طے کرنا ہو کوپن مفید ہیں۔ ہر وقت اور ہر مقام پر ٹکٹ لینے کی زحمت سے بھی رہائی ہو جاتی ہے جن کا ارادہ علاوہ ریل کے دوسری سواریوں میں سفر کرنا ہو تو حسب ضرورت صرف ان مقامات

کا جہاں ریلوے میں جانا ہو ٹکٹ خرید لیا کریں تو سہولت ہوتی ہے۔

عراق کی سواریاں

عراق میں اونٹوں کا بہت کم رواج ہے۔ گھوڑے اور خچروں کو سواری اور بار برداری کے کام میں بہت لاتے ہیں۔ ریلوے کی تعمیر کے قبل عموماً زائرین عسلی مقام (بصرہ) سے چھوٹے جہاز پر سوار ہو کر عمارہ۔ کوت ہوتے ہوئے بغداد پہنچتے تھے۔ اور گھوڑوں و خچروں کے ذریعہ سے (۶) میل طے کر کے کاظمین پہنچتے تھے۔ مدحت بادشاہ کے رفاہ عام کے کاموں میں ایک ٹرام وے کا بھی جاری کرنا تھا جو بغداد سے کاظمین تک جاری کی گئی ہے۔ ۱۸۸۲ء میں جب میری والدہ زیارت عراق کو تشریف لے گئیں تھیں ٹرام چالو ہو چکی تھی ہم اس میں سوار ہو کر بغداد سے کاظمین پہنچے تھے اُس زمانہ میں ٹرام کار کو گھوڑے جوتے جاتے تھے۔ اب موٹر سے ٹرام کا کام لیا جاتا ہے۔ ۱۸۸۴ء تک زائرین کاظمین کو ٹرام وے میں جا کر وہاں سے کربلا۔ اور کربلا سے نجف اور نجف سے کوفہ گھوڑوں اور خچروں پر جایا کرتے تھے۔ اُس وقت کی دوسری سواریوں کی تفصیل یہ ہے:۔

تخت رواں۔ جو مثل پالکی کے ہوتا تھا۔ اس کے آگے پیچھے دو قاطر لگائے جاتے تھے۔ اس پر سبک دو نفر اور سنگین ایک نفر سوار ہوتا تھا اسکے اوپر موم جامہ چپاں ہوتا تھا آگے پیچھے فانوس بھی لگائے جاتے تھے یہ دولتمند آدمی کی سواری سمجھی جاتی اور زنانہ کیلئے یہی سواری زیادہ مفید خیال کی جاتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں زیادہ ارام ملتا تھا۔

کجاوا:- اس کو پانی کی مشک کی طرح دو طرف قاطر (خچر) کی پیٹھ پر ڈال کر پیٹ کے نیچے باندھتے تھے اس کی شکل دو پنجروں کی سی ہوتی تھی۔ اس میں چپ و راست دو نفر ہم وزن بٹھائے جاتے تھے اگر وزن میں فرق ہوتا تھا تو گرنیکا اندیشہ تھا سائبان بھی ہوتا تھا۔ اس پر موم جامہ منڈھتے تھے۔ پوشش پر پردہ بھی لگا دیتے تھے مردوں سے زیادہ عورتوں کیلئے خوب سواری تھی۔ دن کی دھوپ رات کی شبنم ہوائے تند و خنک سے محفوظ رہتے تھے۔ سفر عموماً موسم گرما میں رات میں اور موسم سرما میں دن میں کیا جاتا تھا۔ اکثر سوار اپنی غفلت سے گر بھی جاتا تھا۔ حفاظت کیلئے ایک شخص کا ہمراہ رہنا ضرور تھا تاکہ وزن دونوں طرف برابر رہے اور توازن (Balance) برابر رہے اس کی اجرت تخت رواں سے کم پڑتی تھی۔ متوسط درجہ کے آدمی کے لیئے عمدہ سواری تصور ہوتی تھی۔

محمل:- یہ بھی مثل کجاوہ کے ہوتی تھی سائبان نہ ہوتا اور زنانہ کا انتظام نہ رہتا تھا۔ چونکہ اس کا کرایہ ارزاں ہوتا تھا غریب مرد اور عورتیں بھی چادر اوڑھ کر سوار ہو جاتی تھیں۔ یہ زیادہ آرام دہ سواری نہ تھی۔

سہ نشین:- یہ سواری مثل ہمارے ملک کے دھوبی کے بیل یا گدھے کے تھی جو کپڑوں سے لدا ہوا ہو۔ اس میں خورجین یا تھیلوں میں سامان بھر دیا جاتا ہے اور ایک نفر اس پر سوار کیا جاتا۔ لگام و رکاب نہیں ہوتے مرکب سوار کے قابو میں نہیں رہتا۔ سوار ہونا اور اترنا بدون امداد کے اس پر دشوار تھا۔ علاوہ اس کے رانیں چھل جاتیں اور زانوں میں درد ہو جاتا۔ دن کو دھوپ کی مصیبت رات میں شبنم کی آفت برداشت

کرنا اور رات کو بیدار رہنا پڑتا تھا۔ بعض غفلت سے گرتے بھی تھے بے حد تکلیف دہ سواری مگر بہت ارزاں کرایہ ہوتا تھا۔

گھوڑا۔ یا اولاق (گدھا) یہ کسیقدر اختیاری سواری تھی۔ گھوڑے کو لگام در کاب ہوتے تھے ان کا کرایہ نسبتاً اولاق سے زیادہ ہوتا تھا۔ اولاق کی سواری میں زانوں میں درد ہو جاتا کیونکہ رکاب نہیں ہوتے تھے لگام تو ہوتی ہی نہیں تھی کم از کم ایک ریسمان بطور رکاب رہتی تو کسی قدر آرام ملتا۔ اولاق کا کرایہ بہت کم ہوتا تھا۔ بہر حال ان سواریو پر سوار ہو کر منزلیں طے کرتے وقت اگر ایک پورا قافلہ نہ ہو تو سفر مشکل اور خطرناک ہوتا تھا۔ کاظمین سے کربلا تک تین منزل کیے جاتے تھے۔ اول کاروانسرائے محمودیہ۔ دوسری منزل مسیت اور تیسری کربلا۔ کل ۱۷ فرسخ ہوتے تھے فی فرسخ کے (۳) میل ہندوستانی ہوتے ہیں اس طرح کربلا سے نجف دو منزل ہے پہلی کارروانسرائے شور دوسری نجف۔ نجف سے کوفہ (۲) میل ایک روز او راستہ میں گزرتا اور کوفہ میں ایک روز قیام ہوتا تھا پھر نجف واپس ہوتے اور مراجعت کاظمین عمل میں آتی۔ کاظمین سے سامرہ جہاز یا اسی طریقے سے (۷۵) میل تین منزل کرتے جاتے تھے پہلی منزل دجیل۔ دوسری خاں نجارہ اور تیسری سامرہ۔ میرا پہلا سفر والدہ صاحبہ کے ہمراہ ایسی طرح ہوا تھا سنہ ۱۹۰۶ء میں میرے ایک عزیز دوست حیدر آباد سے عراق گئے تھے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ اسوقت بھی بجائے تخت رواں۔ کجاوہ۔ محمل وغیرہ کے گھوڑے گاڑیو کا رواج ہو چکا تھا کجاوے اور محمل بہت کم ہو گئے تھے۔ وہ خود بھی ایسا سفر کر چکے ہیں۔ ان گاڑیوں کو عربانہ کہتے تھے۔ چار گھوڑے پہلو بہ پہلو

جوتے جاتے تھے۔ گاڑیاں بے کمان کے مثل دکن کی بڑی بنڈیوں کے شکل کی ہوتی تھیں ایسے گاڑیاں اسوقت بھی بعض بعض جگہ نظر آجاتی ہیں جب میں عراق سے ایران گیا تو راہ میں اکثر نظر پڑیں پہلے جو سفر منزل بمنزل طے ہوتا تھا اب ایکدن میں طے ہوتا ہے کاظمین سے کربلا ایک دن میں پہنچتے تھے اور کربلا سے نجف ایک دن میں اور نجف سے صبح میں روانہ ہو تو کوفہ چند گھنٹوں میں پہنچ جاتے اور وہاں کی زیارت سے فارغ ہو کر اسی روز شام میں نجف واپس ہو جاتے تھے۔ آخر انیسویں صدی عیسوی میں ٹرام ہوے بھی نجف اور کوفہ کے درمیان چالو ہو گئی تھی جن میں گھوڑے جوتے جاتے تھے۔ اور اب بھی گھوڑے ہی جوتے جاتے ہیں، اپنے اس سفر میں مجھے اس ٹرام میں سوار ہونے کا اتفاق تو نہیں ہوا مگر اس کو کوفہ جاتے ہوئے راہ میں دیکھ چکا ہوں۔

جنگ عظیم کے بعد سے کل عراق میں موٹروں کا رواج ہو گیا ہے کجاوہ و محمل معدوم اور عرابانہ نادر ہو گئے ہیں۔ جہاں دیکھئے موٹر کار ہیں بعض جگہ باقاعدہ سروِیس بھی جاری ہو گئی ہے۔ جو سفر دنوں میں طے ہوتا تھا اب گھنٹوں میں طے ہوتا ہے۔ بس لاریز ٹورنگ کار بھی ہیں کرایہ بہت ارزاں ہے۔ راستہ پر امن اور بیحد آرام دہ ہو گیا ہے۔ بڑے شہروں میں بہترین ربر ٹیر وکٹوریہ اور عمدہ ٹیکسی موجود ہیں۔ میرے سفر کا زیادہ حصہ موٹر کاروں سے طے ہوا تھا۔ بیحد آرام ملا۔ اور بہت کم عرصہ میں کل سفر ختم ہوا الغرض اسوقت عراق کی عام سواری ریل و ٹرام کے علاوہ موٹر کار بھی ہیں۔ اور وکٹوریہ جس کو کالسکا کہتے ہیں بیحد مروج ہے۔

عراق کی زیارت گاہیں

میں گزشتہ باب میں لکھ چکا ہوں کہ سوائے سامرہ کے عراق کی کل زیارت گاہیں عموماً میٹر گیج ریلوے لائین پر واقع ہیں۔ اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ سوائے نجف کے ریل کے ذریعہ تمام مقامات کو جا سکتے ہیں۔ اسی باب میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ نجف جانے کے دو راستہ ہیں ایک حلہ اسٹیشن سے کوفہ ہوتے ہوئے نجف۔ دوسرا کربلا سے راست نجف۔ سامرہ کاظمین کربلا۔ نجف کے درمیان سفر کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک صورت تو یہ کہ بصرہ میں مقام علی کی زیارت سے فارغ ہو کے ریل کے ذریعہ راست بغداد غربی جائیں۔ یہاں ریل بدلیں اور اسٹانڈرڈ گیج میں سوار ہو لیں اور سامرہ پہنچ جائیں۔ زیارت سے مشرف ہونے کے بعد وہاں سے لوٹ کر کاظمین کے اسٹیشن پر اتر جائیں۔ یہاں کی زیارت سے اور بغداد کے چند مقامات کی زیارت سے فارغ ہو کر یا تو ہندیہ ہوتے ہوئے کربلا جائیں یا موٹر کے ذریعہ راست کربلا جائیں۔ کربلا موٹر ہی سے جانا بہتر ہے کیونکہ

مسیب پر فرزندان حضرت مسلمؑ کی زیارت سے اور بمقام عونؑ حضرت عونؑ کی زیارت سے بھی مشرف ہو سکتے ہیں۔ کربلا پہنچکر کل زیارتوں سے فارغ ہو جائیں۔ پھر کربلا سے موٹر میں نجف پہنچیں اور کوفہ آئیں۔ اگر حلہ سے ریل کے ذریعہ بصرہ جانا ہو تو موٹر کار کے ذریعہ حلہ اسٹیشن تک چلے آئیں وہاں سے ریل میں بصرہ واپس آجائیں۔ یا کربلا واپس آکر ریل میں سوار ہوں اور ہندیہ ہوتے ہوئے بصرہ واپس ہو جائیں۔ دوسری صورت اُس کے برعکس ہے۔ یعنی بصرہ سے ریل میں سوار ہو کر حلہ اسٹیشن پر اُتر جائیں۔ حلہ سے موٹر کار میں کوفہ ہوتے ہوئے نجف پہنچ جائیں اور وہاں سے موٹر کار میں کربلا پہنچیں۔ کربلا سے یا تو ریل کے ذریعہ ہندیہ ہوتے ہوئے کاظمین چلے جائیں یا بذریعہ موٹر کار راست کاظمین پہنچ جائیں۔ یہاں کی زیارت اور بغداد کی زیارت سے فارغ ہولیں۔ پھر سامرہ جائیں خواہ ریل سے ہو یا موٹر کار سے۔ اگر سامرہ تک بھی موٹر کار کے ذریعہ جائیں تو مناسب ہے کیونکہ راستہ میں سید محمدؒ بن امام علی نقیؑ کی زیارت سے بھی مشرف ہو جا سکتے ہیں وہاں سے کاظمین لوٹ آئیں یا ریل سے بغداد غربی آجائیں یہاں ریل بدل لی جائے اور بصرہ واپس آجائیں۔

اگر شام جانا ہو تو بغداد سے بذریعہ موٹر کار چلے جائیں بغداد اور شام کے درمیان باقاعدہ موٹر سروس جاری ہے۔ ضرورت ہو تو خاص موٹر کا بھی انتظام آسانی سے ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر خراسان و ایران جانا ہو تو اس سفر کے طے کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ریل سے خانقین جا کر وہاں سے موٹر کار میں یا ہوائی جہاز میں ہمدان و طہران ہوتے ہوئے خراسان جائیں۔ دوسری یہ کہ بغداد سے موٹر کار میں راست خراسان

روانہ ہو جائیں۔

بہرحال عراق کے مقدس مقامات کے درمیان سفر کرنے کی دونوں صورتوں میں سے جو مناسب ہو اختیار کی جا سکتی ہے۔ اگر پہلی صورت اختیار کی جائے تو پہلے آپ کو سامرہ کی زیارت سے مشرف ہونا پڑے گا اور دوسری صورت میں پہلے نجف پہنچیں گے۔ ان حضرات کے لیے جو عراق سے خراسان جانا چاہیں دوسری صورت بہتر ہے۔ اس طرح سفر کرنا چاہیں تو بصرہ سے حلہ اور وہاں سے کوفہ ہوتے ہوئے نجف پہنچتے ہیں۔ میں عراق ریلوے کے بیان میں حلہ کا مختصر حال بیان کر چکا ہوں۔ حلہ سے موٹر کار میں سوار ہو کر کوفہ پہنچیے۔ کوفہ حلہ سے تقریباً (۲۴) میل پر لب فرات واقع ہے اور نجف (۶) میل ہے۔

کوفہ

اس شہر کی بنیاد ۶۳۶ء میں رکھی گئی پہلے پہل صرف اسلامی افواج کے کنٹونمنٹ (Cantonment) کی حیثیت سے ہی پھر ترقی کرتے کرتے ایک عظیم الشان شہر ہو گیا۔ ۶۵۶ء کے آخر میں دارالخلافت کے رتبہ کو پہنچ گیا۔ ۶۶۱ء میں دارالخلافت سے پھر تنزل کر کے ایک گورنر کا ہیڈ کوارٹر (Head quarters) ہو گیا اور مرکز جنگ و جدال اور معدن خونریزی بنا رہا۔ جب ۷۶۲ء میں دارالخلافت بغداد کی بنیاد ڈالی گئی تو بغداد کی دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوتی گئی اور کوفہ کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔

ترقیاں ہوئیں اسکو سمجھے زوال ہوا\
وہ بڑھ کے بدر ہوا گھٹ کے میں ہلال ہوا

پھر تو کوفہ رفتہ رفتہ تنزل کرتے ہوئے اب ایک تحصیلدار کا مستقر ہو گیا ہے اس شہر کے کھنڈرات اب تک وسیع قطعہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اور حلہ سے آتے ہوئے اور نجف کو جاتے ہوئے راستہ میں زائرین کو نظر آتے ہیں ان سے شہر کی پچھلی عظمت و شان کا پتہ چلتا ہے۔ چونکہ کوفہ کنارِ فرات پر واقع ہے اس لیئے شہر کے اطراف سرسبز باغات ہیں یہاں کی آب و ہوا اچھی خیال کی جاتی ہے۔ اکثر اہلیان نجف کی جائداد باغات ہی پر مشتمل ہوتی ہے وہ یہاں سیر و تفریح کے لیئے آتے ہیں۔ باشندے تقریباً تمام کے تمام عرب ہیں کچھ تجارتی سامان کشتیوں کے آتا جاتا رہتا ہے اب کچھ نئی آبادی بھی ہو رہی ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ ترقی ہو۔ یہاں سے ٹرام وے بھی نجف تک جاتی ہے جس کو گھوڑے جوتے جاتے ہیں۔ ایک مختصر بازار ہے جس میں خورد و نوش کی اشیاء خام اور پکی ہوئی مل جاتی ہیں لب فرات کئی قہوہ خانے ہیں جن کا عراق میں عام طور پر رواج ہے غالباً حمام بھی ہونگے مگر مجھے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ ایک مختصر پولیس چوکی تحصیلدار کی کچہری۔ دیگر محکمہ جات تحصیل بھی ہیں۔ ترکی حکومت کے زمانہ میں یہاں کے باشندے چور اور راہزن خیال کیئے جاتے تھے یہاں تنہا آنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ جب سے جدید عراقی حکومت زیر حفاظت دولت برطانیہ قایم ہوئی ہے ان کا زور بہت کم ہو گیا ہے بلکہ امن ہے۔ نجف میں پانی کی قلت ہے فرات کا پانی نجف کو لیجانے کی تجویز ہوئی ہے۔ اور نل کا کام بھی شروع ہو گیا ہے سابق میں کوفہ سے براہ دریائے فرات کشتی میں اکثر زائرین کربلا جایا کرتے تھے اور اب بھی بعض اسی طرح جاتے ہیں۔ عموماً موٹر کار سے کربلا جانا پسند

مسجد حنانہ (کوفہ)
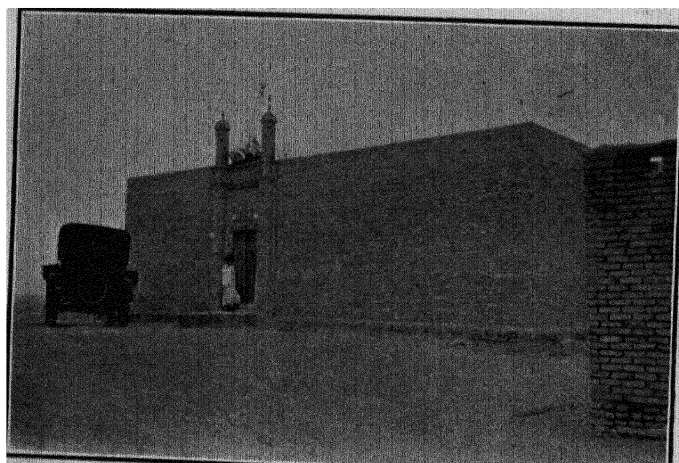
کرتے ہیں کیونکہ وقت بچتا ہے اور سہولت و آرام ہے۔ کوفہ میں سوائے زیارت گاہوں کے اور تو کوئی قابل دید مقامات اس وقت نہیں ہیں۔

کوفہ اور حوالی کوفہ کی زیارت گاہوں میں اوّل حضرت یونس ع کا مزار کوفہ سے ملحق اور متصل دریائے فرات پر واقع ہے مزار پر ایک مختصر معمولی سا گنبد ہے ایک خادم بھی رہتا ہے۔ دوم شہر کوفہ اور جامع مسجد کوفہ کے درمیان حضرۃ خدیجۃ الصغرا بنت حضرت علی کا مزار ہے اس پر بھی ایک مختصر اور معمولی گنبد ہے۔ اور ایک خادم بھی مقرر ہے۔ سوم جامع مسجد کوفہ ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جہاں حضرت علیؑ نماز پڑھتے تھے اس مسجد کا وہ محراب جہاں پر آپ شہید ہوئے تھے اب تک محفوظ ہے۔ یہاں کی زیارت کی جاتی اور نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس مسجد میں حسب ذیل مقامات قابل ذکر ہیں۔ جہاں سنگ پر نام کندہ ہیں مقامی خدام بھی نشان بتلاتے ہیں۔ اور بے علم زائرین کو سلام و زیارت سے مشرف کرتے ہیں مگر تعجیل کرتے ہیں انھیں کچھ دینا پڑتا ہے۔ یہ بڑی سہولت کردی گئی ہے کہ ہر مقام پر فصیح و بلیغ اور خوشخط سلام و زیارت آویزاں ہیں جن حضرات کے ہمراہ مفتاح الجنان یا تحفۃ الزائر نہ ہو یا جن کو سلام یاد نہ ہو ان کو دیکھ دیکھ کر پڑھ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ذیل کے مقامات بھی قابل ذکر ہیں (۱) مقام حضرت آدمؑ (۲) مقام حضرت نوحؑ اور وہ مقام جہاں حضرت نوحؑ کی کشتی بعد طوفان ٹھیری تھی (۳) مقام حضرت ابراہیمؑ (۴) مقام حضرت محمد مصطفیٰؐ (۵) مقام حضرت جبرئیلؑ (۶) مقام امام زین العابدینؑ مسجد مذکور کی بائیں جانب بیرون دروازہ احاطہ متصل گوشہ مسجد روضہ حضرت مسلم ابن عقیل ہے اور اس کے مقابل دوسرے گوشہ میں مزار ہانی بن عروہ رحمۃ اللہ ہے

یہاں بھی خدام ہیں وہ زیارت پڑھا دیتے ہیں اور اپنا حق لیتے ہیں حضرت مسلم کے روضہ کی پشت پر قبر مختار علیہ الرحمتہ ہے زائرین یہاں فاتحہ پڑھتے ہیں مسجد مذکور کے عقب میں ایک سفید گنبد اور مختصر سا احاطہ نشان دولت سرائے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ہے یہاں چند کمرہ ہیں ایک حمام اور ایک کتب خانہ اور مقام نشست۔ چہارم مسجد سہلہ جو دولت سرائے حضرت علیؑ سے تخمیناً پاؤ میل پر واقع ہے۔ اس مسجد میں بھی ذیل کے مقامات ہیں جہاں نام کندہ ہیں خدام بھی ہیں (۱) مقام حضرت ابراہیمؑ (۲) مقام حضرت ادریسؑ (۳) مقام حضرت خضرؑ (۴) مقام امام زین العابدینؑ (۵) مقام حضرت جعفر صادقؑ (۶) مقام امام عصرؑ (۷) مقام صالحین ہے۔ ہر ایک مقام پر سلام و زیارت پڑھی جاتی ہے مگر خاص اہتمام مقام امام عصرؑ پر ہے جیسا کہ مسجد کوفہ میں اس محراب کا خاص اہتمام ہے جہاں حضرت امیر شہید ہوئے تھے۔ پنجم قبر میثم تمار صحابی خاص حضرت علی علیہ السلام ہے جو محبت علی میں شہید ہوئے۔ ششم قبر کمیل بن زیاد صحابی حضرت امیر علیہ السلام ہے۔ جن کے نام سے دعائے کمیل مشہور ہے ان دونوں قبروں پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے یہ قبریں مسجد سہلہ کے قریب ہیں۔ ہفتم یعنی آخری زیارت گاہ مسجد حنانہ ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جس کے متعلق دو روایتیں مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ اس مسجد میں سر مقدس جناب امام حسین دفن ہے دوسرے یہ کہ حضرت امام حسینؑ کا سر مقدس شہر کوفہ میں داخل ہونے سے قبل اس مسجد میں معہ سرہائے شہدائے کربلا کے چند گھنٹوں کے لیے رکھا گیا تھا۔ میرے خیال میں یہی روایت صحیح ہے جو کتابوں سے بھی ثابت ہوتی ہے اور قابل تسلیم بھی ہے۔ یہاں بھی
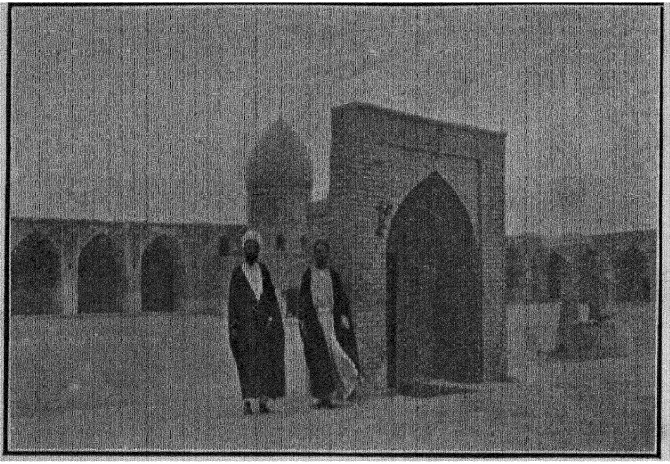
مسجد سہلہ (کوفہ)
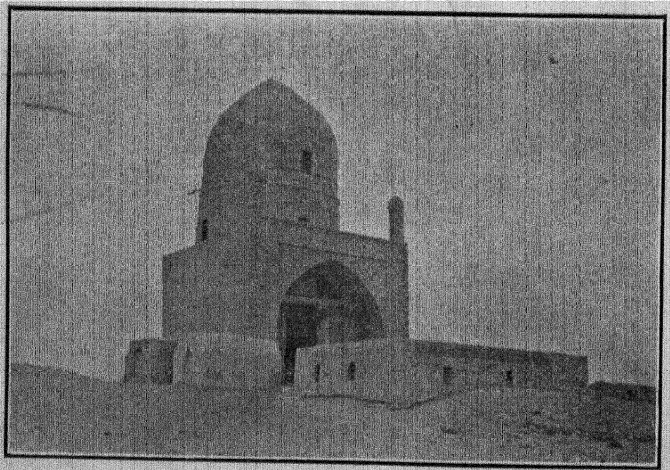
قبر کمیل بن زیاد (کوفہ)

زیارت وسلام پڑھا جاتا ہے یہ مسجد شہر نجف کے بہت ہی قریب واقع ہے

نجف

شہر نجف کی بنیاد گویا شہادت امیر علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے آپ کی شہادت سنہ ۴۰ھ ہجری مطابق ۶۶۱ء کو کوفہ میں ہوئی اور آپ کا دفن نجف میں ہوا۔ شہر نجف بغداد کی سمت جنوب میں تخمیناً (۱۰۰) میل پر اور کوفہ کی مغربی جانب اندازاً (۶) میل کے فاصلہ پر ایک مسطح ٹیلہ پر آباد ہے جو دریائے فرات سے تقریباً (۱۲۰) میل اونچا ہے۔ شہر نجف کی وسعت تقریباً (۳) میل مربع ہے اور آبادی (۴۵) ہزار سے اوپر ہوگی۔ شہر کے گرد قلع نما فصیل کھنچی ہوئی ہے جس کی تعمیر ۱۲۱۵ھ میں ہوئی وسط شہر میں ضریح مقدس حضرت امیر المومنین امام المتقین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہے۔ آپ کے دفن کے تقریباً سوا سو سال کے بعد آپ کی مرقد مقدس کی تعمیر ہوئی۔ پھر تو شاہان ایران خصوصاً شاہان خاندان صفوی کی اعتقادمندی سے اس مقدس درگاہ کی تعمیر میں اضافہ ہوتا گیا۔ بعض حصے نادر شاہ خاندان قاچار اور بعض گورنران حکومت عثمانیہ، شاہان دکن و اودھ کے حسن عقیدت اور سلیقہ کی یادگار ہیں۔ یہ روضہ مقدس کی ظاہری شان و شوکت میں اضافہ کر رہی ہیں۔

روضہ مقدس کے گرد وسیع کشادہ سنگین صحن ہے جس کے یہ دروازے یعنے باب طوسی۔ باب عباچیہ۔ باب قلق۔ باب قبلہ۔ باب

سلطانیہ یا عمارہ بہت بلند اور شاندار ہیں احاطہ بلند اور پختہ کمرے عمدہ اور کاشانی رنگ سے منقش ہیں۔ وسط صحن میں ضریح اقدس ہے جس کے گنبد اور مینار سونے سے مڑے ہوئے ہیں بلند نقرئی دروازے بڑے شاندار ہیں کل عمارات پر چینی کی گل کاری ہے۔ قرآن شریف کی آیات نہایت خوش خط منقوش ہیں روضہ کے اندر سب حصوں میں آئینہ بندی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ خاصکر گنبد بہت آراستہ ہے۔ لاکھوں روپیہ کی قنادیل نقرئی اور طلائی اور شیشہ کے آلات اور جواہرات قیمتی آویزاں ہیں اور وہ قابل ذکر قیمتی تاج جو نادر شاہ نے نذر چڑھایا تھا موجود ہے غرض کہ روضہ مقدسہ پر چاندی سونا اور جواہر بالکل مٹی معلوم ہوتے ہیں۔ زیر قبہ انور ضریح کے اردگرد دوہری جالی اندر فولادی باہر چاندی کی لگی ہوئی ہے اس کے اوپر دو پہلو نقروی چھت ہے اوپر نفیس شامیانہ نصب ہے صندوق قبر انور بلند ہے اس پر چادر شالی پڑی رہتی ہے اطراف شمشیر زرہ و سپر لگے ہوئے ہیں۔ عجیب خداداد شان و شوکت رعب و داب اور عظمت و جلال نظر آتا ہے گرد ضریح مقدس سنگ مرمر ہے اور اس پر بہترین قالین کا فرش ہے گرد متعدد رواق ہیں ان میں جا بجا علما و فضلا نماز جماعت میں مصروف اور تلاوت قرآن کرتے اور دعا پڑھتے نظر آتے ہیں واعظین عرب و عجم وعظ اور فضائل و مصائب آیہ ہدا پڑھتے رہتے ہیں دن رات زائرین مرد و زن کا اژدھام و ہجوم رہتا ہے تخمیناً (۴۰۰) خادم عرب ہیں اور ان کا افسر کلید بردار ہے۔ چند کفش کن اور جاروب کش ہیں جو اوقات مقررہ پر اپنے اپنے مفوضہ کام میں مشغول رہتے ہیں۔ شام کو خصوصاً شب جمعہ کو خدام مزار مقدس کے سامنے صف بستہ باادب و باقاعدہ صلوٰۃ و فضایل

صحن مسجد (کوفہ)

مقبرہ - مسلم بن عقیل (کوفہ)
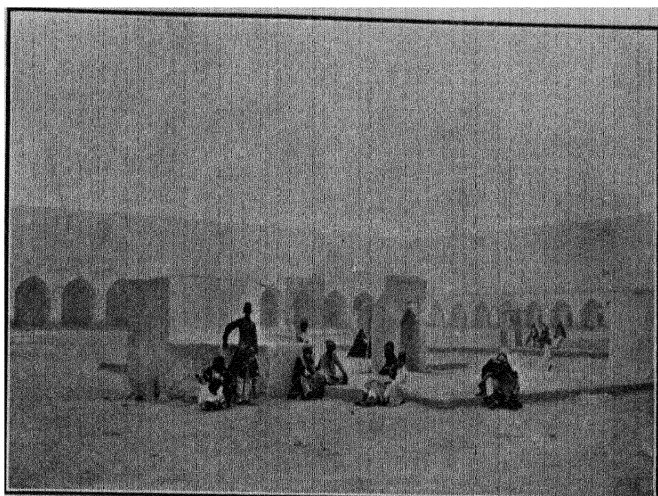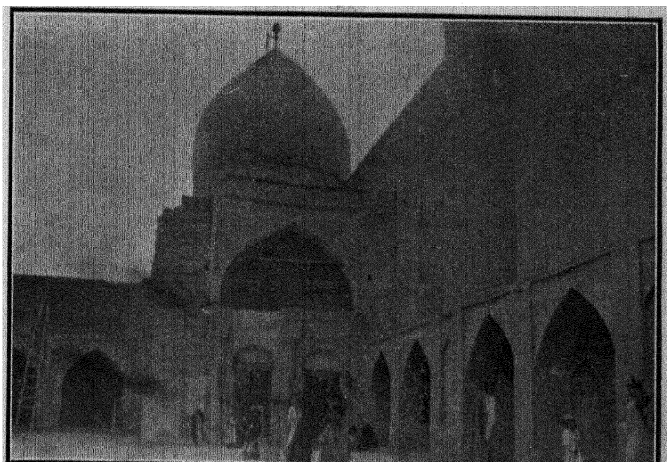
ومناقب پڑھتے ہوئے چراغوں کو روشن کرتے ہیں باادب و باقاعدہ مشغول رہتے ہیں۔

سابق میں قنادیل و فانوس و شیشہ آلات میں موم بتی کی روشنی ہوتی ہوتی تھی لیکن تقریباً چار یا پانچ سال سے ایک فیاض ایرانی تاجر نے اپنی اعتقادمندی سے برقی روشنی کا انتظام کیا ہے اس وقت حرم میں جابجا برقی لیمپ آویزاں ہیں۔

شب کے وقت عموماً کل حرم خصوصاً ضریح مقدس بقعۂ نور بنجاتا ہے۔ روشنی کی چمک و دمک سے آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ دیکھنے والے پر ایک خاص عالم طاری ہوجاتا ہے جس کا ظاہر کرنا ناممکن ہے۔ غرض کہ ایک شہنشاہی بارگاہ ہے۔

بے ادب پا منہ اینجا کہ عجب درگاہست
سجدہ گاہِ ملک و روضہ شہنشاہست

یہاں بھی فصیح و بلیغ اور نہایت جلی و خوشخط زیارتیں اور سلام لکھے ہوئے آویزاں ہیں۔ زائرین ان کو دیکھ دیکھ کر پڑھتے ہیں کفش کن کے پاس متعدد وقف شدہ رسالے جو زیارت اور سلام پر مشتمل ہیں رکھے ہوئے ہیں زائرین مستعار لے کر پڑھتے ہیں علاوہ اس کے خدام بارگاہ بھی زیارت و سلام پڑھاتے ہیں اور اپنا حق لے لیتے ہیں یہاں حضرت آدمؑ ۔ اور حضرت نوحؑ ابھی دفن ہیں۔ اس لیئے زیارت حضرت آدمؑ حضرت نوحؑ اور جناب امیر علیہ السلام پڑھی جاتی ہے۔ یوں تو تمام سال زائرین کا ہجوم رہتا ہے لیکن خاص ایام میں جیسے اول ۱۷ ربیع الاوّل روز مولود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس کا مخصوص مولود ہے۔ دوم ۲۷ رجب بعثت حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جس کو مخصوص مبعث کہتے ہیں۔ سوم ۲۱ رمضان

روز شہادت امیر علیہ السلام ہے جو مخصوص شہادت امیر علیہ السلام کہلاتی ہے چہارم ۱۸ ذی الحجہ مخصوص عید غدیر ہے زائرین ہندوستان۔ حجاز۔ شام۔ مصر۔ ایران۔ اور دیگر اسلامی ممالک کے علاوہ اطراف و جوانب نجف اور ملک عراق سے آتے ہیں۔ جن کی تعداد بقول مسٹر تھامس لیبل (Mr. Thomes Lvell) ایک لاکھ تیس ہزار تک ہو جاتی ہے۔ چار یوم کے قیام کے بعد اپنے اپنے مستقر کو واپس ہو جاتے ہیں۔ زائرین کو ٹھیرنے کا کوئی خاص انتظام نہیں ہے البتہ بوہروں نے یہاں اپنے فرقہ کے واسطے ایک سرا تیار کرائی ہے۔ جو دروازہ شہر نجف کے مقابلہ میں ہے زائرین عموماً جہاں جگہ مل جاتی ہے ٹھیر جاتے ہیں۔ خصوصاً ان مخصوص ایام میں حرم کے کمرے رواق اور صحن ان سے پُر رہتے ہیں۔ ہاں مالدار اور غیر ملک کے آئے ہوئے زائرین خدام کے یہاں ٹھیر جاتے ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم کے لیئے جدا جدا خدام مقرر ہیں وہ انھیں کے پاس ٹھیرتے ہیں۔ کرایہ مکان اور اخراجات مہمانی حسب حیثیت ادا کرتے ہیں ہندوستانی زائرین خاندان کمونہ کے اکثر صاحبان سید نوری۔ سید باقر۔ حاجی سید جعفر صاحب وغیرہ کے پاس ٹھیرتے ہیں۔ یہ حضرات زائرین کی بہت خدمت کرتے ہیں ہر طرح کی مدد دیتے ہیں اور ہر طرح کا آرام پہنچاتے ہیں زیارت گاہ مقامی اور اطراف کی زیارت گاہوں کو اپنے ہمراہ لیجاتے ہیں اور وہاں زیارت و سلام پڑھاتے ہیں۔ میرا قیام حاجی سید جعفر کمونہ صاحب کے یہاں رہا۔ میں جب تک رہا بہت خوش آرام سے اور آسودہ رہا۔ صاحب موصوف سے ہر طرح کی مدد ملی۔ میں نہایت مشکور ہوں خدا ان کو جزائے خیر دے ضریح کی تعمیر اور مرمت خدام و ملازمین

نجف اشرف
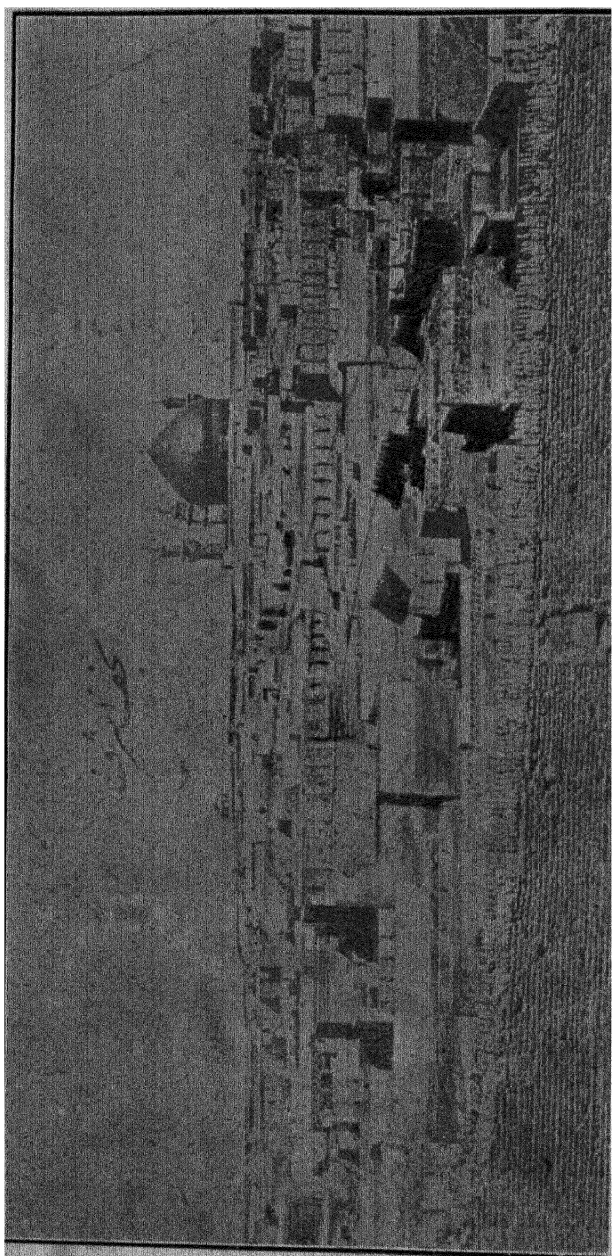
درگاہ کی تنخواہوں اور روشنی کا انتظام وغیرہ محکمۂ اوقاف سے ہوتا ہے۔ اوقاف کی آمدنی حسب تفصیل ذیل ہے۔

جائداد اور املاک کا کرایہ میتّوں کو مقررہ رقم لیکر صحن کمرہ رواق میں دفن کرتے ہیں اور بعض فیاض معتقدین نقد رقم بھی چڑھاتے ہیں۔

ایک بہت ہی بڑا خزانہ قیمتی اسباب اور جواہرات کا ہے جن کی وقتاً فوقتاً نذریں چڑھائی گئیں ہیں اور چڑھائی جاتی ہیں۔ اس کا خاص دفتر ہے اور خزانچی کلید بردار ہے۔

اندرون فصیل اور گرد حرم مقدس شہر نجف کے بازارات اور مکانات ہیں کوفہ اور کربلا سے آنے والے جس دروازہ سے شہر نجف میں داخل ہوتے ہیں اس دروازہ کے دونو جانب بڑے قہوہ خانہ ہیں جہاں برف شربت اور چائے و قہوہ ہمیشہ ملتا ہے۔ یہ رات دن آباد رہتے ہیں خصوصاً شام کے وقت ایک اژدہام رہتا ہے۔ ہر پیشہ کے لوگ امیر و غریب اور شوقین جمع ہوتے ہیں یہاں معاملات طے ہوتے ہیں۔ کاروبار کا تصفیہ ہوتا ہے۔ گویا یہ قہوہ خانے یہاں کلب گھر کا کام دیتے ہیں۔ مگر عالم و فاضل اور طالب علم قہوہ خانہ میں جانا معیوب خیال کرتے ہیں۔ دروازہ سے گزرنے پر بڑا بازار ملتا ہے جو وسیع اور کشادہ ہے اور مسقف ہے یہاں کل اشیا خورد و نوش کچے و پکے ملتے ہیں کپڑا۔ اسلحہ۔ ظروف میوہ ترکاریاں گوشت اور ہمہ اشیائے ضروریات زندگی فروخت ہوتے ہیں۔ اس کے ختم پہ مقابلہ دروازہ حرم ایک مختصر قہوہ خانہ ہے اور جوہریوں کی دکانیں ہیں جہاں فیروزہ۔ عقیق کہربا

اور دُر نجف کے ساختہ زیورات اور کھلے نگ ملتے ہیں قیمت بھی
ارزان ہے۔ باقی بازارات جو قریب ہر دروازہ حرم سے ملحق ہیں
ایسے وسیع نہیں ہیں وہ بھی مسقف ہیں کوچے بہت تنگ و تاریک ہیں
اکثر آٹھ فٹ سے زیادہ چوڑے نہیں ہیں بعض وقت ایسا اتفاق ہوجاتا
ہے کہ ایک خچر پانی کی پکھال یا لکڑیوں کے انبار لادے ہوئے گزرتا
ہے تو دوسرے راہ رو کو دیوار سے چمٹ جانا پڑتا ہے۔ مکانوں کی
ساخت ایسی ہوتی ہے کہ برآمدے راستہ پر نکلے ہوئے ہوتے ہیں اس سے
کوچے بھی مسقف ہوگئے ہیں ان میں آفتاب اور پاک و صاف ہوا کا گزر
نہیں ہوسکتا مگر ان کوچوں میں بھی برقی روشنی اسی کارخانہ سے جس کا ذکر ہوچکا
ہے لگائی گئی ہے اس کے اخراجات محکمہ بلدیہ اس کارخانہ کو ادا کرتی ہے
مکانات اونچے اونچے اور بعض سہ منزلہ بھی ہیں۔ باہر سے ان کی شان ایسی
نہیں ہے۔ مگر اندر بہت وسیع ہوادار ہوتے ہیں متعدد کمروں کے علاوہ
نعمت خانے معہ دالانوں کے ہوتے ہیں۔ اکثروں میں مختصر چمن اور ضروری
آرائش بھی ہوتی ہے۔ ہر گھر میں ایک باولی ضرور رہتی ہے جس کا عمق (۱۰۰)
سو فٹ سے کم نہ ہوتا ہوگا۔ پانی پینے کے قابل نہیں ہے۔ ایک حوض بھی ہوتا
ہے جو اسی باولی کے پانی سے بھرا جاتا ہے۔ اس سے طہارت کا کام لیتے
ہیں جائے ضرورت میں ہندوستان کی طرح متعدد قدمچے نہیں ہوتے
بلکہ صرف ایک قدمچہ سطح کے ہموار بنا ہوا ہوتا ہے۔ یہاں سوئج کا قاعدہ
رائج ہے۔ اس شہر میں کوئی طبقہ بھنگیوں کا نہیں ہے جو صفائی وغیرہ
کا کام کرے۔ سنڈاس کے حوضوں کو عام غریب مزدور اجرت لیکر صاف
کرتے ہیں اور غلاظت کو شہر کے باہر لیجا کر پھینکتے ہیں۔ جب کبھی کوئی سنڈاس

کسی محلہ میں صاف کیا جاتا ہے تو تین چار روز تک بوجہ بدبو کے اس طرف
راستہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے اور اکثر اہل محلہ اپنا گھر چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں
اس کی اصلاح بہت ضروری ہے محکمہ بلدیہ کو خاص توجہ کرنی چاہئے
یہاں کے مکانات میں ہمارے ہندوستان کی طرح غسل خانے نہیں ہیں
شہر میں کئی مردانہ اور زنانہ عام حمام ہیں۔ یہ دن رات تیار رہتے ہیں لوگ
یہیں حمام کرتے ہیں یہ حمام ہمیشہ لوگوں سے بھرے رہتے ہیں۔ ہندوستانی
حضرات یہاں کے حمام سے بالکل ناواقف ہیں۔ وہ اپنے خیال میں
حمام کو معمولی غسل خانے سمجھتے ہونگے عراق میں حمام ہمارے خود ایک
ضروری اور کارآمد چیز ہے معمولی سے معمولی حمام میں کئی کمرہ ہوتے ہیں
اور متعدد گرم اور نیم گرم اور سرد پانی کے حوضوں کا ہر حمام میں ہونا ضروری
ہے۔ اول داخل ہوتے ہی ایک بڑا کمرہ ملیگا جس کو مسلخ کہتے ہیں یہاں
کپڑے اتارے جاتے ہیں حمامی فوراً لنگی پیش کر دیتا ہے پھر آپ سے
درخواست کرتا ہے اگر کچھ نقدی ہے تو مالک یا منیجر (MANAGER)
حمام کے پاس بطور امانت رکھوا دیجے۔ اس کے بعد آپ کو وہی حمامی
ایک پیچدار راستہ سے لیکر حمام میں داخل ہوتا ہے جہاں کافی گرمی ہوتی
ہے۔ حمام کی کل سطح گرم ہوتی ہے۔ حمام کے اندر بیت الخلاء اور نورہ
لگانے کی جداگانہ جگہ ہے۔ ایک حوض تیز گرم دوسرا نیم گرم باقی کئی حوض
سرد پانی کے ہوتے ہیں۔ بعض حماموں میں حوض تناوری بھی ہوتا ہے جو
تقریباً چار پانچ گز چوڑا دس بارہ گز لانبا ہوتا ہے۔ وہیں حجام بھی موجود
رہتا ہے اگر آپ چاہیں تو اصلاح بھی بنائی جا سکتی ہے آپ سے حمامی
یہ دریافت کرتا ہے کہ آپ مشت مالی اور کیسہ کروائیں گے؟ اگر آپ چاہیں تو

حمام کے وسط میں لنگی بچھا کر آپ کو اس پر لٹا دے گا پھر مشت مالی اور کیسہ کرے گا۔ مشت مالی اس عمدگی سے کرتا ہے کہ اکثر تھکے ماندے مسافر آرام پا کر حمام میں سو جاتے ہیں۔ بعد صابن وغیرہ ملکر نہلائے گا اور پھر صاف لنگی بدلوا کر حوض میں جانے کو کہے گا۔ وہاں جا کر غوطہ لگائیے اور آب کثیر کا لطف اٹھائیے غسل سے فارغ ہو کر حوض سے باہر آئے دوسرا حمامی خشک لنگی اور تولیا لیکر حاضر ہوتا ہے ایک کو آپ کے سر کے گرد لپیٹ دے گا دوسری سینہ اور پشت پر تیسری لنگی اس صفائی سے آپ کو بندھوا دے گا اور گیلی لنگی جدا کر کے خود لیگا کہ آپ کو خبر بھی نہ ہوگی خشک لنگی آپ کو دے گا۔ اس عمل میں نہ آپ کا جسم برہنہ ہو سکتا ہے اور نہ آپ کے اوپر بھیگی لنگی کے جدا کرنے میں چھینٹ آسکتی ہے۔ کیسا ہی انسان وہمی و وسواسی ہو وہ حمامی کے اس طرز عمل سے کبھی ناخوش نہیں ہو سکتا۔ حمامی دروازہ کھول کر مسلخ میں پہنچا دیتا ہے وہاں بھی ایک حوض ہے جو صرف پاؤں پاک کرنے کے کام آتا ہے اس حوض میں پاؤں پاک کر کے آپ اپنی جگہ چلے جائیے وہاں آرام سے بیٹھکر کپڑے پہنئے۔ حمام میں آئینہ کنگا برش وغیرہ سب ضرورت کی چیزیں ملتی ہیں۔ لباس پہننے سے قبل ایک حمامی آتا ہے اور آپ کے سر و گردن شانہ و پشت کو دباتا ہے۔ آخر میں "عافیت باشد" کہہ کر چلا جاتا ہے۔ قابل حیرت بات یہ ہے کہ اجرت بہت کم لیجاتی ہے۔ یہاں سگریٹ و چائے پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ حمام سے فارغ ہو کر مسلخ میں ایک استکان (پیالی) چائے پینا ضروری ہے جو مفید صحت ہے مسلخ میں نمازیوں کی آسانی کی غرض سے سجدہ گاہ بھی رکھی ہوئی ہیں جو اکثر صبح کے وقت زیادہ کام

آتی ہیں۔ بہر حال ان حماموں میں قابل اصلاح بات یہ ہے کہ حوضوں کا پانی زیادہ ٹھہرا اور شفاف نہیں ہوتا۔ اس کا ظاہری سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی قلت ہے۔ جب نل آجائے گا تو یقیناً اس کی اصلاح ہوجائیگی

نجف کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کی زمین پختہ اور بلند ہے یوں تو تمام عراق میں گرمی سخت پڑتی ہے مگر نجف میں سطح زمین پر حرارت ۱۲۵ درجہ تک ہوجاتی ہے۔ اس لیئے یہاں کے ہر مکان میں بالاخانہ اور تہ خانہ ضرور ہوتا اس کو سرداب کہتے ہیں۔ سرداب بھی معمولی نہیں بلکہ خوب وسیع اور دو دو تین تین منزل گہرے ہوتے ہیں اس کے باوجود ان میں روشنی اور ہوا کا کافی گزر ہوتا ہے اس لیئے کافی ٹھنڈے رہتے ہیں۔ آخری یعنی تیسری منزل میں بغیر اور کوٹ پہنے یا لحاف اوڑھے ٹھیرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ گرمیوں میں اہل شہر تمام دن سرداب میں بسر کرتے ہیں اور رات بالاخانہ پر گزارتے ہیں۔ ان دونوں سے گرمیوں میں زیادہ آرام ملتا ہے۔ یہاں کے ہر مکان میں برقی روشنی ہوتی ہے۔

شہر نجف کی کل آبادی میں سے ایک چوتھائی ایرانی اور باقی ممالک کے لوگ ہوں گے جن میں عرب اور شیعہ عرب زیادہ ہیں۔ اس چوتھائی آبادی میں عموماً تاجر اور عالم ایرانی ہیں باقی طالب علم ہیں جو قریب قریب کل اسلامی ممالک سے آتے ہیں ہندوستانی اور کشمیر کے سادات بھی کچھ نظر آتے ہیں۔ نجف کی قدیم مذہبی تعلیم گاہ مشہور ہے یہ برکت دفن جناب امیر علیہ السلام کی ہے کہ مولوی۔ عالم۔ فاضل فارغ التحصیل اور مجتہد غرض یہاں سبھی ہوتے ہیں کیوں نہ ہو اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا اس وقت یہاں بیس اقامتی کالج ہیں جن میں چھ ہزار طالب علم پڑھتے

ہیں اکثر چودہ سال کی عمر سے ساٹھ سال کی عمر تک کے طلبا رہتے ہیں اور بعض اس سے زیادہ عمر کے بھی ہوتے ہیں۔ اس کے ظاہری اسباب یہ نظر آتے ہیں کہ یہاں پر تعلیم مفت ہے۔ کافی رقمی امداد مد خیرات سے طلبا کو ملتی ہے۔ اور کوئی قید بھی طلبا پر نہیں لگائی گئی ہے کہ اندرون مدت مقررہ خاص درجہ تک تعلیم حاصل کرلیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو تیس تیس چالیس چالیس سال سے وظیفہ پاتے ہیں لیکن کچھ حاصل نہیں کرتے اکثر بہت ہی کم عرصہ میں کامیاب اور نام آور ہو جاتے ہیں۔ ان کالجوں کے لیئے اوقاف مقرر ہیں۔ اس کے علاوہ زکواۃ خمس، ورد مظالم کا روپیہ ایران اور دوسرے اسلامی ممالک کے شیعہ صاحبوں سے مجتہدوں کے یہاں آتا ہے۔ اور ایک بہت بڑی رقم کی تقسیم شاہی خاندان اودھ (Dudh Bequest) کی خیرات سے سالانہ ہوتی ہے۔ علما ء میں سے چھ مشہور عالم اس رقم کے مقسم مقرر ہوتے ہیں۔ ترکوں کے زمانہ میں اس تقسیم کی نگرانی برٹش کونسل مقیم بغداد کے سے ہوتی تھی اب ہائی کمشنر High Commisoner عراق کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ان رقومات سے طالب علموں کو وظائف مدرسین کو تنخواہیں ملتی ہیں۔ ان کالجوں کا طرز تعلیم اور نصاب تعلیم حسب ذیل ہے۔

اوّل درس سطحی جس میں مبتدی طالب علم کتاب کو دیکھ کر سبق پڑھتے ہیں۔ نصاب میں کتب صرف نحو ادب او منطق داخل ہیں منطق قطبی تک پڑھتے ہیں۔ دوسرا کورس علم اصول و فقہ۔ کلام و تفسیر کا ہے دوم خارجی (یعنی تیسرا کورس منتہی طلبا کا ہے اس میں طالب علم تخمیناً چار پانچ سو کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں اور مجتہد بر سر منبر ہر روز ایک ایک

مسئلہ بیان کرتا ہے سامعین کتب بینی کرکے اس مسئلہ پر آپس میں رد وقدح
کرتے ہیں اور بحث ہوتی ہے۔ پھر مجتہد بعنوان شائستہ بدلائل و براہین
ان مسائل کو اس طرح سمجھاتے ہیں کہ سب طلبا محظوظ ہی نہیں ہوتے
بلکہ سب کی تشفی بھی ہو جاتی ہے۔ اس کورس کے ختم کرنے کے بعد طلبا
فارغ التحصیل کہلاتے ہیں۔ انھیں حسب لیاقت مجتہد العصر۔ سند دیتے
ہیں جس کو اجارہ کہتے ہیں۔ ان کالجوں کے نکلے ہوئے قاری۔ واعظ
ملا۔ مولوی۔ عالم۔ فاضل اور مجتہد ہوتے ہیں اور اکثر اپنے وطن
واپس ہو جاتے ہیں بعض وہیں مقیم رہتے ہیں۔

اس وقت نجف میں یوں تو کئی مجتہد ہیں لیکن بعض بڑے پایہ
کے محترم و معظم بزرگ ہیں۔ جیسے (۱) آغا مرزا حسین نینی (۲) آغا
سید ابو الحسن اصفہانی (۳) آغا مرزا علی شیرازی ان کے ہزاروں مقلد
ہیں یہ حضرات زکواۃ و خمس اور رد مظالم کی رقم جو ان کے یہاں
آتی ہے اس کو تقسیم کرتے ہیں۔ مسائل دکیفیات بیان کرتے ہیں
مقدمات خلع طلاق وراثت حقوق کا تصفیہ از روئے شرع کرتے
ہیں اور اپنے اپنے علاقہ کے کالجوں میں درس خارجی دیتے ہیں۔
ہر ایک کا مصلا حرم میں جدا ہوتا ہے جہاں وہ نماز جماعت پڑھاتے
ہیں۔ ہر ایک کے مقلد ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ آخری صفوں میں
عورتیں بھی شامل رہتی ہیں۔ سابق میں مجتہدین کا ملک پر بہت بڑا
اثر اور سیاسی امور میں ان کا دخل تھا یہ حالت صرف عراق ہی میں
نہیں بلکہ ایران میں بھی تھی لیکن یہ اثر اب بہت کم ہو گیا ہے اثر کے
ایک گذشتہ واقعہ کا ذکر اس جائے بیجا نہ ہوگا۔

شیعوں میں ایک گروہ اصولی دوسرا اخباری ہے اخباری مجتہدین
کا احترام وعزت کرتے ہیں۔ عالم مانتے ہیں۔ مگر تقلید نہیں کرتے۔ ان کا
عمل قرآن وحدیث پر ہے۔ ان کے پاس تمباکو کا استعمال جائز نہیں
ہے۔ اصولیوں کے یہاں مجتہد کی تقلید کرنا لازمی ہے۔ اور ان کے
پاس تمباکو کا استعمال بھی جائز ہے۔ حکومت ایران اور اہل ایران
اصولی ہیں۔ مرزا سامرہ جن کا نام آغا مرزا حسین شیرازی تھا بہت
بڑے پایہ کے مجتہد مانے جاتے تھے اُن کا اثر عموماً کل اسلامی ممالک
کے شیعوں پر تھا ایک دفعہ ناصرالدین شاہ ایران نے تمباکو کا اجارہ
کسی روسی کمپنی کو دیدیا تھا۔ اہل ایران کو یہ پسند نہ تھا اُس ٹھیکہ کو
منسوخ کروانے کی سب تدابیر میں اہل ایران نے یہ بہتر خیال کیا کہ
مجتہد صاحب کا اثر ڈالا جائے چنانچہ وفد گیا اور مجتہد موصوف نے
بھی مناسب خیال کیا اور فتویٰ جاری فرمایا کہ تمباکو کافر کے پاس کا
استعمال کرنا جائز نہیں ہے اِس فتویٰ کا مضمون قریب قریب یہ تھا
کہ میں حکم دیتا ہوں کہ ایرانی شیعہ اس تمباکو کو استعمال نہ کریں۔ اس
فتوی کا ایسا معجز نما اثر ہوا کہ ایران میں تمباکو کا استعمال ایک دم بند
ہوگیا۔ امراء وزراء یہاں تک کہ شاہ ایران کے محل میں بھی حقہ بند ہوگیا
اور شاہ کو بھی تمباکو نہ ملا پھر تو وہ اجارہ فسخ کردیا گیا یہ ایک ادنیٰ سی
مثال ہے اس اثر کی۔ اب نہ عراق میں وہ اثر ہے اور نہ ایران میں
تاہم مجتہدوں کے فتوے اور احکام بعد حکم خدا و رسول کے مانے
جاتے ہیں۔ مجتہد کے القاب یہ ہوتے ہیں حجۃ الاسلام والمسلمین
آیۃ اللہ فی العالمین آقائے آقا (فلاں) دامت برکاتہ وغیرہ اگر

مرے ہوئے مجتہد ہوں تو نام کے بعد علی اللہ مقامہ لگایا جاتا ہے۔
مذکور الصدر کالج گو اقامتی ہیں مگر اکثر طلبا رشہر کے اپنے اپنے گھروں میں
معہ عیال واطفال کے رہتے ہیں دن کو کالجوں میں آکر پڑھتے اور اپنی
حاضری کی تکمیل کرتے ہیں۔ بھرحال یہاں دنیاوی تعلیم کے مدارس
بھی حکومت عراق حکومتِ ایران اور بلدیہ کے ہیں۔ سابق ترکی
دوسری زبان تھی۔ سنا جاتا ہے کہ اب انگریزی زبان بھی سرکاری اور
بلدیہ مدارس میں رائج ہوگئی ہے اور ایرانی مدارس میں زبان فارسی
حسب سابق بحال ہے۔

یہاں کے تاجر اور دوکاندار اکثر ایرانی ہیں۔ جو تاجر ہیں
وہ مال تجارت دیگر ممالک سے منگواتے ہیں اور دوکانداروں کو یکمشت
فروخت کرتے ہیں اور دوکاندار چلر" بیوپار کرتے ہیں۔ ان کے
بیوپار کا دارومدار زائرین کی آمد پر ہے۔ جب زائرین زیادہ آتے
ہیں تو ان کی حالت رو بہ ترقی ہوتی ہے لیکن جب زائرین زیادہ
تعداد میں نہ آئیں تو ان کی حالت گرجاتی ہے۔ ایرانی ممالک کے زائرین
زیادہ آتے ہیں تقریباً تین سال سے حکومت ایران نے اپنی کسی
مصلحت سے زائرین کا پاس جاری کرنا موقوف کردیا ہے۔ اس کا
زیادہ اثر عموماً کل عراق میں خصوصاً ان مقدس مقامات ہوا ہے
اور بیوپار بہت کم ہونے کی وجہ چیخ پکار ہے۔

نجف قائم مقام (Deputy Collector) کا مستقر ہے
یہاں محکمہ صفائی جس کو بلدیہ کہتے اور ایک معقول تعداد پولیس معہ
افسران متعلقہ محکمہ رہتی ہے۔ اور شفاخانہ بھی حال میں قائم ہوا

ہے جہاں بیماروں کو رکھنے کا انتظام ہے اور روزانہ غیر مقامی بیماروں کا بھی علاج ہوتا ہے۔ غربا کا مفت اور صاحب استطاعت سے بالکل کم فیس اور دوا کی قیمت لیجاتی ہے ۔ اس لیئے صاحب استطاعت یا فیس دھندگان کا پہلے خیال کیا جاتا ہے پھر غربا کا۔ دوسرے محکمہ جات جو مستقر قائم مقام کے لیئے ضروری ہیں یہاں موجود ہیں ۔

یہاں کی باؤلیوں کا پانی بہت نمکین اور ناقابل استعمال ہے پینے کا پانی قریب پون میل سے مشکوں میں لایا جاتا ہے اب نل کی تجویز ہوئی ہے اور کام بھی چالو ہو گیا ہے حکومت اور صفائی اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ شہر کی حالت اچھی سے اچھی ہو کوچوں میں صفائی کا انتظام ہو گیا ہے۔ سابق میں یہ بہت میلے اور غلیظ رہتے تھے برقی روشنی ہر گلی اور کوچہ میں لگائی گئی ہے ۔ پہلے یہ تاریک رہتے تھے۔ راستے کشادہ کئے جا رہے ہیں ۔ اور نئی تعمیر بیرون شہر ہو رہی ہے۔ اگر یہی رفتار جاری رہی تو چند روز میں شہر کی حالت بہت اچھی ہو جائے گی اور اُن خرابیوں کی اصلاح ہو جائے گی جو قابل توجہ ہیں ۔ اس طرف سے پہاڑی راستہ جو شتر کے ذریعہ طے ہوتا ہے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ تک جاتا ہے ۔ سابق میں اہل نجف و عراق حج و زیارت مدینہ منورہ کو اسی راستے سے جایا کرتے تھے یہ راستہ اب بند ہے۔

شہر نجف اور حوالی نجف کی قابل ذکر زیارت گاہیں حسب ذیل ہیں ۔

محلہ عمارہ میں مقام امام زین العابدین علیہ السلام ہے جہاں آپ نے قیام فرمایا تھا اور مصروف نماز و عبادت رہے اس کے متصل

مقام صاحب الزمان - وادی السلام (نجف)

صفہ صفا نامی مقام ہے یہاں ایک بزرگ کی قبر ہے اس کی حکایت یہ ہے کہ یمن میں ایک بادشاہ مصطفیٰ نامی تھا مرتے وقت اس نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ نجف میں لیجا کر دفن کرنا۔ کیوں کہ وہاں ایک ایسی مقدس ذات دفن ہوگی جس کی برکت سے لاکھوں گنہگار بخشے جائیں گے حسب وصیت، بادشاہ مذکور کے انتقال کے بعد اس کے جنازہ کو نجف لائے جب جنازہ اس مقام کے قریب پہنچا تو حضرت امیر المومنین تشریف فرما ہوئے اور ارشاد مبارک ہوا کہ جس کا ذکر مصطفیٰ نے کیا وہ میں ہی ہوں اور اس کو حضرت نے اس مقام پر دفن فرمایا۔

وادی الاسلام نامی ایک بہت ہی بڑا قبرستان ہے جو متصل نجف شہر پناہ کے باہر کربلا کے راستہ پر واقع ہے یہاں ہزارہا عالم و فاضل زاہد و پرہیزگار دولت مند و نادار امراء و وزراء جوان بڈھے مرد و عورت بچے وغیرہ صرف نجف و ملک عراق ہی کے نہیں بلکہ دور و دراز ممالک اسلام کے شیعوں کی لاشیں لاکر دفن کی گئی ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

ہوائیں رحمت کی چل رہی ہیں امنڈ رہی ہیں بلا کی نیندیں
کچھ ایسا سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے

گو عالم بے کسی اور کس مپرسی میں دنیا کے جھگڑوں سے پاک بیفکری کی میٹھی نیند سو رہے ہیں پھر وہ ہر زائر و رہ گزر سے دعائے مغفرت و فاتحہ کے متوقع ہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ وہ یقیناً دعا و فاتحہ کے مستحق ہیں۔ یہاں جب زائر آتے ہیں تو ضرور فاتحہ پڑھتے ہیں خصوصاً شب جمعہ یہاں ایک اژدہام رہتا ہے اور مجلسیں منعقد ہوتیں اور فاتحہ خوانی کیجاتی ہے۔ یہاں قبور حضرت ہود علیہ السلام و حضرت صالح علیہ السلام ایک ہی

مقبرے میں واقع ہیں۔ جس پر ایک معمولی سا گنبد ہے اور خدام بھی ہیں جو زیارت پڑھاتے ہیں اور اپنا حق لے لیتے ہیں نیز مقام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام و مقام حضرت صاحب الزماں علیہ السلام واقع ہے جس میں ہر دو بزرگوار تشریف فرما ہو کر قیام فرما ہوئے تھے۔ اور مصروف نماز و عبادت رہے۔ یہاں دو دو رکعت نماز اور زیارت و سلام پڑھا جاتا ہے۔ حال ہی میں راجہ صاحب محمود آباد نے احاطہ اور گنبد تعمیر کروایا ہے۔ زائرین نجف سے یہاں آکر زیارت کر کے نجف واپس ہو جاتے ہیں بعض کربلا جاتے ہوئے زیارت کرتے ہیں۔ یہاں سے کربلا بذریعہ موٹر کار جاتے ہیں۔ مابین کربلا نہ کوئی پختہ سڑک ہے اور نہ خام راستہ ایک ہموار ریتیلا میدان ہے جو کوسوں چلا گیا ہے کہیں پانی کا نام و نشان ہے اور نہ سرسبزی۔ بلکہ گھاس تک نظر نہیں آتی۔ موسم گرما میں انسان کے لیئے یہ منزل طے کرنا آسان نہیں ہے۔ سوسمار وہ بھی گرمی کی تاب نہ لاکر اپنے سوراخوں سے باہر نکل بیٹھتے ہیں جو موٹر کی آہٹ سے بھاگتے نظر آتے ہیں۔ بھر حال یہی حالت قریب قریب کربلا تک ہے۔ سابق میں یہ راستہ منزل بمنزل طے کرتے تھے اب ڈیڑھ گھنٹہ یا دو گھنٹہ میں ختم کر لیتے ہیں

کربلا

شہر کربلا بغداد کے تقریباً پچاس میل سمت جنوب و مغرب میں واقع ہے اور کوفہ سے بھی تقریباً اسی قدر فاصلہ پر ہے یہ موجودہ شہر کربلا وہ مقام ہے کہ جہاں سنہ ۶۱ ہجری مطابق سنہ ۶۸۰ عیسوی میں پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چاہتا نواسہ اور وصی رسول اللہ علی مرتضیٰ علیہ السلام

دبتول دختر رسول فاطمہ الزہرا سیدالنساء العالمینؑ کا پیارا بیٹا۔ امام سبز قبا حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا برابر کا بھائی یعنی مظلوم جور و جفا تشنہ بے نوا سیدالشہدا شاہ مشرقین امام حسین علیہ السلام جس نے اپنی نانا کی امت مرحومہ کی نجات کے واسطے اپنا مال او لاد عزیز و اقارب عزت و آبرو اور جان عزیز سب کچھ راہ خدا میں فدا کر دیا یہیں خاتمہ پنجتن ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون جب یزید ابن معاویہ کا لشکر امام حسینؑ کی شہادت کے بعد چلا گیا قبیلہ بنی اسد اہل غاضریہ آئے اور شہیدوں کی لاشوں پر فاتحہ پڑھکر دفن کر دیا۔ لاش امام حسین علیہ السلام کو اسی جگہ دفن کیا کہ جس مقام پر اب قبر انور ہے۔ اور لاش حضرت اکبرؑ کو امام حسین کے پائین دفن کیا۔ وہاں سے مشرق کیطرف ہٹ کر تمام شہیدوں کو دفن کر کے گنج شہیداں کر دیا اور حضرت عباسؑ کو کنارہ نہر فرات اور حضرت عون کو دو فرسخ جانب شمال اور حضرت حُر کو ایک فرسخ جانب غرب اور حبیب ابن مظاہر کو رواق میں دفن کیا امام حسین علیہ السلام کے دفن کے کئی سال بعد محمد بن ابراہیم بن مالک اشتر نے روضہ مطہر امام حسین علیہ السلام کی بنا ڈالی۔ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں مروانیوں کے زمانہ سے زیارت کربلا کو جانے جو ممانعت تھی وہ اٹھ گئی تو ایک ایک دو دو نفر یہاں آباد ہونے لگے زائرین زیارت کے لیئے کربلا جاتے اور ان میں کے بعض وہیں مقیم ہو جاتے تھے اس طرح آبادی ترقی کرنے لگی۔

یوں تو بنی عباس کو عموماً خاندان ابو طالب سے اور خصوصاً اولاد علی سے دشمنی اور عداوت تھی مگر خلیفہ متوکل علی اللہ کو بے حد تھی جس کی وجہ سے زیارت کے لیئے زائرین کا کربلا جانا اور وہاں بسنا اُس کو سخت

ناگوار گزرتا تھا اس نے لوگوں کو کربلا کی زیارت کرنے سے منع کیا اور منادی کروادی کہ جو شخص امام حسین کی زیارت کو جائے گا قید ہو گا۔ اور ہر طرف ایک ایک میل کے فاصلہ پر پہرے بٹھا دئے کہ جو شخص زیارت کو جائے اُسے قید کرلیں۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ۲۳۶ھ م ۸۵۰ء میں حکم دیا کہ قبر امام حسین ع کو معہ اس عمارت کے جو اس کے گرد بنی ہوئی ہے مسمار کر دیں اور وہاں کھیتی کی جائے یہ بے حرمتی قبر انور کی کی گئی اور زائرین کو زیارت سے منع کرنے کا سلسلہ دس سال تک قائم رہا جب ۲۴۷ھ ہجری م ۸۶۱ء میں متوکل مر گیا اور اس کا بیٹا منتصر باللہ جانشین ہوا تو تجدید روضہ امام حسین ع شروع ہوئی مگر عام اجازت زیارت کرنے کی نہیں ملی بلکہ زائرین کو کربلا جانے زیارت کرنے اور اگر چاہئیں تو وہاں بسنے کی ترغیب ۳۳۴ھ م ۹۴۵ء کے بعد ہوئی جب احمد معز الدولہ خلیفہ مستکفی باللہ کے زمانہ میں بغداد پر قابض ہو گیا پھر تو لوگ زیارت کو اطمینان سے جانے لگے اور کربلا کی آبادی باقاعدہ اور بغیر روک ٹوک کے بڑھنے لگی۔ اسی صدی میں نئے نوغاصریہ۔ شفیہ۔ عقر اور دوسرے قریہ جو کربلا کے گرد تھے وہاں سے لوگ اٹھ اٹھ کر کربلا میں آباد ہونے گئے۔ سلاطین آل بویہ یہاں دفن ہوئے چنانچہ ان کے قبور حائر میں موجود ہیں۔ جناب امام حسین ع کے روضہ مقدس کی تعمیر اور زینت میں اضافہ ہوا اور خزانہ قائم کیا گیا۔ آٹھویں صدی ہجری مطابق تیرہویں صدی عیسوی میں سلطان خدا بندۂ ایران زیارت نجف اشرف و کربلا معلیٰ سے مشرف ہوا اور ان مقامات کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا ۹۱۴ھ م ۱۵۰۸ء میں شاہ اسمٰعیل صفوی نے جناب امام حسین کے روضہ کی زیارت کی اور جناب امام حسین ع و جناب حضرت عباس ع اور حضرت حُر

کے روضوں کی تجدید، ترفیع اور تزئین کی اور چادر زربفت صندوق قبر
سیدالشہداء علیہ السلام اور قندیل طلائی اور دیگر اجناس ہائے لطیفہ چڑھائے
اور ایک عہدہ دار کو مقرر کیا کہ تمام خدمات ائمہ عراق کے مزاروں میں
انجام دے سلطان سلیمان نے شاہ اسمعیل کی تعمیر کو مکمل کیا ۹۵۷ھ م
۱۵۵۰ء میں کربلا میں نہر حسینی لائی گئی اس کی تاریخ "آب روان شد
بہ کربلا و حسین ۹۵۷ھ" ہے۔ اسی صدی میں سلطان نظام شاہ دکن
نے بہت ساز زر مستحقین کربلا کو بھیجا شاہ طاہر کی لاش ہند سے کربلا
گئی اور حرم مقدس میں دفن ہوئی۔ احمد نظام شاہ اور برہان نظام شاہ
قبہ مطہر سے باہر دفن ہوئے اور لاش مرتضیٰ نظام شاہ کربلا میں دفن ہوئی
محمد شاہ کی ماں نے بھی بہت ساز زر مستحقین کربلا کے واسطے بھیجا۔

گیارھویں صدی ہجری مطابق سولھویں صدی عیسوی میں
شاہ عباس صفوی زیارت کربلا سے مشرف ہوا اور کاشی کی اینٹوں
سے زینت روضہ امام حسین ع کی بارھویں صدی ہجری مطابق سترھویں
صدی عیسوی میں نادر شاہ مشرف زیارت کربلا و نجف و کاظمین ہوا
اور نذریں چڑھائیں ۱۲۸۲ھ م ۱۸۶۶ء میں ناصر الدین شاہ قاچار
حکمران مملکت ایران بھی کربلا کی زیارت کو آئے اور تزئین روضہ مقدس
کی ۱۲۹۵ھ م ۱۸۷۸ء میں باب قبلہ یعنی باب طلا بلکہ تمام روضہ کی مرمت
طلا و نقرہ اور آئینہ کاری اور کاشی کی اینٹ سے ہوئی اور ۱۲۹۸ھ م
۱۸۸۱ء تک جاری رہی اس کی تاریخ "باب طلا" کے لوح پر لکھی ہے۔
مدحت پادشاہ کے زمانہ کے رفاہ عام کے کاموں میں یہ بھی قابل ذکر
ہے کہ محکمہ بلدیہ شہر کربلا میں قائم ہوا اور ٹاؤن ہال Town Hall

شہر نوع کے محکمۂ میں قائم ہو گیا چودھویں صدی ہجری مطابق انیسویں
صدی عیسوی میں جناب سید الشہداؑ کے حرم اور جناب عباسؑ کے
روضہ کے دروازہ پر بجنے والی بڑی بڑی گھڑیالیں قائم ہوئیں۔ اور
روضہ حضرت عباس کی توسیع ہوئی اور جناب امام حسینؑ کے روضہ
مبارک پر چھوٹے چھوٹے آئینہ دار برج علاوہ طلائی برج کے اندرونی
روشنی کے واسطے بنائے گئے۔ الغرض آہستہ آہستہ حرم مقدس کی
تعمیر و زینت بڑھتی گئی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ شہر کربلا کی آبادی بھی
ترقی کرتی گئی اور اب ایک وسیع شہر حرم مقدس کے گرد آباد ہے۔
روضہ شاہ شہداؑ آراستہ وسیع اور شاندار عمارت ہے جس کا صحن سنگین
و کشادہ ہے۔ نیچے سرداب ہے احاطہ پختہ و بلند ہے۔ جس میں عالیشان
و بلند دروازے باب قبلہ۔ باب قاضی الحاجات۔ باب
صحن کوچک۔ باب حر۔ باب سلطانیہ۔ اور باب
زینبیہ نامی نصب ہیں۔ مابین دروازہ کمرہائے پختہ و نفیس کاشانی
رنگ منقش ہیں وسط حرم میں روضہ مقدس ہے۔ قبہ انور اور میناروں پر
طلائی کام نہایت قیمتی ہے۔ دروازہ روضہ مقدس نقرئی اور بڑے
شاندار ہیں۔ باہر تمام عمارت کی دیواروں پر چینی کی گل کاری کی گئی ہے
بعض جگہ آیات قرآنی اسی چینی میں نہایت خوش خط تحریر ہیں ہر طرف
ایوان اور بلند اور شاندار رواق ہیں تمام اندرونی حصوں میں کاشی کاری
اور آئینہ بندی حسب موقع اور ضرورت نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی ہے خصوصاً
زیر قبہ جہاں مزار مقدس ہے بہت ہی آراستہ ہے۔ خوشنما نقرئی
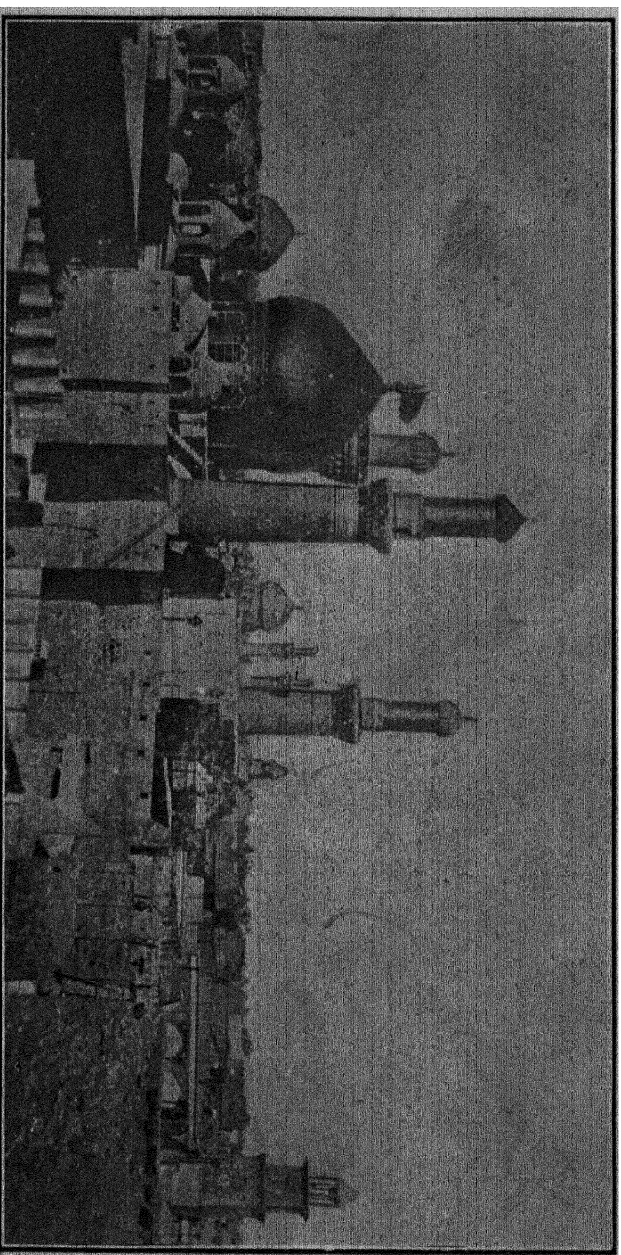
ضریح مقدس شہید کربلا

وطلائی قنادیل اور قیمتی شیشہ آلات ہر طرف آویزاں ہیں اُن میں برقی روشنی
حال میں لگائی گئی ہے رات کا وقت تمام روضہ بقعۂ نور بنجاتا ہے۔
مزار مقدس کے چاروں طرف برقی پنکھے بھی لگائے گئے ہیں جس سے
زائرین کو بیحد آرام ملتا ہے۔ قیمتی جواہرات جو نذر چڑھائے گئے ہیں
با موقع آویزاں ہیں اس مقدس ضریح کے گرد فرش سنگ مرمر اس پر
اعلیٰ درجہ کا ایرانی قالین بچھایا گیا ہے۔ اس کی آراستگی و زینت نجف
اشرف کی ضریح مبارک سے کچھ کم نہیں ہے۔ وہی سطوت وجلال
وہی شان و شوکت وہی رعب و داب ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ
مظلومیت بھی نمایاں ہے۔ قبہ کے نیچے مزار مقدس امام حسینؑ ہے
اس کے پائین مزارات شہزادہ علی اکبرؑ و علی اصغرؑ ایک ہی جا
پہلو بہ پہلو ہیں ان مزاروں کے گرد اندر فولادی باہر بلند چاندی کی
شش گوشہ جالی ہے۔ اس پر چاندی کی ڈھلوان چھت لگی ہے۔
حضرت علی اکبرؑ کے مزار پر شمشیر و سپر رکھی ہوئی ہے اور حضرت
علی اصغرؑ کے مزار کے قریب کھلونا جمع کیا گیا ہے جس پر نظر
پڑتے ہی ایک عجیب حالت دل پر طاری ہوتی ہے اور بے ساختہ
دل بھر آتا ہے تاب ضبط نہیں رہتی خود بخود آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔
اس مقدس مزار کے مشرق کی طرف چند قدم کے فاصلہ پر
گنج شہیداں ہے اندر فولادی باہر نقرئی جالی ہے۔ جانب جنوب
حصہ غربی کے رواق میں قبر حبیب ابن مظاہر ہے جس پر فولادی جالی
اور اس پر ڈھلوان چھت ہے یہاں زیارت پڑھائی جاتی ہے اسکے
جنوب کی طرف چند قدم کے فاصلہ پر وہ یادگار نصب ہے جس کے

بیان سے دل شق ہوتا ہے روح کو قلق ہوتا ہے تصور بندھ جاتا ہے
کہ یہیں امام کون و مکان حضرت سید الشہدا جناب امام حسین علیہ السلام
مقتول ہوئے عجب کیفیت دل پر طاری ہوتی ہے بے اختیار آنکھوں
سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور اچھی خاصی رقت طاری ہو جاتی ہے
اس مقام کو قتل گاہ کہتے ہیں اور اس کو سنگ مرمر سے مستحکم کر دیا ہے
ضروری آراستگی بھی کی گئی ہے۔ شمال و مغرب کی سمت روضہ مقدس
کے رواق میں امام زادہ سید ابراہیم بن حضرت موسیٰ کاظم ع کا مزار
ہے یہاں بھی زیارت پڑھائی جاتی ہے۔ ضریح مقدس کے سمت
شمال میں مردانہ و زنانہ مسجدیں ہیں مرد اور عورتیں اپنی اپنی مسجدوں
میں ہر وقت نماز اور دعا میں مشغول رہتی ہیں۔ سال بھر میں خواہ
رات ہو یا دن صدہا عورتیں، مرد، جوان، بوڑھے امیر و غریب
سب ایک ہی حال میں نظر آتے ہیں۔ سب مشغول زیارت و سلام
رہتے ہیں۔ کہیں قرآن خوانی کہیں روضہ خوانی ہوتی رہتی ہے۔ ایک
ہجوم عام اور اژدحام انام رہتا ہے۔ الغرض روضہ اقدس کی ظاہری
شان و شوکت آرائش و زینت اور باطنی تاثرات سے ایک خاص
عالم پیدا ہے اور بے ساختہ منہ سے نکلتا ہے کہ

یا رب ایں ارض مقدس چہ مقاماست و چہ جاست
کز زمیں تا بہ فلک مطلع انوار خداست

خاص کر شب جمعہ اور اس سے زیادہ کثرت ایام مخصوصہ
میں ہوتی ہے کربلا میں آٹھ مخصوص ایام ہیں۔ یکم رجب۔ وسط رجب
وسط شعبان۔ شب ہائے قدر یعنی۔ ۱۹۔ ۲۱۔ ۲۳۔ رمضان۔ عید الفطر۔

ضریح حضرت عباس علیہ السلام (کربلا)
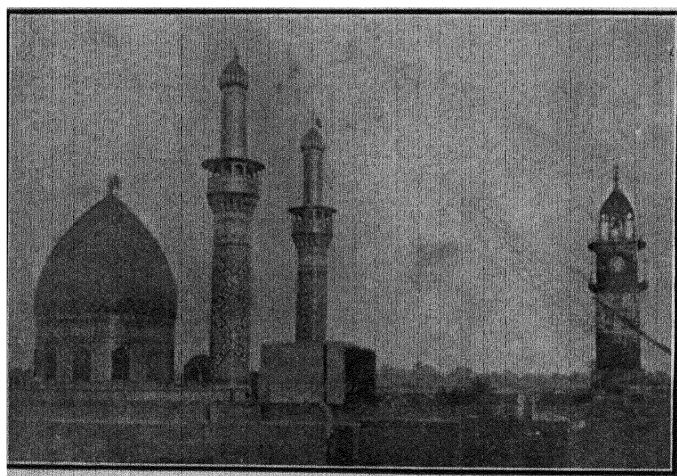
یکم شوال۔ عرفہ (۹؍ ذیحجہ) عاشورہ (۱۰؍ محرم) اوراربعین (۲۰؍ صفر)
مجھے بھی مخصوص عرفہ میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا اس قدر لوگ
اطراف وجوانب کربلا۔ ممالک عراق و ایران وہندوستان وغیرہ سے
آتے ہیں کہ رہنے کو جگہ نہیں ملتی۔ حرم کا صحن۔ کمرے ایوان رواق کل
بھرے رہتے ہیں چونکہ کربلا میں نہر فرات لائی گئی ہے جس کے باعث
اطراف شہر باغات ہیں اس میں بھی لوگ ٹھیر جاتے ہیں اور تین چار
یوم تک غیر آباد مقامات میں غیر معمولی آبادی ہوجاتی ہے۔ یہاں بھی
کوئی خاص مسافرخانہ دسرائے نہیں اور نہ زائرین کے قیام کا کوئی
خاص انتظام ہے۔ مگر فرقہ بواہیر نے اپنے فرقہ کے زائرین کے لیئے
ایک سرائے تعمیر کروائی ہے اور شیعہ امرا٘ نواب و راجگان نے خاص کر
لکھنو۔ فیض آباد۔ حیدرآباد۔ مرشدآباد۔ محمودآباد و بیرپور وغیرہ کے
حکمرانوں نے مکانات خرید کر عام زائرین کے قیام کے واسطے وقف
کردیئے ہیں۔ جو خدام کے تحت وتصرف میں ہیں عموماً زائرین خدام
کے یہاں ٹھیرتے ہیں۔ ان میں سید عباس وسید عابد قابل ذکر ہیں
میں جس وقت کربلا گیا تھا۔ سید عباس حیدرآباد آئے ہوئے تھے۔
سید عابد صاحب نے مجھے زیارت پڑھائی میں ان کا مشکور ہوں
خدا ان کو خیر و برکت دے۔

اہل سنت والجماعت بھی جب نجف اشرف وکربلائے معلیٰ کی
زیارت کو جاتے ہیں تو نجف اشرف میں ان کے وکیل مولوی عبداللطیف
صاحب شعبان زادہ ہیں جو محلہ عمارات میں رہتے ہیں انھیں کے یہاں
یہ لوگ مہمان ہوتے ہیں اور کربلائے معلیٰ میں سید محمد ہاشم صاحب

ابن سید محمد آفندی مرحوم کے یہاں مقام کرتے ہیں یہ بزرگ محلہ عباسیہ میں مسجد کے قریب رہتے ہیں۔ کاظمین میں کوئی خاص وکیل نہیں ہے بغداد سے آکر زیارت کرکے واپس ہوتے ہیں سامرہ میں کل خدام سوائے دو کے سنت والجماعت ہیں عموماً شیعہ صاحبان بھی سنت الجماعت خدام کے یہاں ٹھیرتے ہیں وہ شیعوں کی خدمت کرتے ہیں اور زیارت وسلام بطریق تشیع پڑھاتے ہیں۔ مثل نجف کے اس درگاہ میں بھی خزانہ ہے ان کا خاص دفتر ہے اور کلید بردار اس خزانے کے خزانچی ہیں۔ جن کے ماتحت تخمیناً چھ (۶) سو عرب خادم علاوہ فراش و جاروب کش و کفش کن کے ہیں یہ اوقات مقررہ پر اپنے اپنے مفوضہ کام میں سرگرم رہتے ہیں ان کی تنخواہیں محکمہ اوقاف سے ملتی ہیں مگر ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ وہ صلہ خدمت ہے جو زائرین سے ان کو ملتا رہتا ہے۔

حرم امام حسینؑ کے غرب کی طرف تخمیناً پاؤ میل کے فاصلہ پر روضہ عباسؑ ہے زائرین زیارت امام حسین علیہ السلام سے فارغ ہوکر باب صحن کوچک سے گزر کر صحن کوچک کو طے کرکے بازار میں سے ہوتے ہوئے روضہ پر پہنچتے ہیں روضہ کے گرد احاطہ معہ کمروں کے بلند و پختہ کاشانی رنگ سے منقش ہے جابجا سقہ خانے ہیں صحن کشادہ اور سنگین ہیں اس کے نیچے سرداب ہے۔ وسط صحن میں روضہ شریف واقع ہے گنبد اور مینار کاشانی رنگ سے منقش ہیں تحریر آیات قرآنی بھی ہے روضہ کے دروازے نقرئی ہیں اور ایوان طلائی ہے زیر قبہ انور خوشنما میناکاری اور آئینہ بندی کی گئی ہے۔ قنادیل نقرئی و طلائی اور شیشہ آلات آویزاں ہیں جن میں برقی روشنی لگائی گئی ہے۔ اسلحہ جیسے

شمشیر خنجر سپر وغیرہ بکثرت اور بامواقع لگے ہوئے ہیں۔ مزار مبارک کے گرد اندر فولادی باہر نقرئی جالی لگی ہوئی ہے اور اس پر دو پہلوی شاندار چاندی کی چھت ہے اور پر قیمتی شامیانہ ہے اطراف جالی ہی فرش سنگ مرمر کا ہے اس پر نہایت عمدہ قالیں بچھی ہیں۔ اور صندوق قبر اطہر بلند ہے اس پر شال کی چادر پڑی ہوتی ہے۔ شمشیر و سپر رکھی ہوئی ہے۔ یہاں بھی وہی شہادت کی شان در و دیوار سے ٹپکی پڑتی ہے نیز رفافت کی آن بان ساتھ ہی ساتھ دبدبۂ شوکت و رفعت و جلال بھی نمایاں ہے دیکھنے والے کے دل پر ایک عالم طاری ہوتا ہے وہی لطف اوٹھاتا ہے جسے مشرف ہونے کا موقع ملا ہو خدام و ملازین بارگاہ اپنے اپنے متعلقہ خدمات کو انجام دے رہتے ہیں اور روضہ خوان فضائل و مصائب بیان کرتے واعظین پند و نصیحت کرتے۔ علما نماز دعا پڑھتے رہتے ہیں۔ اور زائرین کا ایک ہجوم عام اور اژدہام ہوتا ہے ہر ایک مشغول زیارت و سلام نظر آتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو کوئی امام حسین علیہ السلام کی زیارت کو جاتا ہے وہ یہاں بھی آتا ہے کیونکہ بعد زیارت امامؑ یہاں کی زیارت لازمی ہے۔

درگاہ حضرت عباسؑ کے شمال کے جانب بخط مستقیم چھ سو (۶۰۰) قدم کے فاصلہ پر اور آبادی کربلا کے باہر اندازاً چار سو قدم دور باغات میں نہر علقمہ کے کنارہ ایک پختہ عمارت موسوم بہ "شریعہ حضرت صادق" واقع ہے اس مقام پر حضرت امام صادق علیہ السلام قیام فرما ہوئے تھے خلیفہ منصور کے زمانہ میں آپ عراق طلب کیے گئے تھے اور کربلائے معلی تشریف لائے اور یہیں آپ مشغول نماز و عبادت بھی ہوئے تھے

زائرین اس جگہ بھی آتے اور زیارت کرتے ہیں۔

حرم امام حسینؑ کے جنوب کی طرف پشت دیوار حرم کے قریب درمیان حرم و خیمہ گاہ ایک مقام ہے جس کو تل زینبیہ کہتے ہیں یہاں ایک محراب خوشنما مختصر آرائش کے ساتھ بنایا گیا ہے اس کی روایت یہ ہے کہ یہ ایک ٹیلہ تھا جس پر خیمہ سے آکر حضرت زینبؑ جناب امام حسینؑ کے قتل کی تحقیق فرماتی تھیں، کیونکہ یہ مقام اونچا ہے۔

اب بھی باب زینبیہ کے درمیان سے وہ نشیب جہاں حضرت کی شہادت واقع ہوئی صاف نظر آتا ہے دیکھنے والوں کو ایک تصور بندھ جاتا ہے۔ اس مقام سے کسی قدر فاصلہ پر کربلا کی موجودہ آبادی میں قریب باغ ابوالفتح وہ مقام ہے جہاں کربلائی قافلہ آکر اترا تھا اور قبل شہادت ایک عشرہ مقیم رہا اس کو خیمہ گاہ کہتے ہیں احاطہ پختہ دروازہ بلند برنگ کاشانی قدرے منقش ہے۔ اندر مقامات قیام مدور اور پختہ ہیں۔ اور نشان سجادہ و محمل احاطہ دروازہ سے اس مدور عمارت تک پختہ بنائے گئے ہیں درمیان میں سرداب اور اس کے اندر باولی ہے ایک طرف گوشہ میں حجرہ حضرت قاسم بنایا گیا ہے۔ یہاں بھی خدام ہیں جو زیارت پڑھاتے ہیں۔ اور ہر ایک کے قیام کا نشان بتلاتے ہیں زائرین کا ہجوم رہتا ہے دیکھنے والوں کے دل مغموم اور متاثر رہتے ہیں۔

حرم امام حسینؑ کی غربی جانب شہر کے باہر تخمیناً تین میل کے فاصلہ پر مقبرہ حرؑ شہید ہے باغات خرما میوہ جات میں سے گزرتے اور چھوٹی چھوٹی نہروں کو عبور کرتے اور سرسبز کھیتیوں میں سے
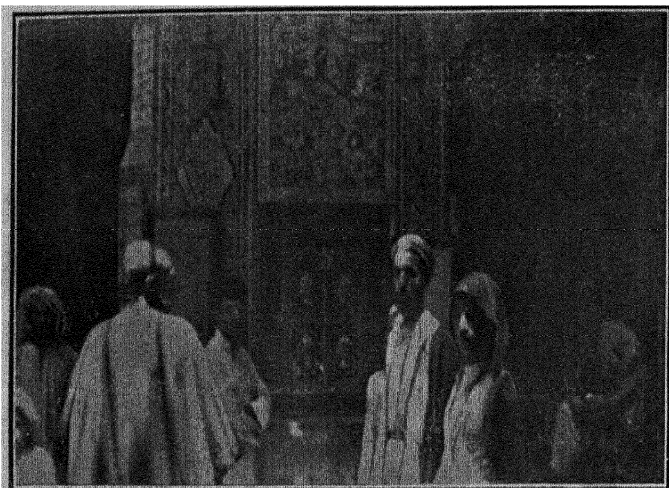
تل زینبیہ - کربلا
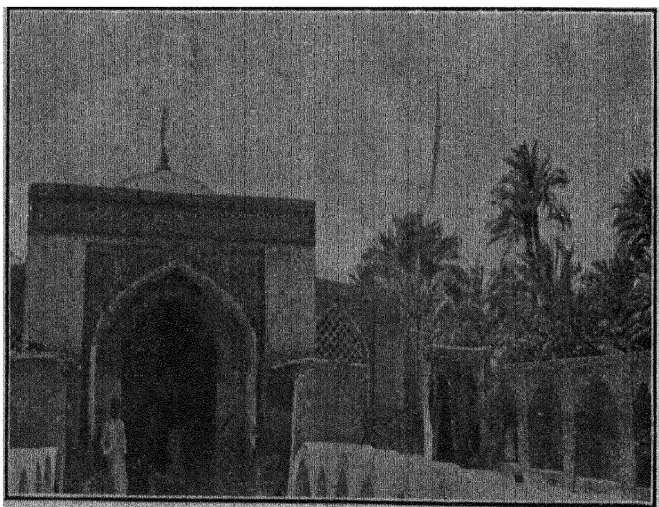
خیمہ گاہ (کربلا)

پار ہوتے ہوئے بڑا لطف آتا ہے۔ گرمی کے ایام میں قریب غروب
آفتاب اس راہ کو طے کرنا لطف سے خالی نہیں ہے راستہ گھوڑا
گاڑی اور موٹر کے قابل ہے۔ زائرین گاڑی یا موٹر میں سوار ہو کر
اس راستہ پر سے جاتے ہیں۔ کرایہ بھی بہت کم ہے۔ مقبرہ حرؑ
کے صحن کا دروازہ بلند ہے گرد صحن احاطہ بلند و پختہ ہے۔ صحن گو مختصر
ہے لیکن خوشنما ہے۔ وسط صحن میں بڑا گنبد نیل گوں کاشانی اینٹ
کا بنا ہوا ہے اس کے نیچے ضریح ہے۔ ضریح کے گرد جالی ہے۔ اور
گرد جالی ایرانی قالین کا فرش ہے۔ اور اندرون جالی قبر کا صندوق
ہے اور اس پر چادر پڑی رہتی ہے در و دیوار سے بوئے ایمان و وفا
آتی ہے اور شہادت کی شان ٹپکی پڑتی ہے۔ یہاں زائرین زیارت
کرنے آتے ہیں خدام زیارت پڑھاتے ہیں اور اپنا حق لیتے ہیں
حسب رواج عراق دروازہ کے مقابل مختصر قہوہ خانہ ہے اس کے
متصل چند کاشت کاروں کے کچے مکانات ہیں جن کے سامنے
عربوں کے بچے کھیلتے دکھائی دیتے ہیں۔ جب زائرین زیارت سے
فارغ ہو کر نکلتے ہیں ان کو دیکھ کر وہ کمسن بچہ زیارت قبول کا ایک شور
مچاتے ہیں بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ گرد حرم مقدس آبادی شہر
ہے یہ بڑا شہر ہے اور مستقر متصرف Collector ہے یہاں
کی آبادی دو قسم کی ہے ایک دوامی جو قریب قریب ڈیڑھ لاکھ کے شمار
ہوتی ہے۔ دوسری ہنگامی ایام مخصوصہ میں زائرین کی آمد سے قریب
ہونے تین لاکھ کے ہو جاتی ہے انھیں ایام میں یہاں کے دوکاندار
اپنی سالانہ معاش پیدا کر لیتے ہیں۔ یہاں کی آبادی مخلوط ہے اور عرب عجم

ہندی اور دیگر ممالک کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ زبان عربی بگڑی ہوئی
ہے فارسی اور اُردو بھی بولی جاتی ہے عموماً دوکاندار اردو اچھی طرح سمجھتے
ہیں۔ یہاں سنت والجماعت بھی ہیں اور ان کی مسجد بھی حرم میں ہے
یہ شہر دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک قدیم۔ دوسرا جدید۔ قدیم
شہر کے مکانات۔ کوچے اور بازار کی وہی حالت ہے جو نجف کی
بیان کی گئی ہے۔ وہ بازار جو درمیان ضریح حضرت امام حسینؑ و حضرت
عباسؑ واقع ہے مسقف ہے اور خوب آباد ہے۔ رات دن چہل پہل
اور رونق رہتی ہے ہمہ قسم کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔ پیتل
اور جرمن سلور کے عمدہ سماوار نفیس استکان و غوریاں نیز صندوق
سفری بہترین قالین ایران و بخارا کے اور طرح طرح کی خوش رنگ نفیس
تسبیحیں عمدہ سجدہ گاہ اور پاک صراہ و کفن جس پر حسب مناسب آیات
قرانی تحریر شدہ اور بردیمنی بہت ارزاں فروخت ہوتی ہیں حمام مردانہ
و زنانہ اور عزا خانہ جس میں عورتوں کے نشست کا خاص انتظام ہوتا
ہے، موجود ہیں۔ مُردوں کے غسل خانے بھی ہیں ہندوستان میں عموماً
مردوں کو اپنے ہی گھروں میں نہلاتے ہیں اور بعض قبرستانوں میں بھی
مردوں کو غسل دینے کی جگہ ہوتی ہے۔ مگر عراق میں اپنے مردوں کو
گھر سے باہر غسل خانوں میں نہلاتے ہیں۔ جس طرح زندوں کے حمام
بکثرت ہیں اسی طرح مُردوں کے لئے بھی غسل خانہ موجود ہیں مُردوں
کو وہاں نہلاتے ہیں۔ وہیں کفن پہنا کر جنازہ کو تابوت میں رکھتے اور
حرم میں طواف کے لیئے اور نماز جنازہ کے لیئے لے آتے ہیں۔ طواف
و نماز سے فارغ ہو کر حرم میں یا کسی دوسرے قبرستان میں دفن کر دیتے
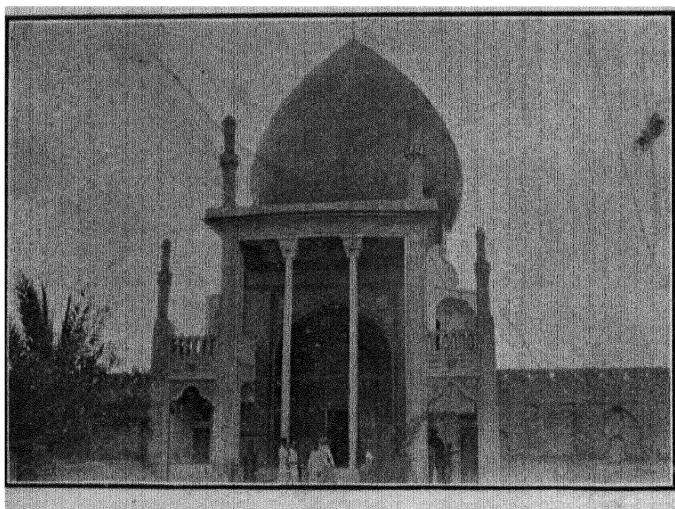
مقبرہ حر شہید (کربلا)

ہیں۔ قبر پر یا مردے کے ہمراہ کسی خیرات یا کھانے کے اشیا تقسیم کرنے کا رواج نہیں ہے۔ سوائے مجتہدین و امرا کے جنازوں کے، دوسرے لوگوں کے جنازوں کے ساتھ زیادہ آدمی نہیں ہوتے۔ اکثر جنازے تو ایسے دیکھے کہ جن میں صرف دو آدمی تابوت اٹھا لائے اور طواف کروا دیا اور دفن کر دیا عام طور پر لوگ جنازوں کی مشایعت بھی نہیں کرتے لیکن مجلس عزاداری نہایت مہذب طریقہ سے منعقد ہوتی ہے۔ یعنی جب کسی کے گھر میت ہوتی ہے تو سر راہ قالین بچھا دئے جاتے ہیں۔ وہ گویا علامت ہے اس کی کہ یہاں میت ہوئی ہے۔ اور جن کو اطلاع دینا ضروری سمجھا جاتا ہے اطلاع دی جاتی ہے دوست احباب خویش و اقربا مجلس عزا میں آتے ہیں۔ بطور حاشیہ کے گرداگرد چند منٹ خاموش بیٹھکر کچھ پڑھتے ہیں اور ان الفاظ میں عزاداری کرتے ہیں

"خدا بہ بخشد غریق رحمت بہ کن"

چائے سگریٹ پی کر دس منٹ کے بعد چلے جاتے ہیں۔ غرض کہ جنازہ کو بعد طواف و نماز کے قبرستان میں دفن کرتے ہیں۔ یہاں کچی و پکی اور گنبددار غرض کہ سب طرح کی قبریں ہیں۔ ایک دستور ہو گیا ہے کہ لوگ میت کا نام وغیرہ چھوٹے چھوٹے پتھر پر خوشخط یا بدخط کندہ کروا کر یوں ہی جما دیتے ہیں چند روز کے بعد وہ پتھر اپنی جگہ سے جدا ہو کر نیچے گرتے ہیں اور چلنے والوں کے پیروں میں پامال ہوتے ہیں۔ بعض کو طواف و نماز کے بعد حرمین کے صحنوں میں بھی دفن کرتے ہیں اس کے لیے خفیف سی رقم دینی پڑتی ہے جو محکمہ اوقاف کو جاتی ہے چونکہ حرم میں اسقدر گنجائش نہیں ہوتی چند روز میں قریب بھر جاتا ہے تو پرانی ہڈیاں

نکال کر باہر قبرستان میں دفن کی جاتی ہیں اور صحن اقدس میں نئے
جنازوں کے واسطے جگہ نکالی جاتی ہے۔ نہیں معلوم کہ یہ امر شرع کی
رو سے کہاں تک جائز اور درست ہے صحن کے فرش کے بعض
پتھروں پر بھی میت کا نام وغیرہ کندہ ہوتے ہیں وہ بھی پاؤں میں
روندے جاتے ہیں۔ ان ابواب کی اصلاح ضروری نظر آتی ہے۔
متصل شہر قدیم شہر جدید ہے جہاں کشادہ سڑکیں اور بلند
و شاندار عمارتیں ہیں سرکاری محکمہ جات شفاخانے ڈاک گھر اور تار
گھر بلدیہ کا دفتر بارونق قہوہ خانے اور بڑے بڑے موٹر خانے ہر جگہ
دیکھے جاتے ہیں۔ اسی حصہ شہر کے قریب ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔
یہاں کے بازار مسقف نہیں ہیں یہاں بھی چہل پہل اور رونق رہتی
ہے۔ قصاب۔ نان گر۔ خیاط۔ بزاز۔ عطار۔ موچی اور حجام کی دکانیں
ایک ہی جگہ مسلسل ہوتی ہیں۔ یہاں کے حجام کی دوکان میں دو تین
قد آدم شیشے لگے ہوتے ہیں۔ برش کنگھا۔ بال کاٹنے کے مشین سرد
ہونے کی میز اور کرسیاں اور نشست کی کرسیاں اور بعض میں برقی پنکھا
بھی آویزاں ہوتا ہے یہ ہندوستان کے بڑے شہروں کے ڈریسنگ
سیلون Dressing Saloon. کے مثل ہوتے ہیں ہر وقت
دو چار آدمی حجامت کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں انتظار کی یہ گھڑیاں
اخبار یا کتب بینی یا چائے خوری میں گزارتے ہیں۔ بال یا خط جیسا
چاہئیں اور جس فیشن کا چاہئیں بنایا جاتا ہے۔ اور اجرت بہت کم
لی جاتی ہے یہاں کے درزی کپڑا عمدہ سیتے ہیں اور وقت پر تیار کر دیتے
ہیں آج کل انگریزی سوٹ بھی تیار کئے جاتے ہیں اور بہت ہی

وضعدار اور مطابق رواج ہوتے ہیں یہاں آج کل ان کا رواج ہوتا چلا ہے۔

موچی عراقی جوتوں کے علاوہ، بوٹ، شوز اور پشوز ولایتی کی طرح تیار کرتے ہیں جو ارزاں فروخت ہوتے ہیں۔

یہاں کی روٹی نیم خمیری ہوتی ہے بسکوٹ اور کیک بھی ملتے ہیں۔ دودھ۔ دہی۔ سرشیر (بالائی) پنیر اور دوغ (چھاچ) افراط سے ملتی ہے مرغ کے انڈے گوشت بھی ارزاں اور عمدہ ہوتا ہے جا لیہ شہر بارونق و آباد ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ یہاں پانی کی افراط ہے گو اسوقت یہاں فرات نہیں ہے۔ مگر اس کی شاخ لائی گئی ہے جس کے ذریعہ سے شہر میں پانی پہنچایا گیا ہے اسی کا استعمال اہل شہر کرتے ہیں اسی سے سرسبزی و شادابی ہے آبادی کے باہر باغات ہیں جن میں خرما پرنقال (سنترہ) زرد آلو انار انگور شہتوت بکثرت ہوتے ہیں۔ اور ہمہ قسم کی ترکاریاں اور سرسبزیاں بوئی جاتی ہیں۔ گیہوں اور جو بکثرت پیدا ہوتا ہے اکثر باغوں کے احاطے خام دیواروں کے بنے ہوئے ہیں یہی سرسبزی و شادابی مسیت تک باقی ہے جو تقریباً (۲۲) میل کے فاصلہ پر ہے المختصر وہ شاندار درگاہیں جس کی زیارت سے دل کبھی سیر نہیں ہوتا وہ وسیع شہر جس میں ہر طرح کے ضروریات زندگی مہیا ہی نہیں بلکہ ارزان ہیں ہر طرح کی دلبستگی کا مرکز ہے اس سے دل بیزار ہی نہیں ہوتا۔ وہ سرسبزی و شادابی جس سے آنکھوں کو نور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے اس مقام کی ایک فنی خصوصیت ہے یہی اسباب ہیں کہ جن کی وجہ سے مومنین جوق درجوق اگر تسرف

زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور یہیں بس جاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

اگر فردوس بر روئے زمین ست

ہمین ست وہمین است وہمین است

کاظمین

میں پیشتر لکھ چکا ہوں کہ کاظمین جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک بذریعہ ریل ہندیہ ہوتے ہوئے دوسرا بذریعہ موٹر راست کاظمین جاتا ہے کربلا سے کاظمین تک سڑک پختہ ہے۔ مسیب تک سرسبزی وشادابی میں سے گزرتے ہیں۔ مسیب پر دریائے فرات ملتا ہے جس پر جسر یعنی کشتیوں کا پل ہے اس کو عبور کرنا ہوتا ہے۔ یہاں فی موٹر کار ایک روپیہ محصول لیا جاتا ہے۔ دو گھنٹوں کے عرصہ میں زیارت حضرت عونؑ اور پسران حضرت مسلمؑ کرتے ہوئے داخل کاظمین ہو جاتے ہیں۔ کاظمین بغداد غربی سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہاں سے ٹرام کے ذریعہ بغداد جا سکتے ہیں۔ ٹکٹ دو آنے ہے۔ کاظمین سے بغداد پون گھنٹے میں پہنچتے ہیں بغداد سے سامرہ جانے والی ریل کا یہاں اسٹیشن بھی ہے اس کے اطراف سرسبز وشاداب باغات ہیں۔ کاظمین ایک پُر رونق مگر مختصر شہر ہے۔

جب خلیفہ منصور عباسی تعمیر بغداد ختم کر چکا تو یہاں ایک قبرستان بنوایا جس کا نام اس وقت باب التین رکھا (شاید اس زمانہ میں یہاں انجیر کی کاشت زیادہ ہوتی ہو۔) جو مقابر قریش پر مشتمل تھا لیکن حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور حضرت امام محمد تقیؑ کے دفن ہونے

کے بعد کاظمین کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ان حضرات کے یہاں دفن ہونے کا حال ایک تفصیل چاہتا ہے۔ یہ کتب میں موجود ہے خلیفہ ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظمؑ کو مدینہ سے گرفتار کر کے بغداد میں بلوایا اور قید کیا۔ اس پر بھی اکتفا نہیں کی بلکہ اس نے آپ کو زہر دیا جس کے اثر سے آپ کا انتقال ۲۵ ماہ رجب روز جمعہ ۱۸۳ھ ہجری مطابق ۸۰۰ عیسوی میں ہوا آپ کا مدفن وہی مقابر قریش بنا۔ اور جب معتصم باللہ خلیفہ بغداد ہوا تو اس کے دوسرے ہی سال یعنی ۲۱۹ھ م ۸۳۵ء میں اس نے حضرت امام محمد تقیؑ کو اپنے پاس بغداد میں طلب کیا اور حسب عادت خلفاء بنی عباسیہ آپ کو زہر دیا گیا جس کے اثر سے آپ کا انتقال ۵ ذلیقعدہ ۲۲۰ھ م ۸۳۶ء میں ہوا آپ بھی اپنے دادا کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ فرزند موسیٰ رضاؑ ابن موسیٰ کاظمؑ ابن جعفر الصادقؑ ابن محمد باقرؑ ابن زین العابدینؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ہیں سلسلہ امامت میں آپ کا درجہ نواں ہے۔ اول امام حضرت علیؑ دوسرے امام حسنؑ تیسرے امام حسینؑ چوتھے امام زین العابدینؑ پانچویں امام محمد باقرؑ چھٹے امام جعفر الصادقؑ ساتویں امام موسیٰ کاظمؑ آٹھویں امام موسیٰ رضاؑ نویں آپ ہیں بہر حال جیسا میں اوپر لکھ چکا ہوں آپ حضراتؑ کے دفن کے باعث مقابر قریش کاظمین ہو گیا ۳۵۶ھ م ۹۹۸ء میں معز الدولہ اور ۴۳۵ھ م ۱۰۴۴ء میں جلال الدولہ شاہان آل بویہ کے جنازہ اعتقاد مندی سے یہاں دفن کیے گئے یہ تو پتہ نہیں چلا کہ سب سے پہلے کس نے درگاہ کاظمین کو تعمیر کیا۔ مگر اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ ۶۲۳ھ م ۱۲۲۷ء میں ایک جداد ائرہ ایک

فصیل کے اندر چھ ہزار قدم کے محیط کا پیدا ہو گیا تھا اس کے مرکز میں شیعہ اماموں کے مقابر تھے شیعوں کی آبادی تھی بادشاہان خاندان آل بویہ کا خاص میلان اس طرف تھا اور اکثر بیش قیمت تحائف سے اس درگاہ کو مالا مال کرتے رہتے تھے۔ ابتدائی صدیوں میں سنیوں اور شیعوں کے مابین اکثر جھگڑے رہتے تھے چنانچہ ۴۴۳ھ م ۱۰۵۱ء میں غربی بغداد کے شیعہ اور سنیوں میں فساد ہو گیا۔ اس فساد میں سنیوں کا سرغنہ مارا گیا۔ دوسرے روز جب اس کے دوست اسے قبرستان میں دفن کرنے جمع ہوئے تو انھوں نے کا انتقام لینے کا ارادہ کر لیا اور اس نیت سے وہ کاظمین کو لوٹنے کے لئے گئے اور ان متبرک قبروں سے سونے اور چاندی کے تحائف قیمتی اسباب لوٹ کر دوسرے روز ان لوگوں نے قبروں کو بھی آگ لگا دی جس کے باعث دونوں اماموں کے قبروں کے اوپر جو لکڑی کے گنبد بنے ہوئے تھے جل گئے اس واقعہ کے بعد یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ پھر جلد ہی مزاروں کی تعمیر ہو گئی۔ کیونکہ ۴۷۹ھ م ۱۰۸۶ء میں ملک شاہ سلجوقی نے جب ان مزاروں کی زیارت کی تو یہ اچھی حالت میں تھے۔ ۶۲۲ھ م ۱۲۲۶ء یعنی خلیفہ ظاہر بامر اللہ کے زمانہ خلافت میں آگ سے کاظمین کا گنبد جل گیا اس نے تعمیر شروع کی دوران تعمیر میں اس کا انتقال ہو گیا جب اس کا جانشین مستنصر باللہ ہوا تو گنبد کی تکمیل ہوئی۔ ۶۵۶ھ م ۱۲۵۹ء میں ہلاکو خاں کے حملہ سے جو صدمہ بغداد و حوالیات بغداد کو پہنچا اس سے کاظمین بھی نہ بچا یا ھم ۷۰۰ھ م ۱۳۰۱ء میں درگاہ موجود تھی مگر خراب حالت میں اس کی اصل تعمیر شاہ عباس صفوی نے
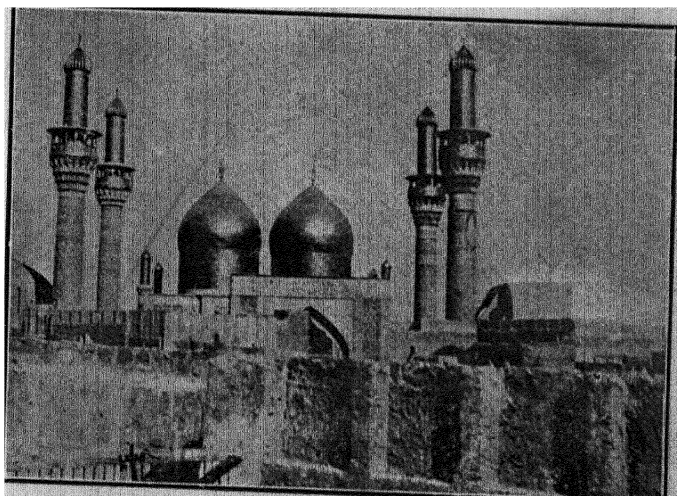
ضریح مقدس امام موسی کاظم علیہ السلام (کاظمین)

سال ۹۶۶ھ م سنہ ۱۵۲۰ء میں کی یہی وہاں تاریخ ثبت ہے۔ ز "سنہ ۹۲۶ھ نہصد بست و ششش ہجری" بنا ختم شد از شاہ اسمٰعیل صفوی" اور پھر محمد شاہ قاچار نے ۱۲۵۵ھ م ۱۸۵۹ء میں اس درگاہ پر بہت سا زر و جواہر صرف کیا اور موجودہ حالت میں لایا۔ ان زمانوں میں کاظمین کی عمارت کیسی ہوگی معلوم نہیں لیکن اس وقت تو ایک عالیشان درگاہ ہے جس کی چار دیواری معہ حجروں کے نہایت عمدہ بلند و پختہ کاشانی رنگ سے منقش ہے صحن کے بلند اور شاندار دروازہ ہیں جن کے نام در قبلہ۔ در صافی۔ در صاحب الزمان علیہ السلام۔ در قریش در مسجد۔ در فرحادیہ اور در باب المراد ہیں۔ صحن سنگین وسیع اور شاندار ہے۔ وسط صحن میں روضہ ہے جس پر پہلو بہ پہلو دو گنبد ہیں چار مینار ہیں جو سونے کے پتروں میں منڈھے ہوئے ہیں۔ عمارت کے نیچے کا حصہ تقریباً ایک گز زمین سے اونچا سنگ مرمر کا ہے اسکے اوپر کا حصہ کاشی کی گل کاری کا اور اس کے اوپر کا حصہ آئینہ بندی سے مزین یعنی بلور اور چونے سے جڑا ہوا ہے۔ اس عمارت کے دروازوں کے تختے چاندی کے ہیں ان پر سونے کا پتر لگایا گیا ہے پتر پر اشعار حسب مناسب لکھے ہوئے ہیں۔ ایوان طلائی بلند اور شاندار ہے۔ زیر قبہ بہت ہی آراستہ ہے قنادیل نقرئی و طلائی اور شیشہ آلات آویزاں ہے۔ برقی لیمپ لگائے گئے ہیں شیشوں کی چمک دمک دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ کرتی ہے زیر قبہ شامیانہ اس کے نیچے فولادی طغرئی جال کے اندر ایک ہی جائے پہلو بہ پہلو دادا اور پوتے کے مزار ہیں جن پر چادریں پڑی رہتی ہیں۔ جال

کے گرد سنگ مرمر کا فرش اور اس پر اعلیٰ ایرانی قالین بچھی ہوئی ہے یہاں ہر وقت معتقدین و زائرین زن و مرد زیارت وسلام امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور امام محمدؐ تقی علیہ السلام پڑھتے اور جالی کو تھامے ہوئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ زائرین کے دل پر جو روحانی اثر ہوتا ہے اس کا اظہار تو ناممکن ہے مگر ظاہری شان و شوکت کا بیان کرنا بھی بہت سہل نہیں ہے۔

رواق مطہر میں مقابل "باب المراد" شیخ مفید علیہ الرحمہ اور رواق باب صاحب الزمان کی طرف خواجہ نصیر الدین طوسی علیہ الرحمہ کی قبریں ہیں جہاں فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ ضریح مقدس کے شمال کی جانب ایک عالیشان مسجد سنگ سفید اور رخام کی بنی ہوئی ہے۔ اور جنوب کی طرف گوشہ حرم میں امام زادہ سید ابراہیم و سید اسمٰعیل فرزندان امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مزار ایک چھوٹے سے مکان میں نہایت سادہ بلا آرائش حالت میں ہیں زیارت کرنے والے زیارت کرتے ہیں میں نے زیارت کا شرف حاصل کیا۔

نجف اور کربلا کی طرح یہاں بھی خزانہ ہے جس کا خازن کلید بردار ہے اس کے ماتحت تقریباً چھ سو خدام جاروب کش اور کفش کن ہیں۔ زائرین کے قیام کے لیئے کوئی خاص انتظام نہیں ہے اہل ہوا میر عموماً یہاں کم آتے ہیں اس لیئے ان کی سرائے بھی نہیں ہے۔ زائرین خدام کے مکانات میں ٹھیرتے ہیں۔ ان میں خاص کر شیخ راضی اور محمد کاظم قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر کی بہت

بڑی اور آرام دہ کوٹھی ہے ان کے داماد سید ناصر صاحب زائرین کی خوب خاطر و مدارات کرتے ہیں اور ہر طرح کی ہمدردی کرتے اور مدد دیتے ہیں یہ بڑے خلیق و مہمان نواز ہیں۔ اور اردو اچھی بولتے ہیں خدا ان کو اچھا رکھے میرے ایام قیام کاظمین انھیں کے یہاں گزرے مجھے بہت آرام ملا۔ زیارت کاظمین ہی نہیں بلکہ اطراف و جوانب کی زیارت کرنے میں مجھے مدد ملی میں ان کا ہمیشہ شکر گزار رہوں گا حرم کے اطراف مختصر با رونق آبادی ہے بازار قدیم میں قبور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور سید راضی واقع ہیں۔ یہ دونوں بزرگ بھائی بھائی تھے اور بڑے عالم یہ شیخ مفید علیہ الرحمہ کے شاگردان خاص میں شمار کئے جاتے تھے۔ یہاں بھی شیعہ صاحبان فاتحہ پڑھتے ہیں۔

مکانات اور کوچے عموماً ویسے ہی ہیں جیسے کربلا و نجف کے حمام اور میت کے غسل خانوں و قہوہ خانوں کی بھی وہی حالت ہے جیسی اور مقامات میں بیان ہوئی ہے چونکہ گرمی زیادہ ہوتی ہے اور دھوپ بہت تیز رہتی ہے اور حبس کی وجہ سے عراق کے ہر شہر کے بازار مسقف ہیں یہاں کا بازار بھی مسقف ہے ہمہ ضروریات زندگی دستیاب ہو جاتی ہیں۔ یہاں کی سرشیر (بالائی) بہت عمدہ ہوتی ہے۔ بازار میں چہل پہل رہتی ہے۔ مرد و زن خرید و فروخت میں مشغول رہتے ہیں عموماً کل عراق کے شہروں کے کوچے اور بازار میں اور خصوصاً درگاہوں پر گداگروں کی کثرت رہتی ہے۔ مرد و زن لڑکے لڑکیاں بڈھے جوان اچھے بھلے بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور اصرار سے مانگتے ہیں اگر مانگتے ہی

کچھ دیدیا جائے تو چلے جاتے ہیں چند قدم کے بعد پھر موجود ہو جاتے ہیں اقسام کی قسمیں اور مقدس بزرگوں کا واسطہ دیکر مانگتے ہیں اگر مگر کچھ ملجاتا ہے تو پھر دعا دیکر چلے جاتے ہیں ورنہ برا بھلا کہتے ہیں زائرین کا ان گداوں سے ناک میں دم آگیا ہے ان کا انسداد حکومت کی طرف سے ہونا ضروری ہے

اس شہر میں پانی کا کال نہیں ہے شہر و بازارات میں خوب رونق ہے۔ برقی روشنی اور صفائی کا انتظام بھی مناسب ہے ڈاک اور تار گھر بھی ہیں زائرین بلاد اسلامی سے اکثر آتے ہیں ان میں سے بعض زیارت سے فارغ ہو کر یہیں بس بھی جاتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ اپنی طرز میں کاظمین بھی عراق کے دوسرے شہروں سے کم نہیں ہے۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

سامرہ

زائرین حسب سہولت بعض تو کاظمین کے قیام کے دوران ہی میں بغداد کی زیارت بھی کر لیتے ہیں اور بعض بعد زیارت سامرہؒ بغداد سے فارغ ہو کر یا تو ہندوستان واپس ہو جاتے ہیں یا ایران و شام چلے جاتے ہیں کسی حالت میں بھی سامرہ راہ میں نہیں پڑتا ہے وہاں جا کر لوٹ آنا پڑتا ہے۔ اکثر لوگ سامرہ کی زیارت سے فارغ ہونے کے بعد بغداد دیکھتے ہوئے ہندوستان واپس ہوتے ہیں چنانچہ
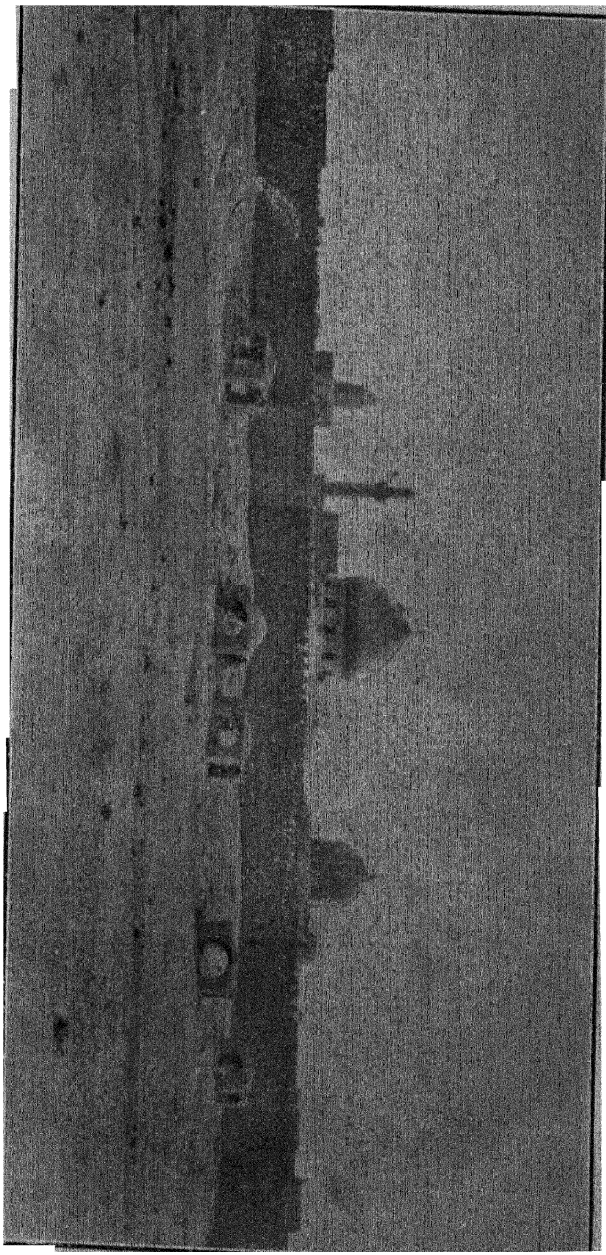
میں بھی کاظمین سے سامرہ جاکر لوٹ آیا۔ اور بغداد سے فارغ ہو کر ایران گیا۔ کاظمین سے سامرہ تک ریل کا سفر ہے موٹر کار کے ذریعہ بھی جا سکتے ہیں اس کی تفصیل پیشتر بیان ہو چکی ہے۔ زائرین حسب سہولت ریل میں یا موٹر پر سامرہ جاتے ہیں۔ میں ریل سے سامرہ گیا اور وہاں سے بذریعہ موٹر کار زیارت سید محمد کرتا ہوا کاظمین واپس ہوا تھا کاظمین و سامرہ کے درمیان پختہ سڑک تو نہیں ہے مگر راستہ ہموار ہے (۷۵) میل کا فاصلہ قریب قریب چار گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ دریائے دجلہ کو بذریعہ بلم پار کر کے داخل سامرہ ہوتے ہیں۔

موجودہ سامرہ دریائے دجلہ کے مشرقی کنارہ پر فصیل کے اندر ایک چھوٹا سا قریہ ہے جس میں چھوٹی سی بستی ہے اور شمالی و مشرقی سمت میں تخمیناً (۳) میل کے فاصلہ پر اور سر من رای کا قدیم شہر اور اس کے کھنڈر ہیں اسی ویرانہ میں حضرت امام علی النقیؑ اور حضرت امام حسن العسکری علیہم السلام کا قید خانہ واقع ہے۔ اگرچہ کہ سب گر کر خراب ہو گیا ہے مگر آثار اب تک باقی ہیں۔ خلیفہ معتصم باللہ نے ۲۲۰ھ م ۸۳۶ء میں یہاں اپنا دار الخلافہ مقرر کیا اور شہر کی بنیاد نہر قاطون کے مخرج کے قریب ڈالی اس میں ایک قصر اپنے رہنے کے لیئے تعمیر کیا فوج کے لیئے مکانات بنوائے بازار اور جامع مسجد اور ضروری عمارات تیار کروا کر اس میں ترکوں کو آباد کیا اور بغداد کو ترک کر کے خود بھی اسی نو تعمیر شہر میں اٹھ آیا۔ موجودہ سامرہ کے جانب مشرق اندازاً نصف میل کے فاصلہ پر متوکل علی اللہ نے سنہ ۲۳۔ھ م سنہ ۸۔ء میں ایک بڑی شاندار مسجد تعمیر کروائی تھی اس کا مینار

موسومہ مرو یہ اگرچہ کہ بہت ہی خراب اور شکستہ حالت میں ہے مگر اب بھی باقی ہے اور دیکھنے کے قابل ہے اس مسجد کی گزشتہ شان کا خیال ذہن میں آجاتا ہے کہ اس وقت وہ کیسی ہوگی کہا جاتا ہے کہ اس مینار پر اذاں دی جاتی تھی اور متوکل گھوڑے پر سوار ہو کر اس پر جاتا تھا اس خراب حالت میں بھی اوپر جانا ممکن ہے پانچ چکردار راستے طے کرنے کے بعد اوپر پہنچتے ہیں سامرہ کے عروج کا زمانہ خلافت متوکل کا عہد ہے سامرہ کے کئی بازارات اور محلے تھے اور رونق و آبادی میں بغداد کا مد مقابل بن گیا تھا نصف صدی سے کچھ زیادہ عرصہ تک سامرہ پائے تخت رہا۔ معتمد علی اللہ نے ۲۷۹ھ م ۸۹۲ء میں پھر بغداد کو پائے تخت مقرر کر دیا تو یہ شہر ویران ہونے لگا اب صرف کھنڈرات باقی ہیں جو زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب ہوئے خاک انتہا یہ ہے

متوکل کے عہد میں اسی اجڑے ہوئے شہر کے محلوں میں ایک جدید محلہ بسایا گیا تھا جو اب تک قائم ہے۔ اور یہی موجودہ سامرہ ہے۔ حرم مقدس اس وقت حضرت امام علی النقیؑ کا دولت سرا تھا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

جب معتصم باللہ کے بعد واثق باللہ اور اس کے بعد متوکل علی اللہ ۲۳۲ھ م ۸۴۷ء میں تخت خلافت پر بیٹھا اسکے چار سال بعد یعنی ۲۳۶ھ م ۸۵۱ء میں متوکل نے یحییٰ ابن ہرثمہ اور دیگر امراء اور ارکین سلطنت کو معہ ایک پورے رسالہ اور خط کے

امام علی النقی کی خدمت میں مدینہ منورہ روانہ کیا اس خط کا مختصر مضمون قریب قریب یہ تھا کہ۔ کیا اچھا ہوتا اگر آپ چند روز کے لیئے مدینہ منورہ سے یہاں تشریف لاتے اور میرے پاس قیام فرماتے اور اپنے اعزہ و اقارب احباب و اصحاب میں سے جن حضرات کو آپ چاہتے اپنے ساتھ لے آتے میرے لیئے عین افتخار اور سعادت کا باعث ہوتا اور اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ میں شاہی کروفر سے بلاکر آپ کو مہمان بناؤں تو یہ میری بڑی عزت افزائی ہوگی اس لیئے میں اسی وقت یحییٰ ابن ہرثمہ اور اس کے تمام رسالہ کو آپ کی خدمت بابرکت میں بھیجتا ہوں اور التجا کرتا ہوں کہ آپ میرے پاس تشریف لائیں وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال جناب امام علی النقیؑ نے اس کے خط کو پاکر جس کو اس نے اپنے باقاعدہ فوجی افسر کی معرفت آپ کی خدمت بابرکت میں بھیجا تھا اس کا پوشیدہ مطلب اور مخفی غایت اور مراد جان گئے کہ انکار میں خیریت نہیں ہے وہ وقت آگیا کہ لاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کے احکام پر عمل کیا جائے اگر اس ظاہرداری کے ذرا بھی خلاف جواب دیا گیا تو یحییٰ ابن ہرثمہ کا موجودہ رسالہ عیسیٰ جلودی کی طرح ظلم تعدی کا ہات دراز کرے گا اور کاشانہ امامت سے لیکر تمام سادات کے گھر لوٹ لے گا آخر میں گرفتار کرکے اپنے ہمراہ لے جائیگا۔ مرد آخر بین مبارک بندہ ایست حضرت نے وہ ذلت وحقارت کی نوبت ہی نہ آنے دی فوراً متوکل کے ایما اور استدعا کے مطابق مدینہ سے سامرہ کی روانگی کا تھیہ کرلیا جب یحییٰ ابن ہرثمہ معہ اپنی فوج اور حضرت امام علی النقیؑ کے داخل سامرہ ہوا

اور آپ کے تشریف لانے کی اطلاع متوکل کو دی گئی تو اس نے کہہ دیا آپ کو خوان الصعالیک کے کسی ایک مکان میں اتار دو خوان الصعالیک وہ مقام تھا کہ جہاں ملک کے مفلس نادار بدحال اور بھیک مانگنے والے طبقے ٹھیرتے تھے۔ یہ مقام شہر کی آبادی سے دور اور بالکل ویرانہ میں واقع تھا اور خاص کر مجہول الاحوال مفلوک اور نکبت زدہ لوگوں کے لیئے علیحدہ کر دیا گیا تھا وہاں عام طور سے ایسے ہی لوگ رہا کرتے تھے شہر کے عمائدین و اکابرین تو کبھی اس مقام کی طرف بھولے سے بھی نہ نکلتے تھے اس سے متوکل کا یہ منشا تھا کہ آپ کا کوئی اثر اعتبار اور اقتدار قائم نہ ہونے پائے بلکہ آپ کی تذلیل ہو۔ تین دن گزر جانے کے بعد آپ کو اپنے سخت ترین سر ہنگال فوجی زراقی نامی کے حوالات میں دیدیا پھر چند روز کے بعد سعید کے یہاں تحویل کر دیا۔

جب فتح ابن خاقان کو متوکل نے اپنا مستقل وزیر بنایا تو یہ بزرگ شیعہ تھے اور فضل ابن ربیع کی طرح خلافت کے تمام کاروبار میں دخیل متوکل بھی ان کے تشیع ہونے سے خوب واقف تھا لیکن جس طرح ہارون فضل ابن ربیع کے محاسن خدمات اور استعداد اور کمال تدبیر اور تمدن کی وجہ سے اس کے اخراج اور عزل پر جرات نہ کر سکتا تھا اسی طرح اس وقت متوکل بھی اس کے اخراج اور معزولی سے مجبور تھا فتح ابن خاقان کی عزت و ثروت کا اس وقت وہی حال تھا جو آل برمک کا عروج ہارون کے وقت میں اور اولاد سہل کا مامون کے زمانہ میں۔ دربار سے لیکر محلات شاہی تک فتح ابن خاقان کا طوطی بول رہا تھا کسی کی یہ طاقت نہ تھی کہ

وہ اس کی مخالفت کرے یا اس کی فرماں برداری اور اطاعت سے انکار کرے۔ جب فتح ابن خاقان کو اتنا رسوخ خلیفہ کے مزاج میں ہو گیا تو اس نے جناب امام علی النقیؑ کے خاص معاملات کی طرف توجہ کی آپ بارہ چودہ سال سے حراست اور نظر بندی کی مصیبت میں گرفتار تھے فتح ابن خاقان موقع کا متلاشی اور وقت کا جویا تھا۔ جب متوکل کے دربار میں دارالخلافت سامرہ کے اضافہ آبادی کا مسئلہ پیش ہوا اور خلیفہ نے اس آبادی کو منظور بھی کر لیا فتح ابن خاقان نے خلیفہ کے سامنے اپنی یہ تجویز پیش کی کہ شہر کے وہ مقامات جو ویران اور غیر آباد ہیں امرا اور اراکین کو دیدے جائیں جہاں وہ اپنے صرفہ سے حسب خواہش عمارت بنوالیں اس تدبیر سے حکومت کو روپیہ خرچ کرنا نہ پڑے گا اگر اس اضافہ آبادی کے مصارف حکومت اٹھائے گی تو خلیفہ کو اسی قدر سرمایہ اٹھانا پڑیگا جس قدر منصور کو تعمیر بغداد میں خرچ کرنا پڑا متوکل نے اپنے وزیر کی تجویز کو مفید سمجھکر منظور ہی نہیں کیا بلکہ اس کو جلد عملی صورت میں لانے کی تاکید کی۔ پھر تو فتح ابن خاقان نے تمام غیر آباد مقامات کی فہرست مرتب کر کے ان کو عمائدین اور اراکین پر حسب حیثیت و استطاعت تقسیم کر دیا اور انھیں لوگوں کے سلسلہ بندوبست میں ایک قطعہ زمین جناب امام علی النقیؑ کے نام پر بھی لکھدیا مگر بنظر احتیاط اتنا ضرور کیا کہ آپ سے اس کی قیمت منگوا کر اپنے پاس رکھ لی کہ خلیفہ فہرست میں آپ کے نام کو ضرور استعجاب کی نظر سے دیکھے گا اور ممکن ہے کہ اپنے عطیہ کو آپ کے حق میں اپنی شدت مخالفت

کے باعث جائز نہ رکھے اور نامنظور کر دے تو پھر آپ ویسے ہی نظر بند رہینگے۔ اس لیئے اس کو ادائی قیمت کی خاص صورت دکھلا کر رضامند کر لینا اور اجازت حاصل کرنا دشوار نہیں تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا چند روز کے بعد زمین کا بیع نامہ آپ کے نام ہو گیا اور فتح ابن خاقان نے خلیفہ سے کہہ کر آپ کو مکان بنانے اور علیحدہ رہنے کی بھی اجازت دلوا دی۔

جس دن سے امام علی النقیؑ سامرہ میں تشریف لائے تھے اس دن سے آپ کو مراجعت مدینہ کی طرف سے قطعی مایوسی ہو چکی تھی اور سامرہ کا قیام دوامی تصور کر رہے تھے حراست اور نظر بندی کی بے سر و سامانی آپ کے اسباب معاشرت کو درست نہ ہونے دیتی تھی۔ جب زمین کا بیع نامہ ہو گیا تو حضرت امام علی النقیؑ نے اس قطعہ زمین پر اپنا مکان بنوایا جب وہ تیار ہو گیا تو آپ سعید کے یہاں سے اپنے گھر میں آ گئے۔ مگر متوکل کی زندگی تک حراست اور نظر بندی قایم رہی۔ پھر متوکل قتل ہو گیا۔ اور منتصر باللہ چھ ماہ تک سلطنت کر کے مر گیا مستعین باللہ نے اپنے وقت میں حضرت علی النقیؑ سے باز پرس نہ کی۔ کیونکہ جس کو اپنی فکروں سے فرصت نہ ملے وہ دوسروں کی فکر کیا کر سکتا تھا وہ بھی مر گیا تو معتز باللہ خلیفہ ہوا اس نے حسب طریقہ آبا و اجداد حضرت امام علی النقیؑ کو زہر دیا جس کی بدولت آپ کا انتقال ۳ رجب روز دوشنبہ ۲۵۴ھ م ۸۶۸ء میں ہوا آپ ہی کے مکان کے ایوان خاص میں آپ کا دفن ہوا جہاں آج آپ کا مرقد منور ہے۔
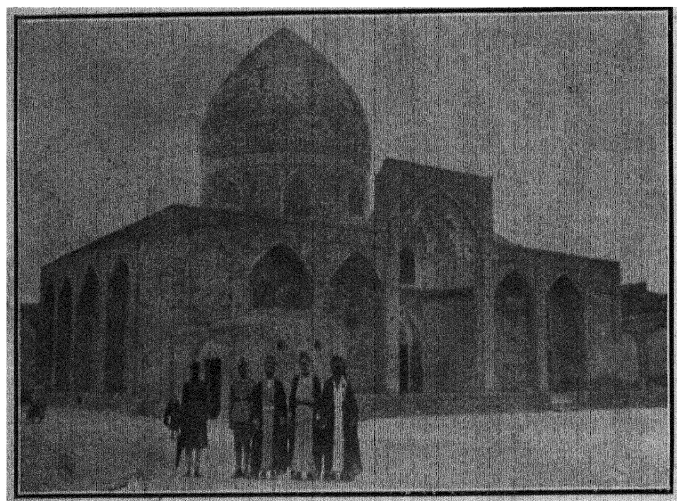
سرداب حضرت صاحب الزمان (سامرہ)

حضرت امام علی النقیؑ کی شہادت کے بعد معتز باللہ نے حضرت امام حسن عسکریؑ کو علی ابن یارمش کی حراست میں نظر بند کر دیا مہدی باللہ کے زمانہ میں آپ صالح ابن وظیف کے حراست میں نظر بند رہے اور معتمد باللہ آپ کو پہلے اپنے غلام تحریر کی حراست میں نظر بند کیا۔ پھر اپنے شاہی محل کے سرداب میں قید کیا مشیت ایزدی تھی کہ آپ کی رہائی شروع سال ۲۵۵ھ م ۸۷۰ء میں حبس سلطانی سے ہوئی اور آپ اپنے دولت سرا میں تشریف لائے اپنے پدر بزرگوار کی طرح گھر میں اپنی زندگی بسر کرنے لگے مگر آپ کے حراست و نظر بندی کے احکام پورے طور سے اٹھائے نہیں گئے۔ آپ کے حالات کا تفحص آپ کی روش، اور اطوار کا تجسس آپ کی صحبت کے تمام اذکار کی تلاش ویسی کی ویسی ہی قایم رہی آخر آپ کو معتمد نے زہر دیا اور آپ کا انتقال ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ م ۸۷۵ء میں ہوا اپنے ہی مکان میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے اسی مکان کے سرداب میں جناب امام صاحب العصر کی غیبت عمل میں آئی حرم مقدس مثل نجف و کربلا اور کاظمین کے ہے فرق یہ ہے کہ یہاں کے صحن میں سرداب نہیں ہے طرز عمارت اور روضہ مقدس کی شان آراستگی اور برقی روشنی جیسی کہ اور ائمہ کے مزارات میں ہیں یہاں بھی ہے مگر زیر قبہ ضریح اقدس بلند فولادی ہے اس کے اندر تین صندوق مزار اقدس کے برابر ہیں پہلا حضرت امام علی النقیؑ کا۔ دوسرا حضرت امام حسن العسکریؑ اور تیسرا نرجس خاتون والدہ امام العصرؑ کا۔ ان تینوں مزاروں کے پائنتی حضرت حلیمہ خاتون خواہر امام علی النقیؑ اور امام حسن عسکری کی پھوپی کی قبر پاک ہے

یہاں زیارت اور سلام ان مقدس و پاک ذاتوں کے پڑھے جاتے ہیں
روضہ اقدس کے سیدھے جانب دروازہ کے متصل چاہ قدیم ہے جس
میں اب تک پانی ہے اس میں اہل غرض اپنی مراد طلبی کے لیئے عرضیاں
باندھتے ہیں اس کے بعد احاطہ ہے جس کے صحن میں یک طرف قبہ
بزرگ و بلند نیل گوں کاشی کاری کا ہے اس کے نیچے مسجد ہے جس میں
مردانے اور زنانے کے علیحدہ مقام ہیں اس کے متصل ہی وہ سرداب
ہے جہاں غیبت حضرت امام صاحب العصرؑ عمل میں آئی۔ یہاں بھی
زیارت و سلام اور نماز پڑھی جاتی ہے۔ زائرین کی یہاں اس قدر
کثرت نہیں رہتی اس کے اسباب ظاہری یہ نظر آتے ہیں۔ اول یہ
مقام سلسلہ زیارت گاہوں سے علیحدہ ہے یہاں کے لیئے خاص انتظام
کر کے آنا پڑتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ مقام بہت چھوٹا ہے اور آبادی
کم ہے۔ تیسرے یہ کہ یہاں تشیع بہت ہی کم ہیں ہجوم انہیں لوگوں
کا ہوتا ہے جو اور ممالک سے زیارت کو یہاں آتے ہیں۔ زائرین کے
قیام کے لیئے یہاں جگہ زیادہ ہے۔ دو سرائے ہیں ایک راجہ صاحب
پیرپور کا مکان ہے علاوہ اس کے خدام کے گھر بھی ہیں۔ یہاں کے
کل خدام اہل سنت والجماعت ہیں صرف ایک محمد سعید خادم شیعہ
ہیں اور حال میں ایک سید قاسم تشیع ہو گئے ہیں۔ میں آخر الذکر
کا مہمان رہا باقی امور انتظامات درگاہ حسب دستور اور مقدس مقامات کی
طرح ہیں یہاں بھی ہے عموماً کل عراق کے مقدس مقامات کی عمارتیں
جن کو بنکر صدیاں گزر گئی ہیں۔ اب مرمت طلب نظر آتی ہیں خصوصاً
یہاں کی عمارت جا بجا سے مرمت طلب ہو گئی ہے محکمۂ اوقاف کو

ان کی مرمت کی طرف جلد توجہ کرنی چاہئے اگر تاخیر ہو گی تو مشکل کا سامنا ہو گا۔ حرم کے گرد مختصر بستی اور مسقف بازار ہے باشندے عرب ہیں۔ مرزا حسن شیرازی علی اللہ مقامہ جو مرزا سامرہ مشہور تھے یہاں تشریف رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سامرہ کی آبادی کو ترقی دیں دوکانوں اور بازارات کے علاوہ مدرسے بھی بنائے تھے جس میں طالب علم رکھے بھی جاتے تھے آپ کے انتقال کے بعد اس مدرسے کی وہ حالت نہ رہی اب تو ویرانی کے آثار شروع ہو گئے ہیں۔

سامرہ خوش گوار آب وہوا کا اور صاف صحت کا مقام ہے مدیر (تحصیلدار) کا مستقر ہے ایک تحصیلدار کے لیئے جن جن عملوں کی ضرورت ہوتی ہے موجود ہیں اور مختصر بلدیہ بھی ہے۔ پوسٹ وٹیلیگراف آفس بھی ہے۔

اپنے پورے سفر میں نجف سے لیکر سامرہ تک مقدس مقامات کے کسی قہوہ خانہ میں میں نے گراما فون بجتے ہوئے نہیں سنا جب میں نے یہاں گراما فون بجتے دیکھا تو مجھے سخت تعجب ہوا۔ کیونکہ اہل تشیع کے پاس راگ جائز نہیں اور خصوصاً ایسے متبرک مقام پر اس کا ہونا تعجب سے خالی نہیں؟ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ حال ہی میں کسی نے کربلا میں بھی گراما فون رکھا تھا وہاں کے لوگوں نے حکومت کو توجہ دلائی جس کے باعث ہمیشہ کے لیئے اس کا انسداد ہو گیا۔ یہاں کے لوگ بھی حکومت کو توجہ دلائیں تو انتظام ممکن ہے مگر میری خاچیز رائے میں توجہ دلانے کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے۔ حکومت کو خود ان ابواب کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

سامرہ اور بغداد کے درمیان مزار امام زادہ سید محمد ابن علی النقیؑ ہے۔ جو سامرہ سے (۲۲) میل کے فاصلہ پر ہے۔ بلد سے درگاہ تک چھ میل راستہ بالکل خراب ہے گویا شاہ راہ کی ایک پگڈنڈی ہے۔ راستہ میں زراعتی نہریں ملتی ہیں قبائل عرب کی آبادی ہے۔ ہر طرف عربوں کی طرز زندگی اور معاشرت کے اچھے نمونے دکھائی دیتے ہیں کسی زمانہ میں یہاں آنا مشکل بلکہ خطرناک تھا۔ اب ایسا امن ہو گیا ہے کہ آدمی تنہا اطمینان سے آکر زیارت کر سکتا ہے اور واپس ہو سکتا ہے۔ چنانچہ میں میرا ملازم خادم سید قاسم صاحب اور ڈرائیور رات کو سفر کر کے صبح کے پانچ بجے آفتاب بھی ابھی نہیں نکلا تھا کہ درگاہ پر پہنچے اور بعد فراغت زیارت سات بجے یہاں سے نکلکر سوا دس بجے داخل کاظمین ہوئے۔

روضہ کے گرد کمرہائے خام ہیں مختصر صحن ہے۔ صحن کے بیچ میں روضہ ہے جس کا بلند نیل گوں گنبد کاشی کاری کا ہے اس کے نیچے ضریح ہے جو اچھی طرح آراستہ ہے۔ مزار کے گرد چاندی کی جالی ہے۔ آپؑ بڑے صاحب کرامات ہیں اور مراد کے دینے میں آپ تمام عراق میں مشہور ہیں۔ گو یہ درگاہ آبادی سے بہت دور ہے مگر بہت سے لوگ آپکی زیارت کو آتے ہیں یہاں بھی خادم رہتے ہیں جو زیارت پڑھاتے اور اپنا حق لیتے ہیں جیسا میں اوپر لکھ چکا ہوں درگاہ سے بلد تک راستہ اچھا نہیں ہے لیکن بلد سے بغداد تک راستہ ہموار ہے جو تخمیناً تین گھنٹوں میں طے ہوتا ہے۔

باب چہارم

بغداد - دارالسلطنت عراق

شہر بغداد

اس وقت عراق کا دارالسلطنت ہے یہ ایک وسیع شہر ہے جس کے بیچ میں سے دریائے دجلہ گزرتا ہے اس دریا سے شہر دو حصوں پر منقسم ہو گیا ہے ایک کو قدیم اور دوسرے کو جدید شہر کہتے ہیں۔ ان دونوں حصوں کو ملانے کے لیئے دریائے دجلہ پر پل بنائے گئے ہیں ان میں زیادہ وسیع مضبوط اور جدید طرز کا جنرل ماڈ (Coneral Maude) کا پل ہے سواریوں کو پل پر آمد و رفت کے وقت محصول دینا پڑتا ہے دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر عمارتیں ہیں جن کا عکس دریا میں پڑتا رہتا ہے اس سے عجیب لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ دریا میں چھوٹے چھوٹے جہاز جو بصرہ سے مال اور مسافروں کو لاتے اور لیجاتے

ہیں ٹھیرتے دکھائی دیتے ہیں اور دن رات دخانی کشتیاں۔ موٹر بوٹ بلم اور گفنے یا قفے گزرتے رہتے ہیں۔ قفے ایک بہت بڑا ٹوکرا ہوتا ہے جو درختوں کی ٹہنیوں سے بنایا جاتا ہے۔ اندر سے قیر یعنی ڈانبر لگا دیتے ہیں تاکہ پانی اندر نہ آئے اس کی دیواریں قریب قریب سینہ تک اونچی رہتی ہیں اس میں دس پندرہ بلکہ بیس آدمی تک کھڑے ہو سکتے ہیں کیونکہ اندر نشستگاہیں نہیں ہوتیں بعض وقت جانور بھی لادے جاتے ہیں۔ دو آدمی بلیاں لیکر بیچ میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھیتے جاتے ہیں قفہ چکر لگاتا آگے کو بڑھتا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ یہاں کے لیئے قفہ زیادہ موزوں اور مفید ہے کیونکہ دریائے دجلہ تیز رو ہے۔ دریا سے مسافر ہر وقت گزرتے رہتے ہیں سیر کرنے والے بھی حسب مذاق ان میں سوار ہو کر سیر و تفریح کرتے ہیں اس آمد و رفت سے دریا میں خوب رونق رہتی ہے اور نہایت دلچسپ سما نظر آتا ہے۔

شہر کے قدیم گلی کوچے کسی قدر کشادہ تو ہیں مگر راستہ ہموار نہیں اور خام ہے۔ پانی کے نکاس کا انتظام تشفی بخش اور صفائی کا انتظام بھی قابل اطمینان نہیں ہے۔ جب چھڑکاؤ ہوتا ہے تو غلاظت اور کیچڑ کے گڑھے راستوں پر پیدا ہو جاتے ہیں بازار وسیع اور مسقف ہیں ہوا اور روشنی کا پورا انتظام ہے مکانات اور عمارتیں بلند ہیں بعض دو دو تین تین منزل بھی ہیں مگر سب خام ہیں اس کا اصل سبب یہ ہے کہ یہاں اینٹ پتھر چونہ عمدہ دستیاب

نہیں ہوتا گلی کوچہ و بازارات میں عرب یہود اور مختلف عیسائی ایرانی کرد عورتیں و مرد اور آج کل ہندوستانی جوق در جوق چلتے پھرتے رہتے ہیں جس سے گڑبڑ رہتی ہے بغداد میں ایک مشرقی اندازہ و ایشیائی شان نظر آتی ہے۔

شہر کی جدید شاہ راہوں پر پختہ سڑکیں ہیں اور صفائی کا انتظام عمدہ ہے برقی روشنی افراط سے لگائی گئی ہے ان میں خصوصاً جادہ خلیل بادشاہ شہر بغداد کا ایک عمدہ اور ایسا سیدھا اور کشادہ راستہ ہے جو ہندوستان کے موجودہ بڑے سے بڑے شہر کے راستوں سے کم نہیں بلکہ لندن اور پیرس کے لیے بھی موزوں ہو سکتا ہے اس کے دونوں جانب ہمہ قسم کی اشیا کی بڑی بڑی کانیں تجارتی کوٹھیاں بنک ہوٹل ریسٹورنٹ اور میوزک ہال (Music Hall) سینما اور تھیٹر ڈاک اور تار گھر ہیں اسی سلسلہ میں تھامس کوک (Thomscook s) کا دفتر اور کے میکنزی K. Mackenzie) کتب فروش کی دوکان بھی ہے غرض یہ بغداد کا فیشن ایبل (Fashionable) کوارٹر ہے۔ سڑک ڈانبر کی بنائی گئی ہے اس پر ہمیشہ چھڑکاؤ ہوتا رہتا ہے اس پر اعلیٰ درجہ کی ربڑ ٹیر وکٹوریہ کسی ہیں ایک کسی میں دو بہت ہی عمدہ عربی طھوڑے لگے ہوئے اور ہمہ قسم کے شاندار موٹر کار اور ان میں ہر ملت و مذہب کے مرد و عورتیں سوار صبح و شام چلتے پھرتے رہتے ہیں سڑک کی دونوں جانب پیدل راستے پر عیسائی یہودی اور ان کی عورتیں نہایت بیش قیمت اور فوق البھڑک سنہری اور روپہلی چادر

اوڑھی ہوئی اور آج کل کے نوجوان مرد اور عورتیں انگریزی لباس میں گزرتے رہتے ہیں ان سے اس مشرقی شہر میں بھی مغربی جھلک نظر آجاتی ہے شام کے وقت ایک چہل پہل رہتی ہے غرض موجودہ بغداد مجموعہ تہذیب و معاشرت اور مشرق و مغرب کے تمدن کا اچھا مرکز ہے یہ بہت ہی دلچسپ مقام ہے اسکی تاریخ بھی بہت دلچسپ ہے۔

تاریخ بغداد

اس شہر کی قدامت یونان روم اور قسطنطنیہ بلکہ لندن سے بھی زیادہ ہے لیکن جن نشیب و فرازوں سے اس شہر کو بارہ سو سال میں گذرنا پڑا اور جو بڑے بڑے انقلابات اور جانفرسا واقعات اس کو پیش آتے رہے ہیں ان کی تفصیل کی گنجائش نہ میری اس مختصر کتاب میں ہے اور نہ میں اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کیونکہ صدہا کتب ان واقعات سے پر ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ ۱۴۵ھ م ۷۶۲ء میں خلیفہ منصور نے اس شہر کی بنیاد ڈالی اور اپنا دارالخلافت بنایا ہارون الرشید و مامون الرشید کے زمانہ میں بغداد معراج کمال پر پہنچ گیا معتصم باللہ نے ۲۲۰ھ م ۸۳۶ء میں اپنا پایۂ تخت سامرہ کر دیا نصف صدی سے کچھ اوپر سامرہ ہی دارالخلافت رہا مگر معتمد باللہ نے ۲۷۰ھ م ۸۹۰ء میں اپنا پایۂ تخت پھر بغداد کو بنایا اور یہ تخمیناً پونے تین سو سال رہا ۶۵۲ھ م ۱۲۵۹ء میں ہلاکو خاں نے بغداد

کو فتح کیا اور خلیفہ مستعصم باللہ قتل کیا گیا۔ صرف خلافت ہی کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ پانچسو سال کی حکومت کے بعد خاندان بنی عباس نیست ونابود ہوگیا۔ بغداد کی شان وشوکت بھی ختم ہوگئی اور جو اہمیت اس کی باقی رہی تھی وہ سنہ ۸۰۳ھ م سنہ ۱۴۰۱ء میں تیمور لنگ نے پامال کردی سنہ ۹۱۳ھ م سنہ ۱۵۰۹ء میں شاہ اسمعیل صفوی نے بغداد کو شامل ملک ایران کیا اس کے تیئس سال بعد ترکوں نے بغداد کو فتح کیا پھر شاہ عباس صفوی نے سنہ ۱۰۳۱ھ م سنہ ۱۶۲۲ء میں ترکوں سے بغداد واپس لے لیا پندرہ سال کے بعد سنہ ۱۰۴۶ھ م سنہ ۱۶۳۸ء میں ترکوں نے (حکومت عثمانیہ) اپنا مستقل قبضہ بغداد پر کرلیا سلسلہ وار جنگ و جدل خونریزیاں قتل عام کے علاوہ طاعون وطغیانی دریائے دجلہ کا بھی سامنا ہوتا رہا عراق کے دریاؤں کی طغیانی بڑی خطرناک ہوتی ہے اس کا مجھے ذاتی تجربہ ہے کہ ہر سال ایام گرما میں دریائے دجلہ و فرات کو کبھی کم اور کسی سال زیادہ طغیانی ہوتی رہتی ہے جس کے انسداد کا انتظام بہت کچھ کیا گیا اور کیا جارہا ہے تاہم جب طغیانی آتی ہے اس کا اثر ملک پر بے حد ہوتا ہے بہ نسبت دریائے دجلہ کے فرات کم عمیق ہے اور ملک سپاٹ ہے جب طغیانی ہوتی ہے تو پانی بہت دور تک پھیل جاتا ہے راستے بند ہوجاتے ہیں زراعت کو نقصان ہوتا ہے آدمی مویشی اور بعض گھر بھی بہہ جاتے ہیں۔ جب میں کربلا میں تھا یکایک فرات کو طغیانی ہوگئی جس کے باعث ریل بہہ گئی اور کاظمین و بغداد مابین ریل کا راستہ بند ہوگیا اس زمانہ میں مخصوصی عرفہ تھا بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے جن کو

اپنے وطن واپس ہونے کی جلدی تھی مجبوراً ان کو موٹر کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ میرا ارادہ ریل سے کاظمین جانے کا تھا آخر میں بھی موٹر سے نکلا شعیب تک میری اور دوسروں کے موٹروں کی تعداد قریب ستر کے ہوگئی جب مسیب پہنچے تو وہاں حکومت کے طرف سے ہم واپس ہونے پر مجبور کئے گئے اور کہا گیا کہ راستہ اس کے آگے نہیں ہے دریا چڑھاؤ پر ہے۔ ہاں الجزائر سے جا سکتے ہیں مگر وہ راستہ اچھا نہیں ہے صحرا میں سے گزرنا پڑتا ہے آخر ہمارے ازحد اصرار پر حکومت سے ایک رہبر دیا گیا جو اس راہ سے خوب واقف تھا کل مسافت اندازاً (۳۵) میل بتائی گئی اور ہم چل کھڑے ہوئے اس راہ میں کوسوں پانی کا نام ونشان نہیں جھاڑ اور سبزی تک نظر نہیں آتی زمین ہموار مگر ریتیلی ہے ہوا کے چلنے سے اس قدر غبار اٹھتا تھا کہ دور کی شئے تو کجا قریب کی اشیا بھی نظر نہیں آتی تھیں بیحد گرمی اور دھوپ کی سخت حدت تھی غرض کہ جو واقعات ہم نے ناولوں میں پڑھے تھے وہ ہم پر گزرے ایک جگہ راہ سے بھٹک گئے آخر خدا خدا کر کے دن کے گیارہ بجے نکلے ہوئے بھوکے پیاسے شام کے پانچ بجے کے قریب سویرا نامی مقام کو پہنچے۔ یہاں ہم کو فری بوٹ کے ذریعہ سے دریائے دجلہ پار ہونا پڑا یہ ایک ہی بوٹ تھا ہر چکر میں چار چار موٹر پار ہوتے تھے ہر موٹر کو ایک روپیہ کرایہ دینا پڑا غرض کہ اس حساب سے ہماری موٹر قریب ۲ بجے صبح کے دوسرے کنارہ پر پہنچی وہاں سے نکلے تو صبح کے پانچ بجے داخل بغداد ہوئے سویرا ایک مختصر سی

کاشت کاروں کی آبادی ہے وہاں قہوہ خانہ بھی ہے ۔ جو بڑا اور مفید ثابت ہوا ہم کو چائے اور کھانے کو کچھ ملگیا ۔ یہیں ہیں عربوں کا مخصوص تمدن بھی نظر آیا چاندنی رات تھی ستر موٹر ایک دم آجانے سے ایک غیر معمولی آبادی اس چھوٹے سے مقام پر ہوگئی تھی اور کاشت کار بھی جمع ہوگئے ان کو تفریح سوجھی دف بجا کر گانے اور رقص کرنے لگے کچھ دیر تک ہم تماشہ دیکھا کئے ۔

غرض کہ طغیانی دریائے دجلہ اور آتش زدگی بغداد کی مزید تباہی کے باعث ہوئیں ۔ جب جنگ عظیم شروع ہوئی اور بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے حکومت عثمانیہ نے جرمن کا ساتھ دیا تو بغداد کو حکومت برطانیہ نے ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۷ء میں فتح کیا اور اس فتح کا سہرا جنرل ماڈ کے سر باندھا گیا ۔ جس کا مجسمہ اب آراستگی شہر بغداد کا جز بنا ہوا ہے ۔ یورپ کے حریت پسندوں نے عرب کو خود مختار کرنے کی تجویز کی جب اس تجویز نے عملی صورت اختیار کی تو ختم جنگ پر ۱۳۳۹ھ ۲۳ ر اگست ۱۹۲۱ء میں فیصل امیر عراق بنائے گئے ۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

امیر فیصل

ابن حسین شریف مکہ کے بڑے صاحبزادے ہیں آپ کی تعلیم زیر اہتمام سلطان عبدالحمید خاں ہوئی اور حجاز میں اپنے باپ کے

زمانہ حکومت میں حجازی فوج کے افسر تھے۔آپ کے جو فوجی کارنامے ایام جنگ میں ظاہر ہوئے وہ مشہور ہیں آپ کی کوشش کا نتیجہ خود آپ کے لیئے بہت ہی مفید ثابت ہوا کہا جاتا ہے کہ آپ بڑے ہشیار۔ ذہین خلیق اور مدبر ہیں۔آپ مشرقی ومغربی طرز اور رسم سے خوب واقف ہیں۔

حکومت

گو اسوقت عراق برٹش میانڈیٹ (Mandate) میں ہے مگر وہاں اپنی کیبنیٹ (Cabinet) اور پارلیمنٹری (Parliamentary) حکومت ہے جس کے ممبروں کا باقاعدہ انتخاب ہوتا ہے اور وزیر اعظم کی نگرانی میں صیغہ امور خارجی ہوتا ہے وہی اپنی کیبنیٹ بناتا ہے جس کے چھ رکن ہوتے ہیں یہ وزیر داخلہ فینانس (Finance) وزیر عدالت۔وزیر مدافعت (Defence) وزیر رسل و رسائل و ورک اور وزیر تعلیمات کہلاتے ہیں۔ترکوں کے زمانہ میں بغداد، موصل اور بصرہ میں والی رہتا تھا اب بغداد تو پائے تخت عراق ہوگیا بصرہ اور موصل میں گورنر یعنی والی ہیں جیسا کہ ہمارے ہندوستان کی ہر ریسیڈنسی میں کئی ضلعے۔ تعلقے۔ اور تحصیلیں ہوتی ہیں اور زیر حکومت کلکٹر ڈپٹی کلکٹر رہتی ہیں۔اسی طرح ہر ولایت کے کئی رسنجق، قدح اور ناہیا حسب حیثیت ولایت ہوتے ہیں جو زیر حکومت متصرف قائم مقام یا مدیر رہتے ہیں۔ان عہدہ داروں کا تعلق زیادہ تر مالگزاری سے رہتا ہے۔

شاہ فیصل (امیر عراق)

محاصل اراضی

ترکوں کے زمانہ میں قبضہ اراضی کے کئی اقسام تھے اول ملاک یعنی اصل مالک اراضی۔ دوسرے میری یعنی سرکاری۔ تیسرے تعسب یعنی مزارع موروثی جن کو مسرحیل بھی کہتے ہیں۔ چہارم ملاً یعنی مزارع غیر موروثی۔ ہمارے ہندوستانی اصطلاح میں فری اونرشپ (Free ownership) کروَن ٹننینٹ (Crown tenants) اکیوپنسی ٹننینٹ (Occupancy) سب ٹیننٹ (Sub-tenants) اس کے علی الترتیب نام ہوں گے ان پر حسب حیثیت اراضی پانچواں یا دسواں حصہ پیداوار پر لگان مقرر تھا۔ اور کھجور کے باغ ہوں تو فی پیڑ ایک پونڈ سے لیکر ڈیڑھ یا دو پاونڈ عثمانی لیا جاتا۔ میرے ایک دوست بیان کرتے تھے کہ اراضی کا لگان تو وہی ہے جو ترکوں کے زمانہ میں تھا مگر کھجور کے باغات پر "ٹری ٹیپنگ سسٹم (Tree tapping system) جاری کیا گیا ہے جس سے حکومت کی آمدنی میں زیادہ ترقی ہوئی اور مالکوں کی دولت میں کمی ہو گئی۔ اس کے سوا اراضی وقف ہیں ایک سرکاری محکمہ اوقاف کا ہے کہ جس میں ان تمام وقفوں کا انتظام کیا جاتا ہے کہ جو جائداد سرکار کے معرفت وقف کے کام میں آئی ہے۔ علاوہ اس کے پرائیوٹ خانگی اوقاف بھی ہیں جن کا انتظام خود اس فنڈ کے متولی کرتے ہیں۔ ترکوں کے زمانہ میں سرکاری اوقاف کی بچت قسطنطنیہ کو جاتی تھی مگر اب یہ سننے میں آیا کہ فی صدی دس

جسطرح خراسان کی اوقاف سے شاہ ایران کو دیا جاتا ہے اسی طرح
یہاں کی گورنمنٹ حق انتظام لیتی ہے اور اسی طرح پرائیوٹ اوقاف
پر بھی لگان لگایا جاتا ہے ترکوں کے زمانہ میں لینڈ رجسٹر تھا جس کو ٹابو
کہتے تھے اصل میں یہ لفظ یونانی ٹوپیر ہے جس کے معنی جگہ کے ہیں
غرض کہ ٹابو رجسٹر اراضی ہے۔ ہمارے ہاں ہندوستان میں رجسٹرار
صرف اتنی تصدیق کرتا ہے کہ میرے سامنے اس بات کا فلاں
شخص نے اقرار کیا اور اتنا روپیہ دیا مگر یہاں (عراق) کے ٹابو کا
افسر تصدیق کرتا ہے کہ میں نے تحقیقات کے بعد فیصلہ کر دیا کہ
شخص فلاں جائداد کا حقیقی مالک ہے اس رجسٹر کے ساتھ نہ نقشہ
ہوتا ہے اور نہ حدود اراضی پورے درج رہتے ہیں۔ سننے میں آیا
کہ اس میں بھی اصلاح ہو رہی ہے۔

کسٹم تجارت اور زراعت

ترکوں کے زمانہ میں کسٹم کا محصول مقرر تھا۔ سراسری ہر ایک
شئے کی درآمد پر فیصدی گیارہ لئے جاتے تھے اور مخارج پر ایک
فیصدی۔ اب مجھ سے کہا گیا کہ سالانہ ٹیارف (Tariff) مقرر ہوتا
ہے جسکی پابندی کے ساتھ محصول درآمد و برآمد پر لگایا جاتا ہے
عراق سے تجارتی اشیا حسب ذیل باہر جاتی ہیں۔
کھجور۔ پشم۔ روئی۔ گیہوں۔ جو۔ ساختہ پیتلی سامان۔
خصوصاً سماوار وغیرہ وغیرہ اور عموماً دوسرے ممالک سے لکڑی۔
لوہا۔ پیتل۔ آلات موٹر کار۔ ریشمی و سوتی کپڑا آتا ہے۔ عراق

کی پیداوار کے باب میں کچھ حال مختلف جگہوں پر آگیا ہے اس کی علاوہ باجرا۔ تل۔ مکئی اور چانول ہوتے ہیں۔ یہاں کے چانول ہمارے ہندوستان کے پشاوری چانول سے بہتر ہوتے ہیں اور بو بھی بہت نفیس ہوتی ہے۔ روئی بھی بوئی جاتی ہے حال سے حکومت اس طرف خاص توجہ کر رہی ہے اور آب پاشی کے ذرائع مہیا کئے جاتے ہیں نہریں وغیرہ نکالی جا رہی ہیں۔ اور تجربہ کار اور ماہرین فن باہر سے بلائے جا رہے ہیں اور یہاں کے ہونہار نوجوان اس فن کی تعلیم کے لئے غیر ممالک کو روانہ کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب میرا جہاز کراچی پہنچا تو میرے کیابن (Cabin) کے پہلو میں جو کیابن تھا اس میں ایک صاحب سرخ و سفید رنگ بالکل یورپین لباس پہنے ہوئے آکر سوار ہوئے کیابن پر نام اے جے جلبی لکھا تھا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ریل اور جہاز کے ہم سفروں میں ملاقات بغیر تعارف کے ہو جاتی ہے ان صاحب سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپ عراقی عرب ہیں آپ کا نام عبدالجبار چلبی ہے۔ اور آپ عبدالحسین چلبی جو اس وقت وزیر تعلیمات ہیں ان کے قریب کے رشتہ دار ہیں آپ امیریکہ جاکر تعلیم حاصل کر کے سیاحت کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں آپ خلیق اور نئی تعلیم سے پورے بہرہ ور ہیں میری ان سے دوستی ہو گئی ان کا ہمارا ساتھ ہندیہ جنکشن تک رہا۔ وہاں سے وہ کاظمین چلے گئے جہاں وہ رہتے ہیں اور ہم نے کربلا جاتے وقت اقرار لیا کہ جب ہم کاظمین جائیں گے تو ضرور

ان سے ملاقات کریں گے۔ بہر حال جب ہم کاظمین گئے ان سے ملاقات ہوئی اور معلوم ہوا کہ وہ ملازمت میں داخل ہو گئے ہیں۔

عراق کی صنعت و حرفت کے متعلق سابق میں کچھ لکھا جا چکا ہے۔ کچھ تفصیل یہاں درج کی جاتی ہے پیتل سماوار ظروف تانبہ کے اشیاء ریشمی کپڑے عبا اور عقال سوتی تفیہ۔ زیورات چاندی و سونا۔ ریشمی چادریں مختلف قسم کے چرمی سامان بوٹ شوز فیصلہ ٹوپیاں مٹی کے برتن جیسا کہ ہمارے ہندوستان کے مٹی کے برتن جلنے کے بعد سرخ یا سیاہ ہو جاتے ہیں یہاں کی مٹی جلنے کے بعد سفید زردی مائل رنگ کے ہو جاتے ہیں۔ خصوصیت یہ ہے کہ ان میں پانی زیادہ سرد ہوتا ہے کھجور کے پنکھے ٹوکریاں وبھٹیاں۔ سجدہ گاہیں اور تسبیحیں وغیرہ وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ صنعت و حرفت کے طرف بھی گورنمنٹ کی خاص توجہ ہو رہی ہے۔ مستقبل بامید نظر آتا ہے۔ یہاں کا وزن بھی ہندوستان سے بالکل علیحدہ ہے۔ ساڑھے چار سیر انگریزی کا ایک حقہ بغداد ہوتا ہے۔ چالیس حقوں کا ایک من۔ اور بیس من کا ایک تغار مگر کربلا کے حقہ کا وزن چار سیر کا ہوتا ہے۔

دیگر محکمہ جات

عراق کے ہر بڑے شہر میں بلدیہ ہے اور اس کے ممبروں کا باقاعدہ انتخاب ہوتا ہے۔ پائے تخت کی بلدیہ معتبر ہے زیادہ

کوشش کرتی ہے کہ شہر کی صحت اور صفائی کی درستگی ہو۔ اور خامیوں کی اصلاح ہو پایۂ تخت میں محکمۂ آرائش بلدہ بھی ہے جب سے عراقی حکومت قائم ہوئی ہے اس محکمہ نے بہت کچھ کام کیا ہے یہ کام ظاہر بھی ہے۔ شفاخانے۔ ڈاک خانے ٹیلیگراف، وائرلس اور ٹیلیفون ہر بڑے شہر میں ہیں بغداد سے ہوائی جہاز بھی ہفتہ وار میل اور مسافر ہندوستان یورپ اور ایران لیجاتے ہیں۔ تعلیم گاہیں بھی ہیں جن میں عربی کے ساتھ ہی ساتھ آج کل انگریزی کی بھی دی جانی لگی ہے عدالت کے محکمے ہیں جن میں مقدمات کے تصفیہ بموجب شرع و قانون ہوتے ہیں۔ عراق میں فوج، پیدل۔ سوار، توپخانہ ہیں اور ہوائی بیڑہ بھی ہے۔ مگر مختصر، ترکوں کے زمانہ میں فوج میں بھرتی جبریہ ہوتی تھی۔ اس حکومت کا کیا عمل ہوگا زیر غور ہے۔ پایۂ تخت اور دیگر عراق کے شہروں کی پولیس بہت ہی باقاعدہ نفیس خاکی ڈریس میں نظر آئی انتظام بھی بہت ہی اچھا پایا گیا تمام دن بھر سڑکوں پر کانسٹیبل استادہ رہتے ہیں۔ اور ٹرافک (Traffic) وغیرہ کا معقول انتظام کرتے ہیں۔ مگر رات میں کل شہر و کوچہ و بازارات میں کوئی پولیس کانسٹیبل نظر نہیں آتا۔

میرے قیام نجف میں آغا مرزا محمد فرزند آغا مرزا محمود ابن مولوی آغا محمد قلی مرحوم نے مجھے رات کے کھانے کی دعوت دی تھی ان کا تعلق ہیگن پلی سے قدیم ہے مولوی آغا ابو القاسم

نجف میں ۱۲۶۸ھ میں بعہدہ نواب غلام علی خاں بہادر مرحوم بیگن پلی آئے۔ ریاست کے مولوی مقرر ہوئے جب وہ واپس ہونے لگے تو اپنا قائم مقام اپنے داماد مولوی محمد قلی صاحب کو مقرر کیا۔ یہ ۱۲۷۷ھ میں بیگن پلی تشریف لائے اور ریاست کے مولوی مقرر ہوئے۔ چند روز کے قیام کے بعد نجف جاکر پھر جب واپس ہوئے تو آپ کا انتقال حیدرآباد میں میرے والد نواب سید فتح علی خاں بہادر کے عہد حکومت میں ہوا مولوی صاحب موصوف کے دو فرزند ایک حاجی مولوی آغا مرزا احمد۔ اور دوسرے حاجی مولوی آغا مرزا محمود تھے دونوں کا تعلق ریاست سے قایم رہا۔ باری باری سے دونوں صاحب ریاست میں رہا کرتے تھے۔ آغا مرزا احمد کا انتقال ۱۳۴۶ھ کو بیگن پلی میں ہوا ان کے دو فرزند ایک مولوی آغا مرزا محمد حسین۔ دوسرے آغا مرزا محمد جعفر بیگن پلی میں موجود ہیں۔ فرزند کلاں اس وقت ریاست کے مولوی اور شیعاؤں کے قاضی ہیں اور چھوٹے آغا محمد جعفر بھی ملازم ریاست ہیں۔ آغا مرزا محمود کا انتقال ۱۳۴۲ھ میں نجف میں ہوا۔ ان کے فرزندوں میں منجھلے فرزند آغا مرزا محمد نجف میں رہتے ہیں غرض میں ان کی دعوت میں گیا وہاں ان کے رشتہ داروں سے بھی ملاقات ہوئی۔ مولوی آغا مرزا محمد حسین کے خسر تاجر حاجی آغا حسین علی نقش اصفہانی سے بھی ملاقات ہوئی۔ غرض کہ بعد فراغت قریب دس بجے

رات میں گھر واپس ہوا۔ بازار میں جہاں کہیں موڑ یا پیچیدہ راستہ تھا وہاں ایک عرب جس کے ہاتھ میں رائفل گلے میں کارتوس کا ہار مگر معمولی سادے سیدھے عربی لباس میں چار پایوں پر اور کہیں ٹوٹی پھوٹی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ جب ہم ان کے قریب پہنچے تو وہ زبان عربی میں ہم کو ٹوکتے میرے ہمراہ جو صاحب تھے وہ جواب دیتے مجھے پہلے کچھ خوف ہوا اور میں نے اپنے ہمراہی سے دریافت کیا کہ کیا ہے انھوں نے کہا کہ ترکوں کے زمانہ سے یہاں رواج ہے کہ رات کے وقت شہر کی حفاظت کا انتظام اور چوکیداری اہل شہر عربوں کی ایک جماعت کے سپرد کر دیتے ہیں اس کو پسوانیہ کہتے ہیں۔ بائیں دریائے دجلہ عربوں کا ایک طبقہ ہے۔ جن کو جنابت (Jenabat) کہتے ہیں نہ وہ زراعت پیشہ ہیں اور نہ خانہ بدوش بدوی۔ یہ خود چور لٹیرے خونخوار اور بدمعاش ہیں مگر جب انتظام ان کے تحویل کر دیا جاتا ہے تو شہر امن میں رہتا ہے۔ اس کے لیئے ایک ٹیکس مقرر ہے جو گھر اور ہر دوکان سے لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی مکان دار یا دوکاندار ٹیکس نہ دے تو اس کے گھر کی اور جان کی خیر نہیں ہوتی جو ٹیکس لیا جاتا ہے وہ پسوانیہ ٹیکس کہلاتا ہے اس ٹیکس کو ادا کرنا بہ نسبت میونسپل ٹیکس کے لوگ زیادہ اچھا خیال کرتے ہیں۔ اور بخوشی ادا کرتے ہیں۔ بلدیہ کے ٹیکس کے ساتھ ہی ساتھ یہ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے

اس ٹیکس کی رقم ان محافظوں میں ان کے سرغنہ کے ذریعہ تقسیم
ہوتی ہے۔ اگر اتفاقاً چوری ہو جائے تو یہ لوگ مال اور چور کو
برآمد کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور جان کی بھی حفاظت
کرتے ہیں اور تاوان خون بھی دیتے ہیں۔ گویا یہ ایک قسم کا
کانٹراک (Contraet) ہے جو آسانی سے ٹوٹ بھی جاتا ہے
اور پھر قایم بھی ہو جاتا ہے۔ غرض کہ انگریزی زبان کی اس
کہاوت کی یہاں پوری پوری تعمیل ہوتی ہے "چور کو گرفتار
کرنے کے لیئے چور کو مقرر کرو" اس سے ترکوں کی ذہانت
کا پتہ چلتا ہے کہ ایک بدمعاش جماعت سے کیسا مفید کام
لیا کرتے تھے۔ اس طریقہ کو اب بھی اہل شہر مفید خیال کرتے
ہیں۔ میں پہلے خیال کیا تھا کہ شاید یہ خصوصیت نجف ہی
کے لیئے ہو۔ بعد معلوم ہوا کہ عراق کے ہر شہر میں بھی انتظام
ہے۔ چنانچہ میں ایک روز بعد غروب آفتاب بغداد قدیم
کے مسقّف بازار میں سے گزرا دوکانیں بند تھیں پٹرولینگ
(Patrolling) پسوانیہ کے ممبر کر رہے تھے۔ ترکوں
کے زمانہ میں اور اس وقت ملک کی حالت کے مناسبت
سے یہ نظام زیادہ مفید ہوگا۔ اب بھی عراق کے لیئے
مفید نظر آتا ہے۔ اب عراق ہر امر میں ترقی کرتا جاتا
ہے اور اصلاحیں ہو رہی ہیں تو ممکن ہے کہ اس انتظام
میں بھی اصلاح ہو۔

دول خارجہ

بغداد میں ترکوں کے زمانہ سے کل یورپ کے دول خارجی کے قونصل رہتے تھے۔ امریکن۔ روسی۔ جرمنی۔ فرنچ۔ انگلش وغیرہ مگر اب ترقی ہو گئی ہے۔ کل یورپین اور ایشیاٹک قونصل ہیں۔ زائرین اور سیاحوں کو اپنے پاس پورٹ کا ویزہ جس ملک کو جانا ہو اس ملک کے قونصل سے کرانا ضروری ہے ایران کے لیئے ایرانی۔ حجاز کے لیئے حجازی۔ شام کے لیئے فرانسیسی۔ اور بیت المقدس کے لیئے برٹش ہے۔ اس وقت بغداد میں ہائی کمشنر ہے ترکوں کے زمانہ میں برٹش گورنمنٹ کا جو نمائندہ ہوتا تھا وہ ۱۸۷۰ء تک پولیٹیکل ایجنٹ کہلاتا تھا بعد میں اس کو رزیڈنٹ کا نام دیا گیا ۱۸۹۸ء میں قونصل کے نام سے مخاطب ہونے لگا ۱۹۰۵ء میں نئی رزیڈنسی بھی تعمیر ہوئی۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر برٹش ہائی کمشنری قایم ہوی اس میں کچھ شک نہیں کہ ترکوں کے زمانہ میں بھی برٹش حکومت کا یہاں کافی اثر تھا۔ بہت سے ملک کی ترقی کے مفید کام انہیں سے ہوئے پوسٹ آفس کی ابتدا ۱۸۶۸ء میں ہوئی ٹیلیگراف آفس کھولے گئے۔ شط العرب میں جہاز رانی کا آغاز ہوا جس سے ملک اور تجارت کو بیحد فائدہ پہنچا زائرین اور سیاحوں کو آرام ملا۔ ایام جنگ اور بعد جنگ جو امور انگریزوں کے تحت عمل میں آئے اور اب آرہے ہیں۔

قابل تعریف ہیں۔ مگر عراقی چاہتے ہیں کہ اپنے کو برٹش مینڈیٹ سے آزاد کرلیں اور یہ بھی تحریک پیدا ہوگئی ہے کہ حکومت عراق میں غیر ملکیوں کو ملازمت نہ دی جائے۔ خیال تو بیشک ایک حد تک اچھا ہے لیکن نہ اس وقت عراقی اس قابل ہیں اور نہ ان سے بغیر حفاظت برٹش اپنے ملک کو سنبھالنا ممکن ہے ترقی تو دوسری چیز ہے۔ ابن سعود کے اخوان کے حملوں کا سلسلہ جاری ہے ایران بھی شاید تاک میں ہوگا جس کا ثبوت پچھلی تاریخ میں ملتا ہے اب تو وہ خود اپنی فکر میں ہے۔ ورنہ اسطرف توجہ کرتا۔ اور اسکے قدیم حکمران بھی شاید غافل نہیں ہیں۔ مثل ہے "پہلے گھر کو چراغ بعد مسجد کو"۔ اپنی درستگی کے بعد ممکن ہے کہ اس طرف توجہ ہو جائے اور مقامی قبائل کے شیخوں میں بھی شاید ہل چل ہو جانی ممکن ہے مگر برٹش کا ایسا خوف ہے کہ کسی کو جرات نہیں ہوتی۔ اور اس وقت تک نہ ملک میں اس قدر دولت ہے کہ ملک کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے مدافعت کا معقول انتظام کرسکے اور نہ اس وقت تک حکومت کی کوئی ساکھ ہے کہ روپیہ اور ممالک سے مل سکے۔ ایران میں گو صدیوں سے ایک ہی حکومت ہے اس کو بھی وقت کا سامنا ہو رہا ہے تو بیچارے عراق کا حال تو "کے آمدی و کے پیر شدی" کا مصداق ہے اگر برطانیہ علیحدہ ہو جاوے تو عراق میں کچھ بھی نظام قایم نہ رہے گا۔

عراق میں اکثر بڑے محکموں میں انگریز ہیں اور ہندوستانی

بھی ہیں جوں جوں عراقی قابل ہوتے جائیں ان کی جگہوں پر ان کا تقرر کرنا مناسب ہے۔ ایک دم ان کو خارج کر کے عراقیوں کا تقرر کر دینا ممکن نہیں۔ اگر ایسا کر دیا جاوے تو کام بھی تشفی بخش نہ چلے گا اور نقصان ہوگا اب تو مستقبل امید افزا نظر آتا ہے برٹش ہائی کمشنر کے دفتر میں ہندوستانی زیادہ ہیں۔ ہندوستانی زائرین کو ان سے کام بھی پڑتا ہے۔ ہندوستانی زائرین کے محافظ محمد طاہر حسین نامی پنجابی ہیں بہت خلیق اور لایق نوجوان ہیں جو ہمیشہ زائرین کے آرام کا خیال رکھتے ہیں۔ ان سے زائرین کو بڑی مدد ملتی ہے۔ میں نے ایران جانے کا ارادہ کیا تو انھوں نے میرے پاسپورٹ پر ویزا اسقدر جلد اور سہولت سے کروا دیا کہ مجھے خود حیرت ہوئی میں ان کا مشکور ہوں۔ میرے اس دور و دراز سفر میں جہاں کہیں مجھے جانے کا اتفاق ہوا وہاں برٹش حکومت کا زیادہ اثر دیکھا دیگر ممالک خارجی کے قونصلوں میں سب سے زیادہ برٹش قونصلوں کی شان و شوکت نظر آتی ہے دوسرے ممالک کے قونصلوں پر برٹش قونصلوں کا زیادہ اثر بھی ہے۔

عجائب خانہ اور آثار قدیمہ

عراق گہوارہ انسانی تمدن و معاشرت خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے یہاں آبادی کا

پتہ چلتا ہے عراق آثار قدیمہ کا مرکز ہے۔ جس کا مختصر ذکر میں عراق ریلوے کے سلسلہ میں کر چکا ہوں ماہرین علم آثار قدیمہ اور انٹیکیور یں (Antiquarian) ایک عرصہ سے اپنی تحقیقات میں مصروف ہیں ان کی تحقیقات کے نتیجہ سے اہل عراق کو زیادہ فائدہ پہنچا۔ جب سے حکومت عراق قائم ہوئی یہاں ایک عجائب خانہ کی بنیاد ڈالی گئی جس کی ابتدا ایک نیک خاتون مس بل (Bill) نے کیا۔ اس میں بہت ترقی ہو گئی ہے۔ اقسام کی قدیم اشیاء جو ان مقامات سے دستیاب ہوئیں اور جو بعد تحقیقات قابل دید اور قدیم ثابت ہوئیں اس میں فراہم کر دی گئی ہیں۔ یہ عجائب خانہ بھی ایک نظر دیکھ لینے کے قابل ہے۔

منتظریہ

آثار قدیمہ جو اس وقت شہر میں ہیں ان میں ایک منتظریہ ہے۔ یہاں منتظر باللہ نے ایک دار العلم بنایا تھا جو سنہ ۶۳۱ھ م سنہ ۱۲۳۳ئہ میں مکمل ہوا۔ یہاں فقہ امام اربع یعنی حنفی۔ مالکی۔ شافعی۔ اور حنبلی کی تعلیم دی جاتی تھی اب تک اس مدرسہ کی عمارت کا ایک حصہ باقی ہے۔ اسوقت اس میں کسٹم ہاوس ہے اس مکان کے بعض مستحکم کمرے اور دالان و چھت موجود ہیں دیواروں کی چوڑائی غیر معمولی اور اندازاً چار یا پانچ گز کی ہوگی بالکل قدیم طرز کا کام

نظر آتا ہے۔

سوق الغزل

ایک مسجد کا عالیشان مینار ہے جس کو سوق الغزل
کہتے ہیں اب تک موجود ہے گو شکستہ حالت میں ہے مگر
گزشتہ شان و عظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ عام میناروں
کے خلاف اس مینار پر چڑھنے اور اترنے کے دو زینے اندر
سے گزرتے ہیں۔ اس مینار سے کچھ فاصلہ پر اس عظیم الشان
مسجد کا کچھ بقیہ حصہ بھی رہ گیا ہے جس کی تعمیر اوائل دسویں
صدی عیسوی میں ہوئی تھی۔ تیسرا۔ ایک دار العمارہ کا بقیہ حصہ
ہے۔ مدحت پاشا نے اپنی گورنری کے زمانہ میں ایک
قلعہ تعمیر کیا تھا اس قلعہ کے دروازہ کے داہنی طرف ایک
توپ سلطان مراد کی ہے جس پر ۱۶۳۷ء کندہ ہے۔ یہاں
عورتیں اپنے نومولود بچوں کو لاکر اس توپ پر سے آتارتی
ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ایسا کرنے سے نومولود اپنی آئندہ
زندگی میں جواں مرد اور شجیع ہوتا ہے۔ اسی قلعہ کے آخری
جنوبی حصہ پر مذکور الصدر دار العمارہ کا باقی حصہ واقع ہے
جس کی تعمیر عہد ناصر لدین اللہ سے منسوب کی جاتی ہے
اس کا عہد ۵۷۵ھ م ۱۱۸۰ء سے ۶۲۱ھ م ۱۲۲۵ء تک رہا
ہے۔ اعلیٰ درجہ کی اینٹ کا کام ہے بنی عباس کی تعمیر کا
خصوصی نمونہ ہے یہ اسی مقام پر واقع ہے جہاں خاندان

برمک کے محلات تھے دوسرے کھنڈرات اور ویرانے بھی ہیں ہر ایک کی ایک خاص تاریخ ہے مگر اب وہ قابل دید حالت باقی نہیں ہے۔

طاق کسرا

ان سب میں زیادہ قدیم اور قابل دید طاق کسرا ہے جو مدائن میں ہے اور بغداد سے تخمیناً بیس میل کے فاصلہ پر لب دریائے دجلہ واقع ہے بذریعہ موٹر کار یا موٹر بوٹ بغداد سے جا سکتے ہیں۔ ایک گھنٹہ میں مسافت طے ہو جاتی ہے۔ شہر مدائن ایران کے ساسانی حکمرانوں کا دارالحکومت تھا۔ ۵۰۰ھ قبل مسیح کسرا (Ciosrors) نے اپنا محل تعمیر کروایا تھا جس کا نام طاق کسرا رکھا۔ اس عالیشان محل کا اب کچھ حصہ دیوار اور ایک شکستہ کمان باقی رہ گئی ہے۔ اس کے دیکھنے سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ کہ جب یہ اچھی حالت میں ہو گا کیا شان ہوگی۔ اور کیسی عمارت ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ اب تک کوئی دوسرا گنبد اتنا بلند تعمیر ہی نہیں ہوا۔ سیاحوں کو اور خصوصاً ان کو جن کو آثار قدیمہ سے خاص دلچسپی ہے یہ گنبد دیکھنا چاہیئے۔ اسی ویران محل کے قریب ایک میل کے فاصلہ پر حضرت سلمان پارسی رحمتہ اللہ علیہ کے قبر کا گنبد ہے۔ اس مقام کو سلمان پاک کہتے ہیں۔ اسی مقام کے قریب حضرت حذیفہ اور جابر بن عبداللہ انصاری کی قبریں بھی
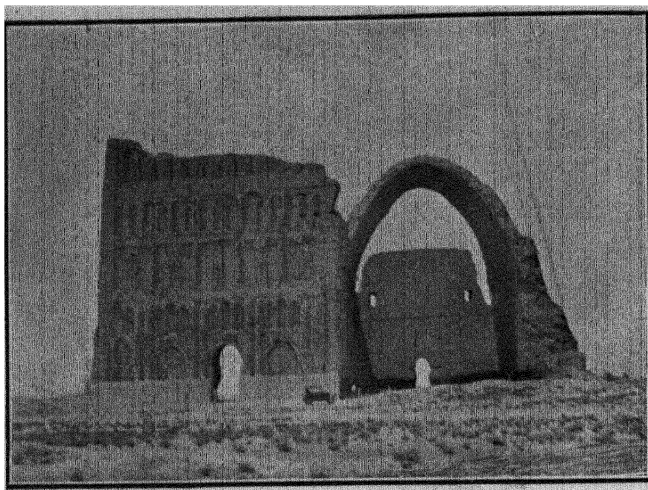
طاق کسرہ - بغداد
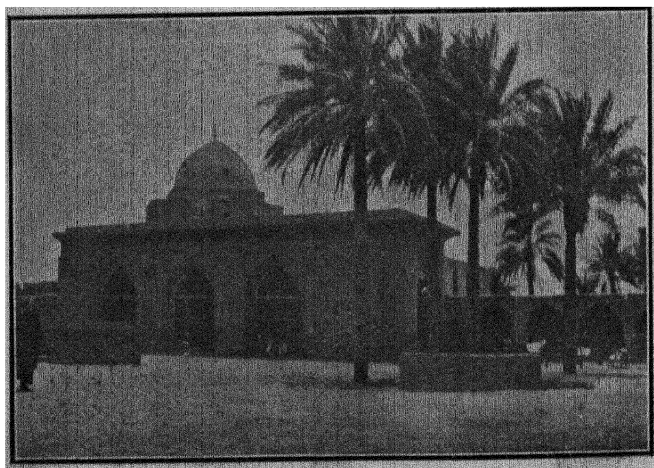
سلمان پاک (بغداد)

تفریح گاہ

ہندوستان اور ایران کے بڑے شہروں میں سیر و تفریح
کے لیے جس طرح کے باغ عام یا باغ ملی ہوتے ہیں بغداد میں
نظر نہیں آئے لیکن بغداد کے اطراف خصوصاً درمیان کاظمین
و بغداد کے کھجور اور دیگر میوہ جات کے باغات ہیں جہاں
مرد اور عورتیں سیر و تفریح کے لیئے جاتی ہیں گھوڑوں کی شرط گاہ
بھی حال ہی میں جاری کی گئی ہے اس میں بڑی کامیابی ہوئی
کیوں نہ ہو عراق عربی گھوڑوں کا وطن ہے' اور اہل عراق اس
میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ خود بھی اچھے سوار ہوتے
ہیں اور گھوڑوں سے ان کو خاص دلچسپی ہوتی ہے میں نے
یہ بھی سنا کہ یہاں شرط گاہ میں بٹنگ (Betting) بھی بہت
زور و شور کی ہوتی ہے۔

عراق کے باشندے

ممالک عراق میں عرب۔ ایرانی۔ یہود۔ نصرانی۔ ارمنی
صابی۔ آباد ہیں۔ عربوں میں ایک گروہ صحرائی عربوں کا ہے جن کو
جنگلی عرب یا بدو کہتے ہیں۔ ایک شہری حلقہ ہے ان میں
سنی اور شیعہ دونوں ہیں۔ ایرانی عموماً شیعہ ہیں ان سب کے
لباس قریب قریب مختلف ہیں اور معاشرت اور تمدن بھی

اپنے اپنے طرز کی علیحدہ ہے ان سب کی غذا بھی ایک دوسرے
سے نہیں ملتی۔ اس کے بیشتر میں مختلف مقامات پر اجمالاً
تمدن و معاشرت کا ذکر کر چکا ہوں۔ یہاں خاص کر عراقی
باشندوں کا مختصر ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

عرب

میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ عربوں میں ایک صحرائی اور
دوسرے شہری ہیں صحرائیوں میں بھی دو قسم کے ہیں ایک
بدوی دوسرے معاون بدوی شہر سے باہر جنگلوں میں رہتے
ہیں۔ بکرے کے بالوں کی بنائی ہوئی سیاہ پالوں میں رہتے ہیں
یہ بکریاں گھوڑے اور اونٹ پالتے ہیں اور خانہ بدوش ہیں
جہاں کہیں ان کے مویشی کو چارہ اور پانی ملتا ہے وہاں چلے
جاتے ہیں۔ یہ شہسوار بھی ہیں بالکل جاہل اور بے علم ہیں
کسی زمانہ میں ایک دوسرے پر اکثر چھاپے مارا کرتے تھے۔ موجودہ
حکومت میں اس کی کمی ہوگئی ہے۔ یہ کبھی کبھی شہروں کو خرید و فروخت
کے لئے آجاتے ہیں۔ ان کا سانولا رنگ ہوتا ہے اور بال بھی
رکھتے ہیں ان لوگوں کے قبائل سامرہ کے راستہ میں اکثر نظر
آتے رہتے ہیں۔ معاون مالک اراضی کے خام مکانات یا
جھونپڑیوں میں رہتے ہیں بھینسیں پالتے ہیں زراعت کرتے
ہیں اور دیگر خدمات بھی انجام دیتے ہیں یہ بھی جاہل اور بے علم
ہیں ان کا رنگ سانولا ہوتا ہے ان دونوں کا بدویوں اور

معاونوں کا لباس ایک ہی قسم کا ہوتا ہے۔ سر پر سرخ چفیہ (رومال) اس پر اعقال جو اونٹ کے بال کا بنا ہوا گول رسی کا ہوتا ہے جسم میں ایک لانبا کرتا جو قریب قریب ٹخنوں تک لٹکتا ہے اس پر کمر بند باندھ لیتے ہیں پاؤں میں نعلین (چپل) اور بعض بوٹ بھی پہنتے ہیں۔ شہر میں رہنے والے عرب مالکان اراضی دوکاندار اور تاجر ہوتے ہیں۔ دولتمندوں کا ہیڈ ڈریس (Head dress) وہی ہے یعنی اعقال چفیہ مگر قیمتی ہوتا ہے اور کرتے پر چغہ اس پر ایک کوٹ پہنتے ہیں اور چغہ پر عبا اوڑھتے ہیں پاؤں میں پتابے اور انگریزی طرز کا بوٹ یا شوز ہوتا ہے۔ بعض ان میں کے کچھ پڑھے لکھے بھی ہیں اگر سید ہوں تو ترکی ٹوپی پر سبز پٹی باندھتے ہیں جیسا کہ نجف و کربلا وغیرہ کے خدام کے سر کا لباس ہوتا ہے اگر سید نہ ہوں تو سفید کام کی ہوئی پٹی باندھتے ہیں۔ آج کل شہر کے رہنے والوں کا لباس بدل رہا ہے۔ انگریزی لباس پر فیصل ٹوپی لگاتے ہیں کل عرب بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں۔ ان کی غذا بالکل سادہ ہے۔

ایرانی

یہاں کے مقیم ایرانی بھی دو قسم کے ہیں عالم تاجر اور دوکاندار۔ دوسرے مزدور پیشہ۔ اول الذکر کا لباس عموماً سر پر عمامہ اگر سید ہوں تو سبز یا سیاہ غیر سید سفید پٹی باندھتے ہیں۔ جسم میں قبا ہوتی ہے کمربند باندھتے ہیں اوپر سے عبا اوڑھی جاتی ہے

پاؤں میں پیتابے انگریزی یا ایرانی سفید کپڑے کا جوتا ہوتا ہے
اور مزدور پیشہ کے سر پر نمدہ کی سیاہ یا خاکی ٹوپی ہوتی ہے۔ اور
عبا نہیں اوڑھی جاتی جوتا کپڑے کا بغیر پیتابے کے استعمال کرتے
ہیں۔ جب سے حکومت ایران نے قومی ٹوپی پہلوی قرار دی
ہے سر کا لباس عموماً ٹوپی ہوگیا ہے مگر عالم اس سے مستثنیٰ ہیں
ایرانیوں میں بھی انگریزی لباس اور پہلوی ٹوپی کا زیادہ رواج
ہوتا جاتا ہے۔ یہ بھی خلیق اور مہمان نواز ہیں۔ ان کی غذا پر تکلف
ہے۔ چنانچہ مجھے نجف میں آغا مرزا محمد اور تاجر حاجی آغا حسین علی
نقش اصفہانی کی دعوتوں میں جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ دسترخوان
پر۔ نان، شیر برنج، میٹھے، پلاؤ سالن اور کباب مثل ہندوستان
کے تھے مگر ذائقہ میں کچھ فرق ضرور تھا ان کے پاس عام رواج
ہے کہ دسترخوان پر شربت موسم کے لحاظ سے رکھا جاتا ہے۔
کھانے کے ساتھ بجائے پانی کے یہی پیتے ہیں۔ ایران میں دولتمند
میز پر کھانا کھاتے ہیں۔ عراقی ایرانیوں میں یہ رواج نہیں ہے
کھانے سے پہلے چائے مہمان کے سامنے رکھی جاتی ہے۔ اور
تھوڑی دیر کے بعد شربت پیش کیا جاتا ہے اس کے تھوڑی دیر
کے بعد دسترخوان پر کھانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں بعد
فراغت طعام پھر چاء اور سگریٹ پیش کرتے ہیں
بہر حال ان میں چاء کے استعمال کا زیادہ رواج ہے
اور سگریٹ بھی شوق سے پیتے ہیں۔ کسی کو میں نے حقہ
پیتے نہیں دیکھا۔

عیسائی

یہاں کے عیسائی عموماً رومن کیتھلک عقیدہ کے ہیں ایک فرقہ کلدانی ہے جن کا بطریق اعظم ہے اس کا صدر مقام موصل ہے۔ دوسرا فرقہ سیرین ہے ان کی زبان بھی ابتک سریانی ہے اور وہ اپنے کو اہل سیریہ سمجھتے ہیں۔ عیسائیوں کا لباس کسی زمانہ میں عربی تھا۔ اب انگریزی ہوتا جاتا ہے اور یہ علاوہ عربی زبان کے انگریزی اور فرانسیسی بھی بولتے ہیں۔ ان کے عورتیں بے پردہ پھرتی ہیں عورتوں کا لباس بھی انگریزی ہوتا جاتا ہے۔

ارمنی

یہ بھی عیسائی ہیں۔ رومن کیتھلک اور گریگوریرین چرچ کے معتقد ہیں زبان ارمنی کے علاوہ عربی بھی بولتے ہیں اور ترکی بھی یہ دوسرے عیسائیوں کے نسبت زیادہ تعلیم یافتہ ہیں آج کل تجارت بھی اچھی کرتے ہیں اکثر انگریزی تجارتی کوٹھیوں میں ملازم ہیں ان کا لباس انگریزی ہے ان کی عورتیں بھی بے پردہ ہیں۔

یہودی

یہ لوگ عموماً تجارت پیشہ ہیں اور اکثر سوت بٹہ کا کام زیادہ کرتے ہیں اور زیادہ دولت مند بھی نظر آتے ہیں۔

بوڑھے یہودی سر پر ترکی ٹوپی پہنتے اور عربی لباس میں رہتے ہیں
مگر آج کل کے نئی روشنی والے اکثر انگریزی لباس اور سر پر
فیصلی ٹوپی پہنتے ہیں اور بعض انگریزی لباس اور ٹوپی میں
بھی نظر آتے ہیں۔ ان میں عام مسلمانوں کی نسبت تعلیم بہت
زیادہ ہے بلکہ ارمنیوں کے سوائے باقی سب عیسائیوں سے
بھی زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ اب انگریزی تعلیم ان میں پھیلتی
جاتی ہے۔ ان کی عورتیں بھی بے پردہ ہیں مختلف رنگوں کے
بیحد شوخ لباس جو بہت قیمتی ہوتے ہیں پہنتی ہیں۔ یوں تو
یہاں کے عیسائی اور ارمنی سرخ و سفید ہوتے ہیں لیکن
یہودی یہ ان سب سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ عراق میں
ان کے مقامات مقدسہ چار ہیں۔ عزرا نبی کا مقبرہ شط العرب
کے کنارہ ہے۔ دوسرا حزقیل نبی کا مقبرہ موضع کفیل میں کوفہ
کے قریب ہے۔ تیسرا چاہ دانیال میں حلہ کے قریب ہے
چوتھا یوشع نبی کی قبر بغداد میں ایک بڑے مربع احاطہ کے
اندر ہے گنبد گول ہے اور نیچے قبر ہے۔ جس پر لکڑی کا صندوق
ہے۔ مقبرہ کے گرد دیواروں پر جلی عبرانی خط میں عبارت لکھی ہوئی
ہے۔ دیواروں اور چار روشن دانوں کے نیچے شیشہ کے
ٹکڑے نصب ہیں پتلی اینٹیں بھی کہیں کہیں لگی ہیں
گنبد کے نیچے چار دروازہ ہیں نقاشی کے گلدستہ
بھی ہیں ۔ یہ عمارت بہت پرانی معلوم ہوتی ہے یہودی
اور مسلمان دونوں اس قبر کی زیارت کرتے ہیں۔

صابی

ان کا مذہب مسلمانوں اور عیسائیوں کا مجموعہ ہے۔ یہ
لوگ کہتے ہیں کہ ہم جان دی بپٹسٹ کے پیرو ہیں اس لیئے وہ
ہمیشہ دریاؤں کے کنارے گھر بنا کر رہتے ہیں اور سالانہ اصطباغ
کی رسم ادا کرتے ہیں یہ اکثر سناری اور لوہاری پیشہ کرتے ہیں
ان کی تعداد عراق میں بہت کم ہے ان کی عورتیں بھی بے پردہ
ہیں۔

خواتین عراق

صحرائی عورتوں کا لباس بھی مثل مردوں کے ہوتا ہے
سر پر پٹی باندھتے ہیں چہرہ کھلا رہتا ہے اور چہرہ پر گودنے
کے نشان مثل ادنی ہندوستانی طبقے کی عورتوں کے ڈلتے ہیں
شہری عرب اور ایرانی خواتین سیاہ دو عبائیں اوڑھتی ہیں
ایک شانوں سے نیچے اور دوسری سر پر سے جس سے چہرہ
چھپ جاتا ہے۔ کسی زمانہ میں ان کا لباس پاجامہ۔ کرتا جسکو
داریہ کہتے ہیں ہوتا تھا اب قریب قریب انگریزی لباس
ہوتا جاتا ہے۔ ان خاتونوں میں آزادی ہندوستانی عورتوں
سے زیادہ ہے۔ یہ بلا تکلف درگاہوں کی زیارت کو جاتی ہیں
نماز جماعت میں شریک ہوتی ہیں مجالس عزا میں حصہ
لیتی ہیں دوکانوں پر خرید و فروخت کرتی ہیں۔ باغات کو

سیر و تفریح کیلئے جاتی ہیں ان کے ہمراہ کوئی مرد رشتہ دار شوہر یا نوکر نہیں ہوتا۔ اگر یہ ساتھ جائے تو نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے عام اہل اسلام کے مذہبی اعتقادات رسم و رواج طرز زندگی کا ہر جگہ ذکر ہو چکا ہے مگر یہاں اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں پائی جاتی۔

بغداد کی مسجدیں اور درگاہیں

بغداد ایک عرصہ تک دارالخلافت رہا اہل علم و فضل و کمال کا معدن رہا گو اس وقت عظمت کا کوئی اور اثر بجز اس کے جس کا ذکر تحت آثار قدیمہ ہو گیا ہے باقی نہیں ہے تاہم یہاں کی مساجد اور کئی بزرگان دین کے مقابر اہل اسلام کی دلچسپی کے لئے غیر معمولی کشش رکھتے ہیں۔ اس وقت تمام شہر میں کئی سو مساجد علاوہ جوامع کے ہیں اسی طرح درگاہیں بھی ہیں جن کی تفصیلی حالت اور تاریخ کی من و عن کیفیت درج کرنا نہ آسان ہے اور نہ اس قدر اس کتاب میں گنجائش ہے مگر مختصر کیفیت مساجد و جوامع اور بزرگان دین کے مزاروں کی ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے سیاحوں اور زائرین کو ضرور مدد ملے گی۔

اس شہر میں ہر طرح کی سہولتیں ہیں۔ یہاں تک کہ جدید ایجادیں بھی موجود ہیں جیسے ہوائی جہاز۔ اور ریلے تار کی تار برقی وغیرہ مگر افسوس ہے کہ اس شہر میں سراؤں اور ہوٹلوں کی کمی

ہے علی الخصوص عام مسافرین اور زائرین کے لیئے کوئی خاص انتظام قیام نہیں ہے۔ البتہ درگاہوں اور خانقاہوں میں جگہ مل جاتی ہے یا خدام کے معرفت مکانات کا بندوبست ہوسکتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس خادم کے پاس ٹھہرتے ہیں وہ خود ہی صرف رہنے اور کھانے پینے ہی کا انتظام نہیں کرتے بلکہ اپنے ہمراہ مساجد کو دیکھنے کے لیئے درگاہوں کی زیارت کرانے کے لیئے بھی لیجاتے ہیں۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ یہاں مساجد و جوامع بہت ہیں اور یہ بھی تحریر کرچکا ہوں کہ ان کی تفصیل سہل نہیں ہے ان میں چند جو قابل دید ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

فہرست مساجد و جوامع

(۱) جامع مرجان (۲) جامع خاصکی (۳) جامع الخلفاء (۴) جامع قیلانیہ (۵) مسجد اقبال السرائے (۶) جامع راس الجسر (۷) جامع الوزیر (۸) جامع اوزبک اور (۹) جامع الفضل۔

مجھے تعجب ہوا اور غالباً اکثر ہندوستانیوں کو بھی تعجب ہوگا کہ عراق کی کل مسجدوں میں خصوصاً بغداد کی مساجد میں مسلمان جوتے اور بوٹ پہنکر اندر چلے جاتے ہیں' البتہ مسجد کے فرش پر یعنی جہاں قالین یا اور کسی قسم کا فرش ہوتا ہے وہاں جوتا پہنکر نہیں جاتے اگر مسجد کے محراب تک بھی فرش نہ ہو تو وہاں تک جوتہ پہنے ہوئے چلے جاتے ہیں لیکن مجھے جرات نہیں ہوئی

کہ میرے رہنما کی تقلید کروں جس کسی مسجد میں مجھے جانے کا اتفاق ہوا میں حسب رواج ہندوستان جوتا اتار کر گیا۔ دیگر یہ کہ ہندوستان کے خلاف یہ بات بھی نظر آئی کہ کسی مسجد میں استنجا صاف کرنے کیلئے ڈھیلے رکھے نہیں جاتے۔ یہاں استنجا پانی سے پاک کرنے کا زیادہ رواج ہے اور یہاں کی مساجد میں رمضان یا کسی اور موقع پر جسطرح ہمارے ہاں ہندوستان میں قران سنانے کا رواج ہے نہیں ہے۔

امام فرقہ اسمٰعیلیہ اور قبرستان بواہیر

جامع فضل کے اندر مزار محمد فاضل ابن سید اسمٰعیل ابن حضرت امام جعفر الصادقؑ ہے جن کو ہندوستان کے فرقہ اسمٰعیلیہ اپنا امام حاضر سمجھتے ہیں۔ بہلول دانا کے قبر کے پاس ہندوستان کے بواہیر کا قبرستان ہے۔

اہل سنت و الجماعت کی بزرگان دین کی درگاہیں

(۱) درگاہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ (۲) مقبرہ امام اعظم رضی اللہ عنہ (۳) حضرت معروف کرخیؒ (۴) جنید بغدادیؒ اور سری سقطیؒ ان دونوں بزرگواروں کی قبریں ایک ہی گنبد کے نیچے ہیں (۵) ابراہیم خواص (۶) ذوالنون المصریؒ (۷) سید صالح (۸) حبیب عجمی (۹) امام احمد حنبلؒ۔ بشر حافی اور منصور ابن عمار محدث یہ تینوں بزرگ ایک ہی قبرستان میں ہیں

(۱۰) حسین بن منصور حلاج (۱۱) شیخ عمر شہاب الدین سہروردیؒ (۱۲) شیخ محمدؒ احسان شارح قدوری (۱۳) شیخ محمد القدوری (۱۴) شیخ سراج الدین (۱۵) شیخ صدر الدین غنجی (۱۶) شیخ محمد النفی (۱۷) سید علی بندہ وبخی المعروف سید علی مندلاوی (۱۸) امام احمد غزالیؒ (۱۹) شیخ شبلیؒ (۲۰) امام ابو یوسف۔ ان سب میں زیادہ قابل ذکر درگاہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؓ اور امام ابو حنیفہؒ کی ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ

کی زیارت کے لیئے تمام اسلامی دنیا سے معتقدین خصوصاً ممالک ہندوستان اور افریقہ سے صدہا آدمی آتے ہیں۔ آپ گیلان یا جیلان سے منسوب ہیں جو ایران کا صوبہ بحیرۂ خزرم (CASPEAN SEA) کے قریب واقع ہے آپ سلسلہ قادریہ کے بانی ہیں آپ کی ولادت کا مادہ تاریخ "عشق" ہے جو بحساب ابجد ۴۷۰ھ م سنہ ۱۰۷۷ء ہوتا ہے اور آپ کی وفات کا مادہ تاریخ "کمال عشق" جو بحساب ابجد ۵۶۱ھ ہوتا ہے (مطابق ۱۱۶۶ء)

آپ کا مقبرہ ۱۲۵۳ء م سنہ ۶۵۱ھ میں بنا تھا پھر ۱۴۳۶ء م ۸۴۱ھ میں موجودہ گنبد بنایا گیا۔ سلطان سلیمان نے جن کا عہد حکومت ۱۵۲۰ء سے ۱۵۶۶ء تک رہا (مطابق ۹۲۵ھ سے ۹۷۲ھ) اپنے اعتقاد سے ظاہری نمائش میں اضافہ کیا بہرحال اس وقت اس عمارت کا بڑا حصہ ایک عظیم الشان اور وسیع مگر پست سفید گنبد سے ڈھکا ہوا ہے جو مسجد سے متعلق ہے اس کے پہلو میں دوسرا کاشی کاری کا گنبد

دو مینار بھی کاشی کے کام کے ہیں شیخ میناکاری نہایت خوبصورت ہے گنبد سے نیچے کی مدور دیواریں بھی دو تین گز تک اسی کام سے آراستہ ہیں نیچے مزار شیخؒ ہے۔ اس کے چاروں طرف چاندی کی جالی لگی ہے اور اس پر دو پہلوی چاندی کی چھت ہے۔ جالی میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جو بند رہتا ہے۔ اس چاندی کی جالی کے اندر صندوق قبر ہے جس پر سبز مخمل کا غلاف پڑا رہتا ہے غلاف پر سنہری کارچوبی کام ہے۔ صحن میں مسجد شاندار اور وسیع ہے جس کی سنگ مرمر سے آرائش کی گئی ہے مسجد کے باہر وسیع میدان ہے جو فقرا اور ساکین کے ٹھیرنے کے لیئے ہے۔ سامنے وسیع صحنوں کے اوپر دو منزلہ مکانات ہیں جن میں نقیب صاحب کے خاندان کے بعض اراکین رہتے ہیں اور معزز زائرین بھی انھیں میں ٹھیرائے جاتے ہیں۔ ایک تسبیح خانہ اور ایک میٹھے پانی کا حوض ہے جس میں زائرین اعتقاد سے نہاتے ہیں ایک گھنٹہ گھر بیگم صاحبہ بھوپال نے بنایا ہے بڑا شاندار ہے روضہ کا دروازہ "عصر و مغرب" کے درمیان عام طور پر کھلتا ہے۔ باقی اوقات میں تخلیہ رہتا ہے۔ دوسرے وقت علاوہ وقت مقررہ کے نقیب صاحب کی اجازت سے کھل جاتا ہے زائرین کے علاوہ شہر کے امیر و غریب چھوٹے بڑے مرد اور عورتیں حاضر ہوتی ہیں۔ شب کو بجلی کی روشنی ہوتی ہے خوب چہل پہل رہتی ہے احاطہ کے بقیہ صحن میں شب کو چھوٹے بچے جمع ہو کر خوب کھیلتے ہیں دھوم مچاتے ہیں اور بڑی رونق پیدا کر دیتے ہیں۔ کوئی روک ٹوک اور سختی نہیں کی جاتی سبحان اللہ محبت کا کیا انداز ہے، درگاہ میں

داخلے کے دونوں دروازوں پر ذیل کے اشعار درج ہیں۔

ایں بارگہ حضرت غوث ثقلین ست | نقد کمر حیدر و نسل حسنین ست
مادرش حسینی نسب است و پدر او | ز اولاد حسن یعنی کریم الابوین ست

بہرحال بغداد کی درگاہوں میں یہ بڑی شاندار ہے۔

مقبرہ امام اعظم رح

دوسرا قابل ذکر مقبرہ حضرت امام اعظم رح کا ہے۔ یہ موضع معظم نامی میں کاظمین و بغداد کے درمیان واقع ہے۔ اہل سنت والجماعت کے مسلمانوں کے سب سے بڑے فقیہ امام اعظم ابو حنیفہ رح تھے سنت والجماعت کے باقی امام آپ کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی بھی آپ کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ بہرحال آپ بغداد کو ۱۴۵ھ میں آئے تھے جب کہ خلیفہ منصور بغداد کی تعمیر کرتا تھا آپ کا انتقال سنہ ۱۵۰ھ میں ہوا تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی قبر پر ۴۵۹ھ میں ایک گنبد تعمیر ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ سلطان الپ ارسلان سلجوقی کے ایک وزیر نے حنفی فقہ کی تعلیم کے لیئے ایک کالج تعمیر کر دیا تھا اس وقت مقبرہ کے ساتھ ایک عالیشان مسجد ہے۔ اور مسجد کے محراب کے پاس ہی مقبرہ کے اندر جانے کا دروازہ ہے۔ اور مقبرہ کے اندر ایک بہت بڑے چوکھٹے میں امام صاحب کی قبر ہے۔ قبر پر سبز چادر پڑی ہے۔ مسجد کے اندر بیل بوٹے کاشی کے ہیں زمین سے کچھ بلندی تک سنگ سفید لگا ہوا ہے۔ اور کئی سنگین فیل پایوں پر گنبد کھڑا

ہے۔ مختصر چمن بھی ہے یہاں کے مدرسہ کی صفائی اور نفاست
قابل تعریف ہے یہاں کے منتظم صاحب سلیقہ نظر آتے ہیں۔
اس بات کی شکایت ہے کہ ہندوستان کے اہل سنت والجماعت
یہاں ایسے زیادہ نہیں آتے جیسے کہ شیخ صاحب کی مزار پر جایا کرتے
ہیں حالانکہ حنفیوں کے آپ بڑے جید امام ہیں۔
مجھے یہاں کے سلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں یعنی شیعہ
اور سنیوں میں میل اور ملاپ نظر آیا اور کل عراق میں ان دونوں میں اب تک
کوئی جھگڑا ظاہر ہی نہیں ہوا خدا کرے کہ یہ دونوں فریق ایسے ہی
محبت سے رہیں جیسے کہ اب تک ہیں مجھے خوف ہے کہ موجودہ
حکومت میں یہ بات نہ رہیگی ہندوستان کی طرح جھگڑوں کا ہونا
ممکن ہے۔

اہل تشیع کے بزرگان دین کی درگاہیں

اہل تشیع کی درگاہوں وغیرہ کی تعداد بغداد میں بہت کم ہے
تفصیل یہ ہے:۔
ایک مسجد براثا نامی جو بغداد اور کاظمین کے درمیان بغداد
سے تین میل کے فاصلہ پر ٹرام کے راستہ میں قریب قبرستان واقع ہے
اس کے متعلق ایک روایت مشہور ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام چار یوم
اور دوسری روایت سے دس یوم تک جنگ خوارج کے بعد یہاں
اقامت فرما ہوئے تھے۔ آپ کا قیام اس مسجد میں ہوا تھا۔ اور بغداد
میں نواب اربع حضرت صاحب الزمان کے مزارات ہیں اول بازار

سرمہ میں جو مسجد صدرہ ہے اس میں عثمان ابن سعید العمری۔ دوم محلہ باب الشیخ میں علی جعفر محمد ابن عثمان العمری معروف بہ شیخ غلانی سوم بازار عطاطر (یعنی عطاروں کے بازار) میں حسین ابن روح نوبختی اور بازار ہراج کی مسجد کے کونہ میں علی ابن محمد الشمری کے مزارات ہیں اور محلہ قمبر علی میں جو محلہ یہود و نصارا کے متصل واقع ہے قبر حضرت قمبر غلام امیر المومنین ہے اقبال الدولہ مرحوم جو اہل لکھنو سے تھے ان کی رباعی تختہ پر لکھی ہوئی وہاں آویزاں ہے۔

رباعی

ہم قطار منست قمبر من　　　مالک ہر دو ماست حیدر من
نعل و نعلین و دل دل و قمبر　　　جیغۂ تاج و پیر افسر من

اس مزار کے پاس ایک پتھر کا ہینڈا ہے مشہور ہے کہ حاجتمند جس کام کے لیئے نیت کر کے اس ہینڈے کو اٹھالیتا ہے وہ کام ضرور ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کام نہ ہونے والا ہو تو وہ ہینڈھا ہرگز نہیں اُٹھتا۔ اس کے مقابل مسجد میں قبر شیخ کلینی مصنف "اُصول کافی" واقع ہے۔ جادۂ عموی (سٹرک عام) جس کے قریب مرقد امام زادۂ طاہر ہے وہ کوچہ بھی اسی نام سے مشہور ہے آپ فرزند امام زین العابدین ؑ ہیں یہاں کے دروازہ پر جو گلی میں ہے اس پر کوبلو کا بہت عمدہ کام کیا ہوا ہے۔ اسی مرقد کے قریب پنجہ حضرت شیر خدا ؑ ایک پتھر پر نصب ہے یہاں بھی لوگ

زیارت کرتے ہیں ایرانی قونصل کے مکان میں جو لب دریائے دجلہ واقع ہے۔ قبر علی ابن عیسیٰ عربلی مصنف "کشف الغمۃ" ہے۔ یہاں بھی شیعہ صاحبان فاتحہ پڑھتے ہیں۔ یوشع نبی کے مزار کے قریب ہی بہلول دانا کی قبر ایک مربع احاطہ کے گوشہ میں ایک گنبد کے نیچے واقع ہے۔ یہاں ایک نئی بات دیکھی گئی کہ دو دو چار چار اینٹیں جوڑ کر چھوٹے گھر بنائے گئے ہیں جیسا کہ اکثر بچے کھیلا کرتے ہیں دریافت سے معلوم ہوا کہ لوگ یہاں منتیں مانتے ہیں کہ اگر ہماری نذر پوری ہو جائے تو اس گھر کو مٹھائی سے بھر دیا جائے گا جس طرح ہمارے ہندوستان میں اکثر درگاہوں میں پتھر کی کشتیاں بنائی جاتی ہیں اور منت پوری ہونے پر کشتی مٹھائی یا شیرنج سے بھر دی جاتی ہے۔ اس مقام پر ترکی زبان میں تاریخ ذیل لکھی ہوئی ہے۔

بہلول دانا روحنہ جابق اوتو بر فاتحہ (یعنی بہلول دانا کی روح پر جلدی فاتحہ پڑھو) مذکورالصدر کل درگاہوں کی طرز تعمیر اور ساخت ایک ہی قسم کی ہے۔ مگر صرف زبیدہ خاتون کی قبر کا گنبد مثل حسن بصری کے قبر کے گنبد کے ہے جس کی تصویر بصرہ کے تحت میں لگائی گئی ہے۔

بہر حال زائرین جو بغداد کی زیارتوں سے فارغ ہو کر ہندوستان جانے والے ہوتے ہیں بذریعہ ریل بصرہ پہنچتے ہیں اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر بمبئی یا کراچی چلے جاتے ہیں۔ شام و حجاز جانے والے بذریعہ موٹر کار پہلے شام بعد حجاز جاتے ہیں۔ اور

ایران جانے والے یا تو بذریعہ ریل خانقین جاکر وہاں سے بذریعہ موٹر ایران جاتے ہیں یا راست موٹر میں ایران چلے جاتے ہیں۔ میں خدا کے فضل و کرم سے بصحت و تندرستی کل مقدس مقامات کی زیارت سے مشرف ہوا خوب سیر کی اکثر محترم بزرگوں سے دوستی کا شرف حاصل ہوا

میرے دادا اور دادی نواب سید اسد علیخاں مرحوم اور سلطانی بیگم مرحومہ جن کے جنازے بیگن پلی سے نجف اشرف روانہ کئے گئے تھے یہیں پر صحنوں کے کمروں میں سے ایک کمرہ میں جہاں مقبرہ سید محمد سعید ہے دفن ہیں۔ دادائے مرحوم کی قبر پر سنہ دفن ۱۲۹۰ء ہے اور دادی مرحومہ کی قبر انہی کے متصل ہے جس پر کوئی تختی نہیں ہے۔ میں ان بزرگوں کی فاتحہ سے بھی فارغ ہوا۔ اور راہی خراسان ہوا۔
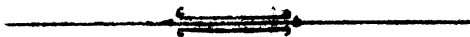
باب پنجم

از بغداد تا طہران

کسی کام کے آغاز سے قبل انسان کو پس و پیش ہوتا ہے خصوصاً جبکہ کام ذرا مشکل اور عرصہ تک مصروف رکھنے والا ہو۔ لیکن جب ہمت کر کے اس کا آغاز کر لیا ہے تو پھر راستے خود بخود سجھائی دینے لگتے ہیں یہ سچ ہے:۔

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

ٹھیک یہی حال میرا بھی ہوا۔ پہلے تو سفر اور طویل دور و دراز کے سفر پر نکلنے میں دشواریاں نظر آ رہی تھیں لیکن جب چل پڑا تو پھر خدا نے اسباب خود بخود پیدا کر دیے چنانچہ ذیل کا واقعہ قابل دید ہے جب میں عراق کی کل زیارتوں سے فارغ ہو گیا اور واپس

ہونا چاہتا تھا کہ معلوم ہوا بغداد ریلوے طغیانی کے باعث بہہ گئی ہے اس کا بھی علم نہ تھا کہ کب تک تیار ہو سکیگی میرے لیئے یہ ممکن تھا کہ میں بغداد سے چھوٹے جہاز میں سوار ہو کر بصرہ پہنچوں وہاں سے بڑے جہاز پر سوار ہو کر ہندوستان واپس ہو جاؤں۔ مگر عراق کی زیارتوں کے بعد میری ہمت بے حد بڑھ گئی تھی بلکہ ایک قسم کی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ خیال آیا یہاں سے کیوں خراسان چلا نہ جاؤں اس خیال کے آتے ہی اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے میں اضطراری طور پر تیار ہو گیا میرا اعتقاد یقیناً میرا پشت پناہ تھا مزید اتفاقاً دیکھیئے سید محمد حسن بلگرامی صاحب سے کربلا میں ملاقات ہو گئی وہ خراسان جانے کا ارادہ رکھتے تھے میرے لیئے سامان خود بخود فراہم ہو گیا جس طرح موصوف کو ایک رفیق راہ کی تلاش تھی اسی طرح میرے دل میں بھی اس کا خیال تھا۔

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

غرض ہم دونوں نے ایک ساتھ تصفیہ کر لیا اور موٹر کار کرایہ پر ٹھیرا کر کاظمین سے نکلے۔

عراق سے باہر جانے کے پیشتر سیاحوں اور زائرین کے پاسپورٹ اور سامان کا معائنہ بغداد کے کسٹم ہاؤس میں ہو جاتا ہے۔ اس جھگڑے سے فارغ ہو کر مسافر اس راستہ سے چلتے ہیں جو خلفاء بنی عباس کے زمانہ حکومت سے بغداد سے خراسان جاتا ہے۔ دس سال کے قبل زائر و سیاح بذریعہ اسپ یا عرابہ منزلیں طے کرتے جاتے تھے جنگ عظیم کے بعد سے موٹر کاروں کا رواج ہو گیا

سفر جو مہینوں میں طے ہوتا تھا اب گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ کسی
زمانہ میں جو راستہ خطرناک تھا اب پرامن ہو گیا ہے۔ تھوڑے تھوڑے
فاصلہ پر جابجا پولیس کے ناکے اور چوکیاں ہیں بغداد سے خانقین تک
ریگستان کا ایک سلسلہ ہے کہیں کہیں چھوٹے ٹیلے ملتے ہیں گو یہ
سڑک پختہ نہیں ہے خام راستہ ہے مگر ہموار ہے کہیں نہریں اور دریا
کی شاخیں بھی ملتی ہیں جن پر سے پل کے ذریعہ عبور کرنا پڑتا ہے بعض
جگہ عراق ریلوے کی پٹریوں پر سے بھی گزرتے ہیں تھوڑے تھوڑے
فاصلہ پر چھوٹے چھوٹے قریے ملتے ہیں ان میں قہوہ خانہ ویراں
و آباد سرائیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں بہر حال چند گھنٹوں میں
خانقین پہنچ جاتے ہیں۔

خانقین

بغداد کے سمت شمال و مشرق میں اندازاً سو میل پر واقع ہے
یہ مختصر شہر ہے یہاں زائرین کے ضروریات کی اشیاء مل جاتی
ہیں یہیں پر عراق ریلوے کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہاں سے
قریب ہی مٹی کے تیل کے کارخانے ہیں یہاں سے تین چار میل پر جا کے
عراق کا ملک ختم ہو جاتا ہے اور ملک ایران شروع ہوتا ہے
یہاں علامات سرحد قایم کی گئی ہیں سرحد پر سرحدی پولیس بلکہ
ایک مختصر فوج ہے۔ خانقیں میں پاس پورٹ اور سامان کے
معائنہ کے بعد آگے بڑھنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ خانقین میں
تار گھر و پوسٹ آفس ہے اور سلسلہ تار برقی عراق و ایران کا یہیں سے

شروع ہوتا ہے یہاں سے پہاڑوں کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے۔ سڑک پختہ ہے مگر بہت تنگ کہیں کہیں مرمت کی بھی ضرورت ہے الحمد للہ کہ مرمت شروع ہو چکی ہے۔ راہ میں نشیب و فراز ہے کہیں گھاٹیوں کہیں دروں میں سے گزرنا ہوتا ہے وادیوں میں سے پار ہونا پڑتا ہے۔ پہاڑ کہیں دور اور کہیں قریب برف سے ڈھنکے ہوئے نظر آتے ہیں وادیوں میں جہاں تک نظر کام کرتی ہے گندم کی زراعت نظر آتی ہے چھوٹی چھوٹی نہریں جا بجا ملتی ہیں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر قریے ہیں ہر قریہ کے قریب افیون کے مزرعے اور مختصر باغات ہیں غرض کہ عراق کے سلسلہ ریگستان کے بعد یہ سرسبزی و شادابی مسافروں کی نظروں کو مسحور کر دیتی ہے قریوں کے مکانات عموماً خام ہیں اور چھتیں لداوی ہیں اس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ لکڑی کمیاب ہے قریوں میں قہوہ خانے بھی ہوتے ہیں جن میں کھانے پینے کی اشیاء مسافروں کے لیئے کافی مل جاتی ہیں پولیس کی چوکیاں مناسب موقع پر ہیں ٹیلیفون ایک چوکی سے دوسری چوکی تک پہونچتے ہیں ایک طرف تار برقی چلا جاتا ہے جس کا سلسلہ طہران تک ہے غرض بہت ہی آباد اور زرخیز ملک ہے اور منظر بہت ہی دلکش ہے۔

قصر شیرین

خانقین کے بعد پہلا ایرانی شہر قصر شیرین ملتا ہے یہاں سے ایرانی معاشرت اور تمدن شروع ہو جاتا ہے قصر شیرین اندازاً

خانقین سے تیس میل ہوگا یہاں ایرانی کسٹم آفس ہے جہاں سامان کا معائنہ ہوتا ہے اور معائنہ پاس پورٹ بذریعہ پولیس ہوتا ہے ایک عملہ تحصیل ہے بارونق مختصر شہر ہے جہاں سرائیں اور گراج اور قہوہ خانہ بہت سے ہیں -

ایرانی سرائے

کسی زمانہ میں جب آمد و رفت بذریعہ قافلہ ہوتی تھی کاروان سرائے ایک آرام دہ اور ضروری چیز تھی مملکت ایران میں بھی۔ کاروان سرائے موجود ہیں اکثر منازل میں شاہ عباس صفوی کے تعمیر کردہ سرائیں ہیں جن کو ایرانی عموماً "عباسی" کہتے ہیں بعض سرائیں بہت ہی عمدہ ہیں جن کی عمارتیں پختہ اور کمرے بڑے ہوادار ہیں اور بعض دو منزلہ بھی ہیں ان میں سے اکثر ہندوستان کی طرح میلی کچیلی نہیں ہوتیں۔ جہاں بھٹیاروں کی حکومت رہتی ہے چند میلی کچیلی ہیں جہاں لید اور گھانس کی وجہ سے مچھر اور پسّو پیدا ہو جاتے ہیں اکثر مسافرین کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے ان میں بعض وقفی ہیں جہاں مسافرین کو اپنے قیام کی بابت کچھ دینے کی ضرورت نہیں مگر مسافر بوقت رخصت دربانِ جس کو ایران میں "دالان دار" کہتے ہیں بطور انعام کچھ دیدیتے ہیں عموماً ایسی کاروان سرائے میں جس میں مسافرین سے معمولی کرایہ لیا جاتا ہے ایک روز کے لیئے ہر کمرے کا کرایہ ایک یا دو قران سے زیادہ نہیں ہوتا یہاں مختصر بازار اور قہوہ خانہ بھی ہوتا ہے جہاں کھانے پینے کی اشیا ملتی ہیں ایسی بہت سے سرائین
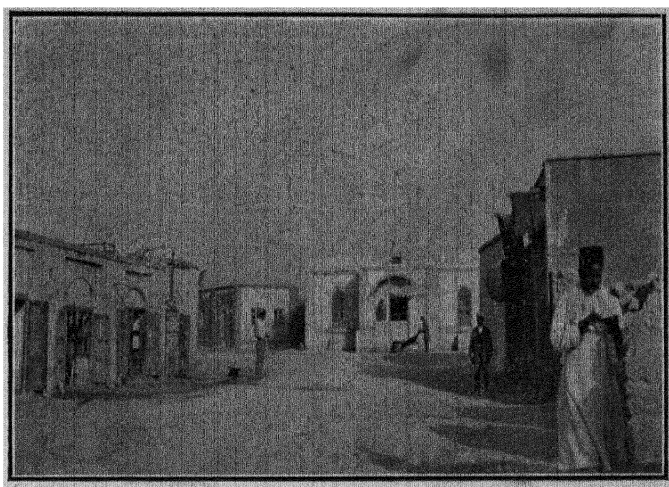
قصر شیرین (ایران)

شاہ آباد (ایران) شاہ ایران کا تیورنگ ہوز

ہیں جن میں اب بھی زائرین اور مسافر جو قافلہ کے طور پر گھوڑوں یا عربانوں کی سواری سے آتے ہیں ٹھیرتے ہیں۔ یہ بہت کم اکثر کاروان سرائے اس زمانہ میں ویران پڑی ہیں ان کی جگہ گاراجوں نے لے لیا ہے اور اب ان کا زیادہ رواج ہے۔

ایرانی گاراج

دس سال کے جب قبل موٹریں ایران میں آئیں اس کے ساتھ ہی ساتھ گاراج بھی قائم ہوگئے ایرانی زبان میں فرانسیسی لفظ "گاراج" شامل ہوگیا ہے۔ موٹر کو اٹوموبیل کہتے ہیں یہ بھی فرانسیسی لفظ ہے جو ایرانی زبان میں آگیا ہے عراق میں موٹر کو "سیارہ" بھی کہتے ہیں اور اٹوموبیل بھی۔ مگر یہاں اٹوموبیل ہی کہا جاتا ہے کل مملکت ایران میں قصر شیریں سے زرداب تک ہر بڑے شہر میں گاراج موجود ہیں بعض میں بہت بڑی وسعت ہے ایک وقت میں کئی موٹر کار ایک ہی موٹر خانے میں رکھے جاسکتے ہیں۔ مالک موٹر کار یا ڈرائیور اپنی موٹر کار کو موٹر خانہ میں بند کر کے کواڑ کو قفل لگا دیتا ہے معمولی کرایہ مالکِ گاراج کو بحساب یومیہ ادا کرنا پڑتا ہے ہر گاراج میں ایک پانی کا حوض ہوتا ہے جو موٹر دھونے اور صاف کرنے کے کام آتا ہے گاراج کے صدر دروازہ کے ملحق ایک کمرہ ہوتا ہے جس کو بطور آفس کے استعمال کرتے ہیں۔ آفس کے کمرہ کی دیوار پر مملکت ایران کا ایک بڑا نقشہ آویزاں رہتا ہے تاکہ مسافر جس سمت کو سفر کرنا چاہیں وہاں کی مسافت اور منازل معلوم کر لے سکیں۔ بڑے شہروں کے گاراج میں ٹیلیفون بھی

ہوتا ہے ضروری کا غذات ترتیب سے میز پر رکھے رہتے ہیں گرد
کرسیاں اور بینچ ہوتے ہیں ایک گوشہ میں انگریزی ترازو رکھی رہتی ہے
جس سے مسافرین کا اسباب وزن کرتے ہیں۔ عموماً فی کس پانچ من
تبریزی سامان مفت لیجانے کی اجازت ہے (ایک من تبریزی
ساڑے تین سیر انگریزی کے برابر ہوتا ہے) بقیہ سامان پر محصول
لے لیتے ہیں جو مسافت کے حساب سے معین کیا جاتا ہے
اکثر موٹروں کا کرایہ دلالوں کے معرفت طے پاتا ہے۔ اگر کوئی شخص
اپنے طور کرایہ طے کرلے تو بھی کوئی دشواری نہیں ہوتی فریقین میں کرایہ
طے ہونے کے بعد گاراج کا مالک یا منیجر ایک مطبوعہ فارم پر جس کے
تین حصے ہوتے ہیں کرایہ نامہ اور شرائط لکھ کر ایک مسافر کو دوسرا
موٹر والے کو دیتا ہے تیسرا اپنے دفتر میں رکھتا ہے احاطہ گاراج میں
کمرے ہوتے ہیں بعض میں دو منزلہ بھی جس میں مسافرین قیام
کرتے ہیں۔ بعض گاراجوں کے کمروں میں ضروری فرنیچر بھی ہوتا
ہے جیسے پلنگ۔ میز۔ کرسی وغیرہ اور اسی گاراج کے ایک گوشہ میں
ایک قہوہ خانہ ہوتا ہے جہاں کھانے پینے کی اشیار خام وپختہ ملتی ہیں
مسافر ایک یا دو روز حسب ضرورت قیام کرسکتے ہیں کمرہ کا کرایہ
عموماً پورے روز کے لیئے ایک یا دو قران ہوتا ہے اور خوراک کا
انتظام خود کرلیں یا قہوہ خانہ سے پکا پکایا لیکر کھائیں تین وقت کے
کھانے پر عموماً روزانہ دو تین قران سے زیادہ نہیں صرف کرایہ اور
اکل وشرب کے لیئے عموماً چار یا پانچ قران دینے پڑتے ہیں۔ گاراج
یہاں بہت آباد ہیں مسافران میں ہمیشہ ٹھہرے رہتے ہیں۔ ان گاراجو

سے مسافرین و سیاحوں کو بے حد آرام ملنے لگا ہے۔
قصر شیرین سے ہفتہ میں ایک روز جنگرس ایر سرویس (ers Air service) کا ہوائی جہاز بھی نکلتا ہے جو کرمان شاہ ہمدان اور طہران جاتا اور طہران سے قصر شیرین۔ ہمدان و کرمانشاہ ہوتے ہوئے آتا ہے۔ قصر شیریں سے طہران تک مسافت چھ گھنٹوں میں طے کرتا ہے اس وقت قصر شیریں سے کرمان شاہ تک کرایہ ایک سو اسی ہمدان تک دو سو اسی اور طہران تک پانچسو پچاس قران فی کس دینا پڑتا ہے تین سال سے سات سال کے بچوں کو نصف کرایہ دینا ہوتا ہے مگر شیر خوار مفت سفر کر سکتے ہیں فی کس اخراجات دیکر پچہتر کیلوس وزن تک سامان ساتھ رکھ سکتا ہے اس سے بڑھ کر رکھنا ممکن نہیں۔ فی کیلوس کا کرایہ ساڑے پانچ قران کے حساب سے تیس کیلوس تک لیا جاتا ہے اس کے اوپر فیصدی پچاس کے حساب سے لگایا جاتا ہے۔
بذریعہ سڑک سامان روانہ کرنے کا انتظام بھی وہی سرویس کرتی ہے۔ اکثر حضرات بغداد سے ریل میں خانقین تک وہاں سے موٹر میں یہاں آکر یہاں سے ہوائی جہاز کے ذریعہ دیگر مقامات کو جاتے ہیں۔
خسرو پرویز نے جو ساسانیوں کا ایک حکمران گزرا ہے ساتویں صدی عیسوی میں ایک قصر اپنی معشوقہ شیرین کے لیئے بنوایا اس کے کھنڈرات یہاں سے قریب ہی میں موجود ہیں جس کے دیکھنے سے ایک خاکہ قصر کی اصلی حالت کا ذہن میں

آسکتا ہے۔ اس قصر کی عرب مورخین نے بڑی تعریف کی ہے
یہ شہر بھی اسی قصر کے نام سے نامزد کیا گیا ہے۔
قصر شیریں سے کرمان شاہ تک بھی ملک کی ویسی ہی حالت
ہے جیسی اوپر بیان ہوئی راستہ پر موٹر کاریں اور موٹر بسس آتی جاتی
دکھائی دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ عربانے جو سامان اور آدمیوں سے
لدے ہوئے ہوتے ہیں قاطر اور گھوڑے معہ سامان اور آدمیوں کے
ادھر اُدھر آتے جاتے ملتے ہیں۔ اکثر گھاٹیوں کے راستہ ایسے
پیچدار اور تنگ موڑوں سے گزرتے ہیں کہ موٹر کار کو جب تک
بڑا ہوشیار چلانے والا نہ ہو خطرہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر عرب اور
ایرانی ڈریور بہت ہوشیار ہوتے ہیں بہت ہی ہوشیاری اور
ساتھ ہی ساتھ تیزی سے خطروں کو بچاتے ہوئے چلاتے ہیں درمیان
قصر شیرین و کرمان شاہ کسی زمانہ میں راستہ بہت ہی خراب اور
مخدوش تھا اکثر قافلے لوٹے جاتے تھے جانیں تلف ہوتی تھیں
جب سے رضا شاہ کی حکومت ایران میں قائم ہوئی ہے بہت
امن ہو گیا ہے اس حصہ ملک کو کردستان کہتے ہیں یہاں کی
زبان بھی فصیح نہیں ہے قصر شیرین اور کرمان شاہ کے درمیان
ایک قریہ ہارون آباد کہلاتا تھا مشہور ہے کہ اس کو ہارون الرشید
نے آباد کیا تھا یہ اب شاہ آباد کہلاتا ہے۔

شاہ آباد

شاہ آباد کا موقع بہت ہی دلچسپ ہے۔ نہریں بہتی ہیں

اور ہر طرف زراعت ہوتی رہتی ہے باغات بھی ہیں موجودہ شاہ ایران کا ایک مکان مغربی طرز کا بنا ہوا الیب سٹرک ہے۔ جس کے دو حصہ ہیں ایک زنانہ اور دوسرا مردانہ مکان وسیع اور آراستہ ہے اس کے گرد ایک مختصر باغ ہے۔ جب کبھی شاہ ایران یا اعلیٰ عہدہ دار دورہ پر اس طرف آتے ہیں تو اس مکان میں قیام کرتے ہیں گویا یہ تفریح گھر (بور ہوزہ) ہے اس سے ملحق ایک شفاخانہ اور ایک مدرسہ معہ بورڈنگ کے ہے جس میں لڑکوں کی تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ اکثر یتیم لڑکے پڑھتے ہیں انھیں قالین بافی بھی سکھائی جاتی ہے رہنے کے لیے عمدہ کمرے ہیں کھانے کا انتظام مغربی طرز پر ہے وسط بورڈنگ میں پانی کا حوض ہے اور نماز کے لیئے خاص جگہ ہے مجھے صدر معلم کی مہربانی سے مدرسہ اور بورڈنگ کا معائنہ کرنے اور بچوں کو کام کرتے ہوئے اور پڑھتے ہوئے دیکھنے کا موقع مل گیا معلم صاحب بیان کرتے تھے کہ اس مدرسہ کے اخراجات شاہ رضا شاہ اپنی جیب سے ادا فرماتے ہیں۔

یہاں کے دواخانہ کا بھی معائنہ کرنے کا اتفاق ہوا ڈاکٹر ایرانی ہے شفاخانہ بہت ہی پاک و صاف حالت میں ہے اور سامان اور ادویہ سلیقہ سے رکھی گئی ہیں۔ داروغہ مکان نے ہم کو مکان کا معائنہ کروایا یوں تو یہاں کے کل ایرانی خلیق پائے گئے مگر ایک نوجوان مرتضیٰ خوانساری جو مہندس فلاحت ہیں اور یورپ کے تعلیم یافتہ فرانسیسی اور روسی اچھی بولتے ہیں اور

انگریزی سے بھی واقف ہیں بڑے مہمان نواز ہیں۔ اسی مدرسہ کے متصل ایک مختصر قہوہ خانہ بھی ہے جہاں چائے ایرانی تمباکو اور سگریٹ جو نہایت عمدہ ہوتا ہے اور ضروری اشیاء خوردنی بھی ملتی ہیں زائرین اور سیاح تھوڑا وقت یہاں گزار کر روانہ ہوجاتے ہیں اور کرمان شاہ پہنچتے ہیں

کرمان شاہ

کرمان شاہ بلندی پر واقع ہے۔ ہر موسم میں یہ مقام بہت سرد رہتا ہے یہ کردستان کا پایہ تخت اور گورنر کا مستقر ہے یہاں کل محکمہ جات ریاستی تار پوسٹ آفس اور امپیریل بینک آف پرشیا کی شاخ بھی ہے۔ ہوائی جہاز قصر شیریں سے طہران اور طہران سے قصر شیریں جاتے ہوئے یہاں ٹھہرتے ہیں۔ اس شہر میں ممالک خارجی کے قونصل بھی رہتے ہیں۔ خیابان لالہ رخ میں برٹش قونصل کی ایک کوٹھی ہے۔ شہر میں قدیم اور جدید دونوں طرز کی عمارتیں ہیں قدیم شہر کے بازارات مسقف ہیں اور شہر جدید کی سڑکیں کشادہ ہیں جن کی دونوں جانب عمارتیں دو منزلہ اور بعض سہ منزلہ بھی ہیں سرائیں اور گاراجیں اور قہوہ خانہ ہیں کئی مغربی طرز کے ہوٹل بھی ہیں سب میں گرینڈ ہوٹل بہت آراستہ ہے جس کا انتظام عمدہ اور کرایہ بہت ہی سستا ہے اس کے سامنے دوکانیں اور گاراج وغیرہ ہیں غرض کہ یہ بہت ہی عمدہ مقام پر واقع ہے کرمان شاہ میں قالین۔ گلیم۔ جراب وشال۔ گیوہ (ایرانی ساختہ جوتا) اور

کرمان شاہ (ایران)

بہت ہی خوبصورت رنگ برنگ کی تسبیح بنائی جاتی ہیں۔ کرمان شاہی
تسبیح بہت مشہور ہے۔ سابق میں یہاں ایک اندھا عبداللہ نامی
تسبیح بنایا کرتا تھا۔ کسی کی مٹی میں چاندی کی ریت اور کسی میں سونے
کی ریت بعض میں دونوں ملا کر قمقام کر کے تسبیح کے دانے بناتا تھا
جس کا نام کار عبداللہ ہی مشہور ہے وہ بہت ہی قیمتی ہوتی تھی جب سے
وہ مرگیا ہے اس کی تسبیح نادر ہوگئی ہے۔ اور اب وہ جن کے پاس
ہے بہت ہی قیمتی سمجھی جاتی ہے۔ اِس زمانہ میں جو تسبیح یہاں بنتی
ہیں بہت ہی عمدہ ہوتی ہیں۔ یہاں قدرتی برف ہمیشہ ملتا ہے
اور بہت ارزاں ہوتا ہے یہاں زراعت اچھی ہوتی ہے اور
میوہ جات بہت ہیں۔

شہر کے جانب شرق اندازاً تین میل کے فاصلے پر طاق
بستان نامی ایک مقام ہے جو یادگار خسرو پرویز ہے۔ اچھی سیرگاہ
ہے۔ یہاں پہاڑ میں دو گہری کمانیں تراشی گئی ہیں ان میں کی ایک
جو بڑی ہے اس کی بلندی اندازاً تیس فیٹ ہوگی اور کشادگی بائیس
فیٹ ہوگی جس کے اندر نقش ونگار کیا گیا ہے اور کمان کے سر پہ
ہلال نو کندہ ہے اور ایک دیوار اندر اٹھائی گئی ہے جس سے
دو حصہ جدا ہوگئے ہیں اوپر والے حصہ میں خسرو کی تصویر ہے اور
نیچے والے حصہ میں اور تصویریں ہیں یہ صنعت یونانی ہے اور اس
زمانہ کی تعمیر شدہ ہے جب کے ساسانیوں کا اقبال اوج پر
تھا۔ اس کے سامنے ایک بڑا حوض ہے اس میں پہاڑ کے اندر سے
ایک نہر صاف پانی کی لائی گئی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ نہر فرہاد شیرین

کے واسطے پہاڑ کاٹ کے لایا تھا۔ اس کا پانی شیریں ولطیف ہے لوگ پیتے ہیں۔ اور اس سے زراعت بھی ہوتی ہے۔ سیاحوں کے لئے یہ مقام قابل دید ہے۔

کرمان شاہ سے دو راستے نکلتے ہیں ایک ہمدان جاتا ہے اُدھر کی سڑک اچھی ہے اس پر سے آج کل لوگ طہران جاتے ہیں اور دوسری راہ قُستم کو جاتی ہے یہ بھی پختہ سڑک ہے مگر بہت ہی تنگ ہے اور بعض مقامات ایسے ہیں جو بہت ہی خراب اور پر از خطرہ ہیں موٹر کو بہت ہی ہوشیاری سے لیجانا پڑتا ہے گورنمنٹ ایران کو اس طرف تھوڑی توجہ کی ضرورت ہے اگر توجہ کرے تو راستہ آسانی سے اچھا ہو جا سکتا ہے اور جس حصہ ملک میں سے یہ سڑک جاتی ہے ایسا سر سبز و شاداب نہیں اکثر پہاڑوں کی حالت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں لوہا ہے اور کیا عجب ہے کہ اس مقام پر زلزلہ بھی ہوتا ہو پہاڑ بالکل ڈراونے ہیں سبزی مطلق نہیں اور راستہ زیادہ آباد بھی نہیں ہے بہت ہی کم لوگ پیدل یا سواری میں یا موٹریں گزرتے ہیں۔ مگر پولیس کا انتظام اور امن ہے یہ انتظام قابل تعریف ہے کرمان شاہ سے شاد شاں تک اندازاً نو گھنٹوں میں سفر طے کیا جاتا ہے حالانکہ فاصلہ ایسا زیادہ نہیں ہے کرمان شاہ سے تقریباً ۱۵۰ میل ہوگا تاخیر کا سبب یہ ہے کہ راستہ کی خرابی کے باعث موٹر کی رفتار بہت دھیمی رہتی ہے اور کچھ تو کھانے کے لئے اور کچھ موٹر کے انجن کو ٹھنڈا کرنے ٹھیرنا بھی ہوتا ہے۔ جب ہم چلے تھے تو گرمی بھی تھی آرام لینے کے خیال سے تھوڑی دیر طایر نامی مقام میں

ٹھیرے اور پھر آٹھ بجے صبح کرمان شاہ سے روانہ ہوکر پانچ بجے شام کے مقام شادشان پہنچ گئے۔

شادشان اور زیارات ملک ایران

شادشان ایک چھوٹا سا قریہ ہے۔ ایران ایک سرسبز و شاداب ملک ہے آب و ہوا یہاں کی نہایت لطیف اور پاک و صاف ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ ملک تمدن اور شائستگی میں مشہور عالم تھا۔ یہاں کی تہذیب اور معاشرت ایشیاء کے تمام ممالک میں بہترین خیال کی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں دنیا کی اعلیٰ تہذیب اور اعلیٰ شائستگی کا سرچشمہ ایران مانا جاتا تھا تمام عالم نے تہذیب و شائستگی اسی ملک سے حاصل کی اور یہ ملک ہر قسم کی خوبیوں کا مرکز قرار پایا ایرانی مدبر، شجاع۔ ذہین۔ عقیل۔ دوراندیش سمجھے جاتے تھے اس ملک میں اسلامی حکومت قایم ہونے سے پہلے حضرت سلمان فارسی اسلام قبول کر چکے تھے اور حضرت پیمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اصحاب میں تھے جن کو آنحضرت و آل بیت سے خاص انس تھا۔

جب ملک ایران تابع اسلام ہوگیا تو حضرت شہربانو آخری ساسانی بادشاہ ایران کی دختر بندی بنا کر مدینہ میں لائی گئیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے عقد میں آئیں ان کے بطن سے امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے اور سلسلہ امامت آپ کی نسل میں رہا ایرانی آج تک فخر کرتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے اسلام قبول کیا اور اصحاب رسول صلعم میں شامل ہوا وہ ایرانی ہی تھا اور اولاد رسول کا سلسلہ

بھی ایران کی شہزادی سے چلا غرض کہ بعد فتح ایران علوم اسلامیہ اور
فنون حکمیہ کا اس ملک میں نشر ہوا تو بڑے بڑے علما و فضلا اس ملک
میں پیدا ہوئے جب بنی عباس نے اپنی حکومت بمقابلہ بنی امیہ
حاصل کرنے کی کوششیں شروع کیں تو اسی ملک میں اپنا پروپاگنڈا
PROPAGANDA جاری کیا جس میں خاندان ہاشم علی الخصوص
آل رسولؐ کی فضیلت کو قایم کرتے ہوئے بنی امیہ کے ظلم و بدکاری کو
ظاہر کرتے جاتے تھے اہل ایران کے دلوں کے اس طرف میلان کا
باعث ہی تھا اور اسی میں بنی عباس کی کامیابی ہوئی پھر تو ہوا کا
رخ بدلا اہل بیت رسولؐ و عترت طاہرہ کی عظمت مسلمانوں کی
نگاہوں میں دوبارہ قایم ہوئی اور تمام ملک حقیقی اسلام کی دولت
سے مالا مال ہوگیا۔ اس میں تو کسی بات کا شک نہیں کہ بعد وفات
رسول خدا دنیا محمد و آل محمد سے ایسی برگشتہ ہوگئی تھی کہ جو مقامات
تمام ذی حیات اور جانداروں کے لیئے جائے امن قرار پائے تھے
وہاں بھی آل محمدؐ اور دوستان عترت طاہرہ کو امن چین نہ نصیب
ہوتا تھا ہر وقت جان کا خوف اور کھٹکا لگا رہتا تھا اور دشمنان
آل محمد یہ چاہتے تھے کہ نسل محمد و آل محمد کو دنیا سے منقطع کریں لیکن
مشیت ایزدی ایسی نہ تھی دشمنان دین اپنے اس ارادہ میں کامیاب
نہ ہو سکے اور نسل محمد و آل محمد کو دنیا سے منقطع نہ کر سکے بلکہ خدا تعالیٰ
نے ایسے اسباب خلق فرمائے کہ دنیا آل محمدؐ کے وجود سے اپنے واسطے
ذخیرہ آخرت جمع کر سکے ۔ سادات اولاد ائمہ علیہ السلام اور دیگر خاص
شیعاؤں نے اس ملک کو اپنی تشریف آوری سے عزت بخشی اور

اسی مقام پر سکونت و بود و باش اختیار فرمائی تاکہ دشمنان دین کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں۔ آہستہ آہستہ یہ خطہ مقدس سادات اور شیعاؤں کا ماوا اور جائے پناہ ہوگیا۔ اور بزرگان دین اور علماء و فضلاء اگر آباد ہوگئے انھیں کا اثر ہوا کہ ایرانیوں میں شیعاؤں کے اعتقادات پھیل گئے اور حکومت بھی ایک عرصہ سے شیعہ حاکموں کے ہاتھ میں رہی عموماً جو مذہب حکومت کا ہوتا ہے اس کا زیادہ اثر ضرور ملک پر بھی پڑتا ہے۔ اسی کا باعث ہے کہ ایران کو کل شیعہ اور سادات اور اولاد ائمہ سے محبت و اعتقاد ہے۔ غرض کہ اس ملک میں بزرگان دین بس گئے اور ان حضرات کے مزارات اور مقابر سے اس ملک کو شرف حاصل ہوا۔ آل محمد و عترت طاہرہ بیش بہا در جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ کاظمین سے شادشان تک راہ کے اکثر قریوں میں امام زادوں اور سادات کے مزاراں ہیں لنگ وار میں روضہ سید ابراہیم ابن عبداللہ ابن زین العابدین علیہ السلام اور برست میں عترت امام موسیٰ کاظمؑ سے سید بیر علی کا مزار ہے تیز آباد میں روضہ سید ابوالحسن اور زینت الملقب بہ آمنہ عترت و اولاد امام زین العابدین علیہ السلام ہے سا ر ق میں مزارات عترت امام زین العابدینؑ ہیں جنھیں قابل ذکر عبداللہ جعفر۔ علی۔ صالح۔ ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ یعقوب محمد۔ زید۔ عسکر۔ حسین ہیں اور ان کی اولاد غرض کہ کل بتیس ۳۲ مرد چالیس عورتیں مامون الرشید کے حکم سے حسن سیاہ گوش سمانی نے اس جگہ گرفتار کیں اور شہید کیا اولا شگرد کے قریہ میں حسین فرزند زین العابدینؑ اور زینب بنت امام موسیٰ کاظمؑ کا مزار ہے سید علی اور رحیمہ ابن قریہ

کے جانب قبلہ دفن ہیں اور شاد شان میں مزار امام زادہ سید محمد فرزند
امام موسیٰ کاظمؑ کا ایک احاطہ میں گنبد ہے اس کے پیچھے مزار واقع ہے
خاص انتظام واہتمام سے تعمیر نہیں ہوئے۔ اور نہ کوئی خاص انتظام
وبندوبست ہے مگر صاف وپاک ہے خادم ہیں زیارت آویزاں ہر
زائرین یہاں فاتحہ پڑھتے ہیں یہی سلسلہ خراسان تک ہے جس کی تفصیل
اپنے اپنے مقام پر آئے گی غرض کہ زائرین یہاں زیارت سے فارغ
ہوکر تھوڑے وقفہ کے بعد نکلتے ہیں تو داخل قم ہوتے ہیں۔

قم

قم ایران کے قدیم شہروں میں سے ایک شہر ہے اور مقدس
مقام ہے جو کاشان اور طہران کے درمیان اندازاً تقریباً ۹۰ نوے میل کے
فاصلہ پر طہران کی جنوب ایک برساتی ندی کے کنارے واقع ہے
یہاں سے پختہ سڑک اصفہان کو کاشان ہوتی ہوئی جاتی ہے وہی
شیراز ہوتے ہوئے بندر بوشہر تک چلی جاتی ہے بندر بوشہر سے طہران
آنے جانے والا ہوائی جہاز بھی ہفتہ میں ایک وقت اس شہر سے
گزرتا ہے۔ اگر مسافر قم کے ہوں تو ٹھیر بھی جاتا ہے تقریباً تین گھنٹوں
میں موٹر یہاں سے طہران کی مسافت طے کرتی ہے موٹر سروس
بندر بوشہر سے طہران تک ہے جو قم میں سے گزرتی ہے۔ پل سے
پار ہونے کے بعد دروازہ شہر مینا کار ملتا ہے اس کے بعد داخل شہر
ہوتے ہیں۔ شہر آباد ہے مقام تجارتی ہے اور بازار مسقف اسی بازار

ہیں قبر احمد ابن اسحاق جو نائب امام تھے دفن ہیں بازار بہت بڑا ہے
ہمہ قسم کے اشیاء خوردنی اور ضروریات زندگی ارزاں دستیاب ہوتی
ہیں یہاں کی کو یلو نہایت خوش رنگ اور مٹی کے برتن مغربی و مشرقی طرز
کے مثل چینی کے بنائے جاتے ہیں۔ اور رنگین چھاپے کے کپڑے جس کو
قلمکار کہتے ہیں تیار کئے جاتے ہیں۔ سینگ کی اشیاء جیسے دوات قلم
وغیرہ جن پر چاندی سے نقش و گل کاری ہوتی ہے فروخت ہوتے ہیں
یہاں ایک قسم کی میٹھی روٹی ملتی ہے جو بہت ہی خوش ذائقہ ہوتی
ہے یہ چیز یہاں کی خصوصیت میں داخل ہے۔ یہاں حمام۔ قہوہ خانے۔
سرائیں اور گاراج بہت ہیں مسافرین کی کثرت سے آمد و رفت
رہتی ہے اس شہر میں کل شیعہ آباد ہیں اور اکثر عالم و فاضل ہیں لوگ
زیادہ پابند مذہب ہیں ایران کے مقدس شہروں میں خراسان کے
بعد قم خیال کیا جاتا ہے کیونکہ یہاں مزار حضرت فاطمہ کبرا بنت
حضرت موسی کاظمؑ واقع ہے آپ معصومہ قم کہلاتی ہیں آپ کو
اپنے بھائی امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے انحد محبت تھی آپ کے
یہاں دفن ہونے کا واقعہ مشہور یہ ہے کہ جب امام رضا علیہ السلام
کو ملک طوس میں زیادہ عرصہ گزر گیا اور آپ کی کچھ خبر مدینہ منورہ
میں معلوم نہ ہوئی تو اس معصومہ نے اپنے بھائی سے ملنے کے لئے
مدینہ سے سفر غربت اختیار کیا جب داخل شہر قم ہوئیں تو حاکم شہر
نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور آپکی
تشریف آوری کو باعث فلاح و بہبودئی دارین خیال کیا حاکم کی
درخواست پر آپ یہاں فروکش ہوئیں اور حاکم نے ہر قسم کی خدمات

مہمان داری ادا کی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کل شہر کے مرد و زن کسی عظیم الشان اور مقدس ہستی کے ماتم میں سیاہ پوش ہیں۔ شہر کے ہر ہر محلہ اور ہر ہر گھر میں مجالس ماتم برپا ہو رہی ہیں اور گریہ وزاری کی صدائیں ہر گلی و کوچہ سے بلند ہیں یہ ایک دردمند دل کو بیچین کرنے کے لیے کافی تھیں ان دل ہلانے والے واقعات کو ملاحظہ فرما کر جناب معصومہ نے شہر کے باشندوں سے ماتم کا سبب دریافت فرمایا لیکن اہل شہر چاہتے تھے کہ اس واقعہ کو جس کے باعث وہ سوگ میں ہیں اور ماتم کرتے ہیں آپ سے پوشیدہ رکھیں مگر آپ نے مکرر اپنے حق کی قسم دے کر دریافت فرمایا کہ آخر اس ماتم اور عزاداری کا کیا سبب ہے؟ حاکم شہر نے مجبوراً حضرت امام ضامن ضامن علیہ السلام کی شہادت کی خبر سنائی اور واقعات بیان کئے اس خبر وحشت اثر کے باعث اس معصومہ کے قلب نازک پر ایسا اثر ہوا کہ آپنے تیسرے دن اس دنیا سے انتقال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے سنہ انتقال میں اختلاف ہے لیکن اکثروں کا اتفاق ہے کہ سنہ ۲۰۳ھ سنہ ۸۱۹ء میں ہوا۔

جناب فاطمہ کبریٰ کا مزار ایک شاندار اور خوبصورت عمارت کے اندر واقع ہے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ اہل ایران کو خاص اعتقاد عموماً سادات سے اور خصوصاً آل محمد سے ہے اور صفوی بادشاہوں نے اپنے زمانہ حکومت میں مقدس مزاروں کی تعمیر میں دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ وہی فراخ دلی یہاں بھی کام میں لائی گئی ہے تاجداران قاچاریہ بھی اپنی سعادت طلبی میں پیچھے نہیں رہے حکومت ایران

کی فیاضی و اعتقاد مندی سے ایک اعلیٰ درجہ کی عمارت کاشی کی منقش اینٹوں سے تیار ہوگئی ہے۔ روضۂ مبارک کا گنبد اور مینار بہت ہی شاندار اور بلند ہے۔ چاندی سونا مناسب مقاموں پر لگایا گیا ہے اور برقی لیمپ ہر جگہ افراط سے آویزاں ہیں یہ ظاہری شان و شوکت زائرین کے دلوں کو اپنے طرف کھینچ لیتی ہے داخل حرم ہوتے ہیں تو روحانی اثر کا عالم کچھ اور ہوتا ہے جو تحریر سے باہر ہے خادم کفش کن جاروب کش کلید بردار مثل دیگر مقامات متبرکہ کے یہاں بھی موجود ہیں اوقاف بھی ہے جس سے انتظام درگاہ اور اس کی تعمیر و مرمت ہوتی ہے۔

حرم مطہر کے دو کشادہ صحن ہیں ایک قدیم دوسرا جدید ایک مدرسہ بھی ہے جس میں میوہ کے درخت اور خوشنما حوض ہے یہاں طالب علم رہتے ہیں اور درس ہوتا ہے۔ ضریح مقدس میں وعظ ہوتا ہے درود و سلام پڑھا جاتا ہے ہمیشہ زائرین کی کثرت رہتی ہے مقدس ضریح کے عقب میں مسجد ہے اسی کے متصل مقبرہ ہے جس میں شاہ اسمٰعیل شاہ عباس صفوی سلطان شاہ وغیرہ کی قبریں ہیں صحن کے بڑے دروازہ کے متصل ایک مقبرہ ہے جس میں محمد شاہ اور فتح علی شاہ قاچار دفن ہیں جانب شرق ایک بہت بڑا وسیع قبرستان ہے جس میں چار سو چوالیس بزرگان دین اور اولاد فاطمہ علیہ السلام دفن کیے گئے ہیں جن کو بنی عباس کے ظالم بادشاہوں نے قتل کروایا تھا ان واقعات کی تفصیل مشکل نہیں تو سہل بھی نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ جہاں آپ زیارت کو جائیں وہاں تختیوں پر زیارت

خوشنما تحریریں آویزاں کیگئی ہیں اور خادم زیارت پڑھاتے اور حالات بتلاتے ہیں قسم میں مدفون علماء میں سے علی ابن بابو یہ وابن قولویہ اور ابوالقاسم مشہور ہیں روضہ صفورا بنت شعیبؑ اور رقیہ اسی جگہ ہے جہاں سے حضرت ابراہیم نے حجراسود اکھاڑا تھا جب مومنین زیارت عراق سے خراسان کی زیارت کے لیئے دور و دراز سفر اختیار کر کے آتے ہیں تو اس جگہ کی زیارت سے بھی ضرور مشرف ہونا چاہیئے۔

افسوس کہ یہاں کا پانی بہت کھاری ہے نل رسانی کا انتظام حکومت نے اب تک نہیں کیا۔ قم سے طہران جانے والی سڑک پختہ مگر غیر آباد ہے اکثر بیابان میں سے گزرتی اور دریائے نمک کے کنارہ ہوتی ہوئی اندازاً ساٹھ میل چلی گئی ہے پھر رفتہ رفتہ جوں جوں طہران کے قریب ہوتی جاتی ہے کوہ دماون جس کی چوٹی اندازاً اٹھارہ ہزار چھ سو قدم سطح سمندر سے بلند ہے اور جو ہمیشہ برف سے ڈھکی ہوئی نظر آتی رہتی ہے یہ سب ملکر ایک دلچسپ منظر پیش کرتے ہیں۔

ایرانی فوج اور ریل

جب ہم قریہ حسن آباد کے قریب پہنچے تو راستہ میں پندرہ بیس بلکہ پچیس موٹر لاریاں جن میں ایرانی پیدل فوج بھری ہوئی تھی نظر آئیں ہر موٹر میں تیس۳۰ سپاہی سے کم نہ ہوں گے جن کے وردیاں اور ہتھیار اور جن کی ظاہری حالت بہت ہی چست نظر آتی تھی مابعد ایک رسالہ گزرا جس کے ایرانی گھوڑے اور سوار دونوں

کی وردیاں اور کرچ اور بندوقیں بہت ہی باقاعدہ حالت میں تھیں
دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ فوج شیراز کے قریب کسی مقامی سردار
کی سرکوبی اور بلوہ کے اندفاع کے لیئے جارہی ہے ایران کی موجودہ
فوج اچھی حالت میں ہے اندازاً چالیس ہزار سپاہی ہیں جو ہمیشہ مسلح
اور تیار رہتے ہیں علاوہ اس کے جو فوج سرحدوں پر اور بڑے صوبوں
میں ہے اور جو راستوں کی محافظ ہے امینہ کہلاتی ہے۔ رضا شاہ پہلوی
اپنی خاص توجہ سے سنہ ۱۹۲۱ء سے مسلسل مقامی سرداروں کو بے ہتھیا
کرنے اور ان کو زیر حکومت ایران لاتے رہے ہیں یہ سردار کسی زمانہ
میں بالکل خودمختار اور آزاد ہو گئے تھے بلکہ سرکاری مالگزاری بھی ادا
نہ کرتے تھے اور مسافروں کو لوٹ لیا کرتے تھے شاہ موصوف نے اپنے
عدیم المثال انتظام سے فوج کی حالت کو درست کیا ان رہزنوں کو
بے ہتھیار کیا اور سرداروں کو زیر حکومت کیا اس لیئے اب ملک
میں امن اور رہ گزروں کو آرام و طمینان ہو گیا ہے

آج کل ایرانی فوج میں جدید ہتھیار اور آلات جنگ موجود ہیں
اور ان میں روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے۔ شیراز اندازاً طہران سے
چھ سو میل ہوگا ریل نہیں ہے جس کے باعث فوجوں کو ایک مقام
سے دوسرے مقام تک منتقل ہونے میں مشکل پیش آتی ہے طہران
سے اگر فوج نکلے تو شیراز کو پہنچنے تک دس یا بارہ روز سے زیادہ عرصہ
لگ جاتا ہے گو کہ موٹروں سے عرصہ گھٹ جاتا ہے مگر سامان جنگ
جیسا ریل میں جا سکتا ہے موٹر سے ممکن نہیں۔ کل ایران میں جائفہ
سے تبریز تک بڑا اڈ گیج ریل ہے جو روسی ریلوے کی شاخ ہے یہ شاخ

باتم و باکو لین سے ملجاتی ہے طول میں اندازاً سو میل سے بھی کم ہوگی اور
نیرو گیج چھتیس میل ہے شہر احواز سے پچاس میل بیابان طے کرنے کے
بعد ایک دریا دارِ خزینہ نامی ملتا ہے وہاں سے تیل کی کان تک
جو سلسلہ کوہستانی بختیاری پر واقع ہے اور ذرداب سے پندرہ میل پر
مرجاوا نامی اسٹیشن ہے یہاں تک براڈ گیج ریلوے ہے جو اندازاً پندرہ
میل ہوگی یہ ریل بلوچستان اور ہندوستان ریلوے کی شاخ ہے ایک
اور نیرو ریل اب بنی ہے جو طہران اور عبد العظیم کے درمیان اندازاً
آٹھ میل طویل ہے۔ بس خیریت ملک ایران کے لیئے ریلوے کی
سخت ضرورت ہے ۱۹۲۰ء میں مجلس شورہ ملی نے طے کر دیا ہے
کہ محصول تمباکو اور چائے جو محفوظ ہے اس سے ریل ڈالی جائے جو
محمرہ سے نکل کر اصفہان و طہران سے گزرتی ہوئی بندر غذ پر ختم ہوگی جو
ھمدان میں استر آباد کے جنوب میں واقع ہے۔ اگر ذرداب سے
لین لیجا کر خانقین تک ملاتے تو بہت سہولت ہوتی مگر حکومت
کا خیال اس طرف نہیں گیا بلکہ وہ کسی مصلحت کی بنا پر مذکور الصدر
لین کو پہلے تیار کرنا چاہتی ہے سڑکوں کو اچھی حالت میں رکھنے کا
زیادہ انتظام ہے۔ انھیں سے ریل کی ضرورتوں کو سر دست پورا
کرنے کا خیال ہے۔ اور ایسا ہی ہو رہا ہے، سڑکیں جا بجا درست
کی جا رہی ہیں اور نئی تیار کی جا رہی ہیں فوجی ضرورتوں کے مدنظر کل
مملکت ایران کے لیئے ریل سے بہتر کوئی ذریعہ آمد و رفت نہیں،
علاوہ اس کے ملک کی ترقی کا دار و مدار بھی ریل ہی پر ہے۔ ہم کو
راستہ میں عبد العظیم پہنچنے تک برابر فوج ملتی رہی۔
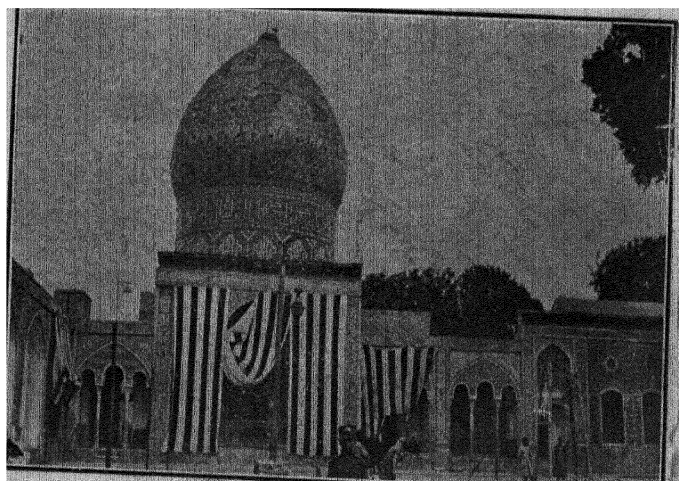
مزار سید طاہر در حضرت عبد العظیم (ایران)

عبدالعظیمؑ

یہاں روضہ مقدس شہزادہ عبدالعظیم علیہ الرحمہ ابن عبداللہ
ابن حسن مثنیٰ ابن حضرت امام حسن علیہ السلام ہے آپ ہی کے نام
سے یہ قریہ آباد ہے۔ اس وقت یہاں اچھی خاصی آبادی ہے اور بازار
مسقف ہیں ہمہ ضروریات زندگی اور کھانے پینے کی اشیاء خام و پختہ
ملتی ہیں یہاں سے نیرو گیج ریلوے طہران کو جاتی ہے طہران یہاں
سے اندازاً آٹھ میل ہے سڑک بھی اچھی ہے اکثر موٹر کار آتی جاتی رہتی ہیں
خصوصاً جمعرات کے روز زیادہ کثرت رہتی ہے لوگ موٹر گاڑی اور
ریل میں آتے ہیں زیارت بھی کرتے ہیں اور تھوڑی سی سیر و تفریح
کر کے واپس ہو جاتے ہیں۔ شہزادہ کا روضہ عالیشان اور خوشنما ہے بہت
خوبصورت عمارت ہے گنبد اور کچھ حصہ میناروں کا اور ایوان طلائی
ہیں۔ ضریح مقدس اور حرم کے دروازے نقرئی ہیں جواہرات اور
قنادیل حسب مناسب آویزاں ہیں ان میں آج کل برقی لیمپ
لگائے گئے ہیں فرش سنگ مرمر کا ہے اطراف صحن ہے ان میں
مختصر باغ اور وسط صحن میں حوض ہے شہزادہ عبدالعظیم کے مزار کے
قریب روضہ حمزہ ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہے اور صحن میں مزار
طاہر ابن امام زین العابدینؑ کا علیٰحدہ گنبد میں ہے۔ یہ بھی عمدہ تعمیر کیا ہوا
ہے رنگین کاشی کی منقش اینٹ کا کام ہے اور عمارت قرآن کی آیتوں
سے مزین ہے۔ اسی احاطہ میں ناصرالدین شاہ قاچار کا مقبرہ ہے۔
خاندان قاچاریہ کے آپ چوتھے حکمران تھے آپ کے زمانہ حکومت

میں ایران نے بے حد ترقی کی۔ آپ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء میں تخت نشین ہوئے
آپ کو شہزادہ عبدالعظیم سے خاص اعتقاد تھا اس روضہ کی تعمیر اور
آرائش آپ کی خاص توجہ سے ہوئی اکثر زیارت کے لیئے آیا کرتے تھے
شاہ نے عام اجازت دی تھی کہ عرضی گزار میشی میں آکر اپنے معروضے
پیش کریں کہتے ہیں کہ درگاہ میں ایک بابی شخص مرزا رضا کرمانی نے
۱۳۱۰ھ ۱۸۹۶ء میں آپ پر طفنچہ کا فیر کیا تھا جس سے آپ کا
وہیں انتقال ہوگیا اور دفن ہوئے آپ کی قبر پر سنگ مرمر کا تعویذ
ہے جس پر آپ کی تصویر معہ لباس و اسلحہ نہایت اچھی کاری گری سے
بنائی گئی ہے۔ میں نے دریافت کیا تھا کہ اس کام کے کرنے والے
ایرانی ہیں یا کہیں باہر کے؟ معلوم ہوا کہ یہ خاص ایران کے ہیں مجھے
اس کام کو دیکھ کر ایرانی فن مصوّری کی بے ساختہ داد دینی پڑی معلوم
ہوتا ہے کہ ایرانیوں میں ہر قسم کی قابلیت خدا نے عطا کی ہے جس
امر کی طرف یہ لوگ توجہ کریں اس میں خاص مہارت اور کمال پیدا
کر لیتے ہیں یہ ایک ایسی صفت ہے، جس سے امید ہوتی ہے کہ
اگر یہ لوگ اس قابلیت کو جو اُن کو عطا ہوئی ہے بجا طور پر کام میں
لائیں تو اگر دنیا کی تمام اقوام پر سبقت نہ لیجا سکیں تو بھی ضرور ان کے
مقابلہ میں پیچھے نہیں رہینگے۔

کل مقامات بہت پاک وصاف رکھے گئے ہیں آراستہ بھی
ہیں بیرون آبادی دروازہ کے متصل آغا محمد صادق حجۃ الاسلام
مرحوم کا مقبرہ ہے غرض شہر طہران تک جا بجا کہیں امام زادوں کے
اور کہیں علماء و فضلا کے روضے اور مقبرے ہیں آبادی سے چار میل

کے فاصلہ پر شارع عام کے جانب شرق ایک پہاڑ ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت شہر بانو کی غیبت کا مقام ہے دامن کوہ سے اوپر ایک نیلگوں قبہ مسجد کا ہے دوسرا قبہ جائے غیبت کا معہ عمارت سنگین بنا ہوا ہے درمیان میں نہر ہے جس کا پانی شیریں صاف اور ٹھنڈا ہے مسجد کی جانب حجرہ کا جو دروازہ ہے اس پر زائرین زیارت پڑھتے ہیں۔ زیارت تختی پر لکھی ہوئی آویزاں ہے اور خادم بھی ہے جو زیارت پڑھاتا ہے ہر جگہ کی طرح یہاں بھی خادم کو اجرت دینی پڑتی ہے حجرہ کے اندر جہاں صندوق غار ضریح ہے غیر سید اور زن حاملہ کو جانے کی اجازت نہیں ہے لوگ کثرت سے زیارت کیلئے آتے ہیں مقام دلچسپ ہے یہاں سے بذریعہ موٹر کار پندرہ منٹ میں داخل شہر طہران ہوتے ہیں۔

ملک ایران اور اُس کا پائے تخت

رقبہ و آبادی

موجودہ مملکت ایران ایک وسیع مملکت ہے جس کا رقبہ چھ لاکھ تیس ہزار مربع میل ہے جو جرمنی۔ فرانس۔ اسپین۔ ان تینوں ملکوں کے مجموعی رقبہ کے برابر ہے آبادی ایک کروڑ ہے کیونکہ مملکت کا زیادہ حصہ پہاڑوں جھیلوں دریاؤں اور بیابانوں سے بھرا ہوا ہے۔

معدنیات

مملکت ایران میں ٹوپاس (Topaz) زمرد۔ نیلم کارنیلین (Cornelian) پارہ۔ کوئلہ۔ چاندی۔ سونا۔ لوہا

تانبا ۔ سیسہ میگنیس (Manganese) بورکس (Borax)
آس بس ٹوس Asbestos فیروزہ ۔ اور مٹی کے تیل کی کانیں
ہیں ان کے علاوہ نمک اور گندھک بھی نکلتی ہے ۔ تاریخوں سے
معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں زمرد ۔ نیلم ۔ ٹوپاس کارنیلین بہت
نکالا جاتا تھا شاہ عباس نے بھی کچھ توجہ ان جواہرات اور فلزات
کے نکالنے کی طرف کی تھی گو اس زمانہ میں بیکار تھا تاہم فائدہ مند
نہ ہونے کے باعث یہ کام موقوف کردیا گیا انگلش مننگ کارپوریشن
(English mining corporation) نے ادھر توجہ کی تھی ۔ اس
نے معدنیات کو بے حساب پایا مگر ذریعہ آمد و رفت کی دشواری
اور لکڑی کمیاب ہونے کے باعث کام نہ چل سکا ۔ اس وقت بھی
فیروزہ نیشاپور کے قریب سے نکالا جاتا ہے طہران سے تیس میل
کے فاصلہ پر کوئلہ کی کان کا کسی انگریز نے اجارہ لے لیا ہے ریل
نہ ہونے کے باعث اس کو مشکل کا سامنا ہوتا ہے اور فائدہ زیادہ
نہیں حاصل ہوتا مٹی کے تیل کا کام اچھا چلتا ہے وہ بھی انھیں
مقامات پر جو قریب سمندر ہیں ۔ موتی نکلنے کا کام بھی جاری ہے ۔
غرض ایران میں معدنیات بہت ہیں مگر یہ کام میں نہیں لائے جاتے
اس کے لیئے سرمایہ بیرونی یا مقامی کی سخت ضرورت ہے ! اس کے
علاوہ ریل بھی ناگزیر ہے گو حکومت کی توجہ اس طرف ہو رہی ہے
مگر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے ۔

تاریخ

اس ملک کی قدامت کا پتہ دو ہزار سال قبل پیدائش مسیح

تک چلتا ہے۔ جب آریہ قوم وسط ایشیا سے ایران میں آکر مقیم ہوئی ہے اس وقت اس ملک کی جو حالت تھی اس کی اگر تفصیلی حالت لکھی جائے تو کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہوگی مختصر سی تاریخ کے لیئے بھی میری یہ کتاب بالکل ناکافی ہے چند اشارے کافی ہیں۔

(۷۰۰) سال قبل مسیح سلطنت مدی کی ابتدا ہوئی اور سکہ بنایا گیا گویا یہ ایران کا پہلا سکہ تھا سنہ ۵۵۰ قبل پیدائش مسیح میں سیروس کبیر نے ایران کو فتح کیا تو حکومت مدی نیست و نابود ہوگئی۔ پھر سنہ ۲۲۶ء تک ایران جولان گاہ جنگ وجدال رہا کبھی یونانیوں کبھی مقامی خاندانوں اور کبھی رومیوں کی زیر حکومت رہا پھر مستقل حکومت خاندان ساسانیہ کی قایم ہوئی جس کے آثار بے شمار ایران اور اطراف ایران میں جابجا نظر آتے ہیں۔

جب اسلام کا دور شروع ہوا اور فتوحات کا آغاز ہوا تو اول ملک شام فتح ہوا۔ بیت المقدس اور مصر پر قبضہ ہوا اس کے بعد ایران کی نوبت آئی۔ سنہ ۶۳۵ء م سنہ ۲۱ھ سے اسلامی نشان ملک ایران پر اڑنے لگا تمام ملک تابع اسلام ہوگیا عہد حکومت بنی اُمیہ میں ایران شام کا صوبہ رہا۔ زوال بنی اُمیہ کے بعد جب حکومت بنی عباس قائم ہوئی تو ایران بغداد کا صوبہ ہوگیا۔ جب بنی عباس کی حکومت کمزور ہوئی اور آثار زوال پیدا ہوئے تو طوائف الملوکی کا زمانہ آیا ان کی جد وجہد سے ایران بھی محفوظ نہ رہا۔ سلاطین صفاریہ، سامانیہ، آل زیاد، آل بویہ، غزنوی۔ سلجوقیہ کا ہنگامی قبضہ اور عارضی حکومت رہی سنہ ۱۱۷۵ء م سنہ ۵۷۱ھ میں ظہور

چنگیز خاں ہلاکو ہوا ۱۲۶۹ء م ۶۶۷ھ میں امیر تیمور کی مدد سے خوارزم شاہ نے ایران فتح کیا اس خاندان کی حکومت اندازاً ایک سو تیس سال رہی من بعد یعنی ۱۴۹۹ء م ۹۰۵ھ میں حکومت صفویہ کی ابتدا ہوئی۔ اسمعیل شاہ اس کے بانی ہیں اور خاتمہ شاہ سلطان حسن صفوی پر ہوتا ہے اس خاندان کی حکومت تقریباً دوسو چودہ سال تک رہی اس حکومت کے آثار اور عمارات صرف ایران ہی میں نہیں بلکہ عراق میں بھی نظر آتی ہیں ان کی پچھلی شان وشوکت کا بڑا اثر دیکھنے والوں کے دلوں پر ہوتا ہے ۱۷۱۳ء م ۱۱۲۵ھ میں ایران پر چند روز افغانوں کی حکومت رہی روسی اور ترکی حملہ بھی ملک ایران پر ہوتے رہے اور کچھ ملک ان کے قبضہ میں چلا گیا ۱۷۲۷ء م ۱۱۳۹ھ میں نادر قلی کا ظہور ہوا جو بعد نادر شاہ مشہور ہوئے اپنی خداداد جرات اور شجاعت سے افغانیوں کو ملک سے نکال دیا کھویا ہوا ملک ہی واپس نہیں لیا بلکہ دوسرے ممالک کی دولت بھی ایران میں جمع کی ۱۷۴۷ء م ۱۱۶۰ھ میں نادر شاہ قتل ہوا اور کریم خاں زند کی سلطنت قایم ہوئی اس خاندان کی حکومت تخمیناً سینتالیس سال رہی ۱۷۹۴ء م ۱۲۰۸ھ میں آغا محمد خاں قاچار تخت ایران کا مالک ہوا اور ان کے خاندان کی حکومت کا آغاز ہوا محمد شاہ اور فتح علی شاہ کے بعد ناصرالدین شاہ کا زمانہ آیا تخمیناً پچاس سال ان کی حکومت رہی خاندان قاچاریہ کے بادشاہوں میں یہ بہترین خیال کئے جاتے ہیں ملک میں بہت سی اصلاحیں ہوئیں تار لگایا گیا مدارس قایم ہوئے امپریل بنک آف پرشیا قایم کیا تومان کے نوٹ ایجاد ہوئے

غرض کہ انھیں کے زمانہ میں ایرانیوں میں ایک بیداری سی پیدا
ہو گئی مظفر الدین شاہ کے آخری زمانہ یعنی سنہ ۱۹۰۶ء م سنہ ۱۳۲۴ھ میں
دستور سلطنت نیا بنایا گیا اس کے پانچ روز بعد شاہ کا انتقال ہو گیا
ان کے ناقابل جانشین محمد علی شاہ نے کانسٹی ٹیوشن کے خلاف
حکومت کرنا چاہا ملک میں خانہ جنگی شروع ہو گئی کساکس (Cossacks)
نامی فوج شاہ کے طرفدار تھی اور قوم کے جانب دار بختیاری رہے
اس کشمکش جد و جہد کے بعد محمد علی شاہ تخت سے اتار دیئے گئے اور
احمد شاہ بارہ سال کا لڑکا تخت ایران پر سنہ ۱۹۰۹ء م سنہ ۱۳۲۷ھ میں
بٹھادیا گیا تخمیناً گیارہ سال کے عرصہ تک ملک کی حالت بالکل
خراب رہی آمدنی گھٹ گئی انتظام ریاست درہم و برہم ہو گیا
راستے مخدوش ہو گئے جرائم کی کثرت تھی صوبہ اور مقامی سردار
خود مختار ہو گئے وزرا جن جن محکموں میں تھے اس کے اپنے آپ کو
مالک خیال کرنے لگے رشوت کا بازار گرم ہوا عہدے فروخت
ہونے لگے فوج بے ترتیب ہو گئی یوں تو سابق میں روس شمالی حصہ
لے چکا تھا اب اس کا زور بڑھتا گیا بہت سا ملک روس کے
قبضہ میں بزور شمشیر نہیں بلکہ مالی امداد اور حکمت عملی سے آگیا تھا۔
علیٰ ہذا جنوب میں برٹش زور ترقی کر گیا تھا وہی مالی امداد و حکمت عملی
سے ان کا بھی ملک پر قبضہ ہو گیا تھا۔ جب شمال سے دباؤ پڑتا تھا
تو جنوب سے امداد چاہی جاتی تھی اور جب جنوب سے اثر ڈالا جاتا
تھا تو شمال کی مدد چاہی جاتی تھی بہر حال دونوں طرف کی کشمکش میں
غریب ایران کی جان معرض خطر میں پڑ گئی تھی۔ بری حالت تھی

رضا شاہ پہلوی - شاہ ایران

اسی زمانہ میں جنگ عظیم شروع ہوئی اور ختم ہوگئی۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ایران میں بیداری پیدا ہوگئی تھی ہمدردان ملک نے وقت کو غنیمت سمجھا سنہ ۱۹۲۰ء م سنہ ۱۳۳۹ھ سے نیا دور حکومت شروع ہوا اس دور کے بانیوں میں رضا خاں پہلوی ایک ممتاز ممبر تھے جن کی کوشش سے اصلاح کی ابتدا ہوئی اور سابق میں جو مجلس ملی تھی اس میں نئی روح پھونکی گئی مجلس ملی نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۵ء م سنہ ۱۳۴۴ھ میں طے کردیا کہ سلطنت سے خاندان قاچاریہ بیدخل کردیا جائے اور حکومت کی عنان رضا خاں کے ہاتھ میں دی جائے چند روز کے بعد یعنی ۲۵ اپریل سنہ ۱۹۲۶ء م سنہ ۱۳۴۴ھ کو رضا خان پہلوی شہنشاہ ایران ہوگئے اور ان کے ساتھ سات سالہ فرزند ولی عہد مقرر ہوئے۔

رضا شاہ پہلوی

آپ کی پیدائش مازندران میں ہوئی آپ ایک معمولی خاندان سے ہیں۔ آپ کی ابتدائی ملازمت ایک سپاہی کی حیثیت سے کساکس کی فوج میں ہوئی تھی جب آپ پچیس سال کے تھے۔ آپ زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں مگر خداداد ذہانت رکھتے ہیں اور ایک شجیع مستقل مزاج بلند ہمت ہیں آپ کی تقریر میں ایک غیر معمولی اثر ہے آپ قوی اور بلند قد ہیں اور وجیہہ ہیں آپ میں انتظامی مادّہ بہت اچھا ہے تھوڑے ہی عرصہ میں اسی فوج میں آپ نان کمشنڈ آفیسر بھی ہوگئے جدید دور کی ابتدا

کے ساتھ ہی آپ سردار سپاہ ہوگئے آپ کی کوشش سے فوج
کی اصلاح ہوئی اور بہت سے خودمختار مقامی سرداروں کو فرماں
بردار حکومت بنایا گیا اور جو راستے لٹیروں سے پرخطر تھے صاف
کیئے گئے بذات خود جہاں ضرورت ہوئی گئے اور کامیاب ہوئے
اپنی تدابیر اور جد و جہد سے وزیر اعظم ہو گئے اصلاح مجلس ملی
ہوئی قوانین کا قیام اور دوام کا بندوبست ہوا اور مالی حالت
کی درستگی کی گئی امریکن ماہرین طلب کیے گئے فینانس کا انتظام
ان کے ذمہ کیا گیا۔ آپ کے کارہائے نمایاں نے ایرانیوں کے
دل مسخر کرلیئے اور آخر کار آپ شہنشاہ ایران ہو گئے۔

اس وقت ایران میں دستوری شہنشاہ ہے اور باقاعدہ
مجلس ملی یعنے پارلیمنٹ ہے جس کے اراکین جملہ انتخاب کئے
جاتے ہیں اور رئیس مجلس بھی ہے اس مجلس کا اجلاس مجھے دیکھنے
کا اتفاق ہوا۔ وسیع و شاندار مکان ہے بہت ہی آراستہ ہے
اطراف گیالری ہے جس پر تماشائیوں کو بیٹھنے کی اجازت ہے
ایک خاص گیالری بھی ہے جہاں شاہی یا اعلیٰ عہدہ داروں کے
مہمان بیٹھکر پارلیمنٹ کی کارروائیوں کا نظارہ کرتے ہیں وسط حال
میں کرسیاں ممبروں کے لیئے ہیں جن کے سامنے چھوٹی میزیں ہیں
اور وزرا کی نشست کی جگہ علیحدہ اور سکرٹری اور اس کے عملہ کی
جگہ جدا ہے ممبروں کی بحث و گفتگو فارسی میں ہوتی ہے قوانین
پاس ہوتے ہیں۔ اخباروں کے رپورٹروں کے بیٹھنے کا انتظام
ہے غرض معقول اور باقاعدہ پارلیمنٹ کے تمام لوازم موجود ہیں

وزیر اعظم ہے جس کو رئیس وزرا کہتے ہیں اس کی ایک کابینہ جس کو ریاست وزرا کہتے ہیں اس کے چھ ممبر حسب الذیل ہیں۔
وزیر عدلیہ۔ وزیر مالیہ۔ وزیر جنگ۔ وزیر پوسٹ و ٹیلگراف وزیر داخلہ۔ وزیر خارجہ اور ایک سکریٹری ہے جو معاون ریاست وزرا کہلاتا ہے۔ ہر ایک وزیر کا محکمہ ہے اور اس کا کام بہت اچھا چلتا ہے موجودہ گورنمنٹ کا پائے تخت شہر طہران ہے

شہر طہران

طہران کوہ دماون کے سلسلہ میں شمران پہاڑ کے دامن میں سطح سمندر سے تین ہزار قدم بلندی پر واقع ہے ہوا لطیف اور پاک وصاف ہے شمران کی چوٹی پر جو برف جمتا ہے اس کے پگلنے سے نہریں بہہ کر آتی ہیں۔ اسی پانی کو باغات اور شہر کے کام میں لایا جاتا ہے اسی سے سرسبزی ہے اور شہر خوشنما ہو گیا ہے یہاں کے بارش کا اوسط سال تمام میں دس انچ کے قریب ہے یہاں گرمی بہت کم ہوتی ہے موسم سرما میں سردی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

اس شہر کی بنارے کے ویرانے کے قریب جہاں حکومت مدی Medea کا پائے تخت تھا ساتویں صدی ہجری مطابق بارھویں صدی عیسوی میں پڑی شاہان سابق کبھی کبھی چند روز کے لئے یہاں قیام کیا کرتے تھے آغا محمد خاں قاچار نے اپنا پائے تخت طہران بنایا مشرقی ممالک میں جب

حکومت بدل جاتی ہے تو اس کی ہر چیز بدل جاتی ہے صفویوں کے خاندان کے ساتھ اصفہان جو ان کا پائے تخت تھا چھوڑ دیا گیا اور طہران اس خاندان کا پائے تخت ہوگیا۔ جب حکومت کا صدر ایک مقام بنتا ہے تو قدرتی طور سے وہ مقام خود بخود ترقی کر لیتا ہے کیونکہ ترقی کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ غرض کہ آغا محمد خاں نے شہر میں اپنے رہنے کے لیئے ایک قصر بنایا اور اس میں کریم خاں زند کے قصر کا یزدی مرمر کا تخت بھی لاکر رکھا اور توپ مروارید کو بھی شیراز سے لاکر میدان شاہی میں رکھا اس کے بعد فتح علی شاہ کے زمانہ حکومت میں شہر کی ترقی خوب ہوئی اور محلات بنائے گئے قصر گلستان مغربی صنعت وحرفت سے مزین کیا گیا۔ ناصر الدین شاہ کے زمانہ میں بھی بہت سی عمارتوں کی ابتدا ہوئی عمارتیں مغربی طرز کی بنیں طہران اس وقت ایک وسیع شہر ہے جس کی آبادی دو لاکھ دس ہزار کے قریب ہے شہر دو حصوں پر منقسم ہے شہر قدیم جہاں کے بازارات وسیع شاندار اور مسقف ہیں اور مکانات بھی قدیم طرز کے ہیں۔ مساجد، حمام، ماتم سرا بکثرت ہیں اور روضہ زید حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور روضہ ابراہیم حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام معہ مدارس و مسافر خانے وغیرہ باشان و شوکت قائم ہیں۔ اس کے برخلاف شہر جدید ہے جس کی راہیں کشادہ اور عمارتیں جدید طرز کی ہیں ہر سڑک کا نام جدا ہے۔ ان میں قابل ذکر خیابان چراغ برق۔ خیابان ناصریہ۔ خیابان اسلام بول۔ خیابان سپاہ۔ خیابان رفاہی۔ اور

خصوصاً خیابان لالہ زار بہت ہی آباد کشادہ اور وضعدار مقام طہران ہے یہاں بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں کارخانے اور شاہیں اور ہوٹلیں ہیں ان میں گرینڈ ہوٹل بہتر ہے جہاں کل انتظام ایرانیوں کا ہے اور طرز مغربی ہے کھانا بھی مغربی اور ایرانی دونو طرح کا ہوتا ہے مسافر زیادہ ٹہیرتے ہیں اہل شہر کی آمد و رفت بھی رہتی ہے بہت ہی آرام دہ اور سستا ہوٹل ہے اس خیابان پر سینما موسیقی گھر۔ رسٹوران اور بنک بہت ہیں اسی سے ملحق میدان شاہی ہے جس کے گرد سڑکیں ہیں اور بیچ میں آراستہ چمن ہے سڑکوں پر ایک طرف صدر محکمہ پوسٹ و ٹیلیگراف دوسری جانب امپریل بنک آف پرشیا تیسری سمت محکمہ نظمیہ ہے چوتھی جہت پر محکمہ بلدیہ کی شاندار عمارتیں ہیں جن سے یہ مقام بہت ہی خوشنما اور بارونق بن گیا ہے رات میں برقی لیمپ روشن رہتے ہیں دن رات موٹر کار اور دکٹوریہ گاڑیوں کی کثرت سے آمد و رفت رہتی ہے پیدل چلنے والوں کا راستہ جو سڑک کے کنارے بنایا گیا ہے اس پر شاندار اور بارونق فوجی لباس میں افسران فوج اور پولس مرد یورپین لباس میں آتے جاتے دکھائی دیتے ہیں مردوں کے سر پر کلاہ پہلوی ہوتی ہے عورتیں بھی چادر بیچہ میں (مگر پیچہ برائے نام جس سے چہرہ نظر آتا ہے) گزرتی رہتی ہیں۔ گبر۔ ارمنی۔ یہودی۔ اور روسی اور ان کی عورتیں بے پردہ زرق برق لباس پہنے ہوئے پھرتی رہتی ہیں جس سے چھل پھل اور رونق رہتی ہے سڑک کے دوطرفہ برقی روشنی اور اونچی اونچی عمارتیں ہیں جن میں برقی لیمپ اور پنکھے آویزاں ہوتے ہیں

گو پنکھوں کی عموماً ضرورت نہیں پڑتی اکثر عمارتوں میں ٹیلیفون بھی
ہیں پولیس کا انتظام اچھا ہے صفائی ہے مگر ایسی قابل تعریف نہیں۔
اب وقت نئی نئی عمارتیں بنتی جا رہی ہیں راستے کشادہ ہوتے جا رہے ہیں
سڑکیں درست ہو رہی ہیں صفائی کے کام میں اصلاح ہو رہی ہے
بہرحال محکمۂ آرائش بلدہ و بلدیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں تیزی
سے مشغول ہیں۔ کل شہر میں ترقی کے آثار نمایاں نظر آتے ہیں مگر یہ شہر
ہندوستان کے بڑے شہروں سے مقابلہ نہیں کر سکتا یہاں جو بہترین
شاہ راہ لالہ زار ہے وہ بھی اس زمانہ میں بغداد کے جادۂ خلیل بادشاہ
کے مقابلہ میں ٹھیر نہیں سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ آیندہ اس کے برابر ہو جائے
بلکہ بڑھ بھی جائے بشرطیکہ ترقی کی یہی رفتار رہے شہر میں شرقی و غربی
دونو طرز کے تمدن نظر آتے ہیں شاہی عمارتیں اور محل میدان شاہی
کے قریب اور شمران اور اس کی راہ میں بہت ہی وسیع بلند اور
شاندار ہیں مگر ایسی نہیں ہیں جیسی کہ شاہان مغلیہ کے عمارات جو
دہلی و آگرہ میں ہیں کہا جاتا ہے کہ اصفہان کی شاہی عمارتیں اعلیٰ درجہ
کی ہیں اور شیراز کے باغات بہت ہی عمدہ ہیں۔ مگر افسوس مجھے
دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا میری غرض سیر و سیاحت نہ تھی صرف زیارت
خراسان کی تھی جو کچھ راہ میں مل گیا دیکھ لیا۔

یہاں کی ہر عمارت کے رد کار میں یا گرد حسب حیثیت عمارت
باغ ہوتا ہے اور وسط میں حوض بھی بنایا جاتا ہے یہ مکان کی خوبصورتی
کو دوبالا کر دیتا ہے یہی حالت اعلیٰ یا امرا کے طبقہ کے مکانات کی
ہوتی ہے ان کی بلند دیواریں انکے چمن اور حوض آراستگی کی پوری شان

لئے ہوئے ہوتے ہیں بعض مکان مغربی طرز کے اور بعض مشرقی وضع کے
ہیں بعض مشرقی و مغربی طرزوں کا مجموعہ بھی ہیں چنانچہ مجھے وحید الدولہ کے
ہاں جو سابق ناظم تعلیمات تھے چائے پینے کا اتفاق ہوا ان کا مکان اسی
طرز کا تھا مکان میں بہترین قالین دیواروں پر تصاویر اور دروازوں پہ
پردے اور طرح طرح کی آرائش ہوتی ہے نشست کے لئے کوچ کرسیاں
ہوتی ہیں چائے کے ساتھ کیک اور شربت جیسا کہ عراق میں رواج
ہے یہاں بھی رکھے جاتے ہیں۔ حاجی مرزا ہاشم اصفہانی کے پاس
بھی مجھے چائے اور کھانے کی دعوت تھی مجھے حاجی صاحب کے
خاندان سے نیاز حاصل ہے آپ کے والد مرزا مہدی اصفہانی کی
مدراس میں بڑی تجارت تھی اور ایران کے قونصل بھی تھے اُن کے
آپ فرزند کلاں ہیں اور آپ کے چچا سر مرزا عبدالحسین خاں بہادر
شریف مدراس تھے۔ آپ بھی مدراس میں رہتے تھے مدراس سے
لندن گئے وہاں سے آپ طہران آکر مقیم ہو گئے ہیں۔ یہاں آپ کی
تجارت خوب ترقی پر ہے یہاں کے معززین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔
آپ کا مکان وسیع اور شاندار ایک خوبصورت چمن کے وسط میں
اس راستہ پر واقع ہے جو خیابان مودب الملک کہلاتا ہے مکان کے
اندر اعلیٰ درجہ کے قالین کا فرش ہے اور دیواروں پر بھی آرائشی چیزیں
لگائی گئی ہیں بیش قیمت پردے تصاویر اور دیگر نفیس آرائشات سے
مکان پورا مزین ہے برقی لیمپ حسب موقع لگے ہیں اور میز کوچ اور
کرسی سے آراستہ ہے۔
عموماً اعلیٰ اور متوسط طبقہ کے لوگ ایرانی کھانا بھی میز ہی پر کھاتے

ہیں اور چمچہ چھری اور کانٹے وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ ایران کے کھانے
مثل ہمارے ہندوستان کے ہوتے ہیں بعض وقت ان کے ساتھ
مغربی کھانے بھی شامل کر لیتے ہیں۔ کھانے کے ساتھ ساتھ شربت
بجائے لمنیڈ و سوڈے کے رکھے جاتے ہیں کھانا شروع کرنے کے
قبل چائے اور شربت سے تواضع کرتے ہیں بعد فراغت طعام
دوبارہ چائے ضرور پیش کرتے ہیں سگریٹ بھی کھانے کا ایک
جزو ہے ہمارے ساتھ چند معزز ایرانیوں کی بھی دعوت تھی ان سے
بھی ملاقات ہوئی ایرانی بڑے خلیق ہوتے ہیں۔ عموماً کل ایرانی قلمی
کتب اپنے گھر میں رکھنے کے عادی ہیں۔ بہت سے قدیم عمدہ
خوش خط کتب حاجی موصوف نے ہمیں دکھائے ان میں شاہنامہ
اور کلیات جامی جس کا خط بہت عمدہ جلد اعلیٰ درجہ کی تصاویر
رنگین بہت ہی اچھے تھے۔ ایرانیوں کا مذاق پاکیزہ ہوتا ہے وہ
تصاویر اعلیٰ قلمی کتب بہترین تلواروں وغیرہ کے بڑے دلدادہ ہوتے
ہیں یہاں عباسی نامی ایک بہت عمدہ تلوار ہوتی ہے غالباً شاہ عباس
کے زمانہ کی ایجاد ہے یہ دو قسم کی ہوتی ہیں ایک اصفہانی دوسری
خراسانی قدیم زمانے میں یہ تلواریں بہت مشہور تھیں اسی لیئے بنتی بھی بہت
تھیں اب بھی تیار ہوتی ہیں مگر قدیم کمیاب ہیں ان کی قدر ایران
کے علاوہ اور ممالک میں بھی ہے۔ عموماً ہندوستان میں اور خصوصاً
حیدرآباد دکن میں ان کی بڑی مانگ ہے۔

طہران میں ایشیائی اور یورپی ممالک کے قونصل اور ان کے
عملے بھی ہیں ان میں برٹش لگیشن (Birtish Legation) نہایت ہی

خیابان لالہ زار (طہران)

برٹش لیگیشن - طہران
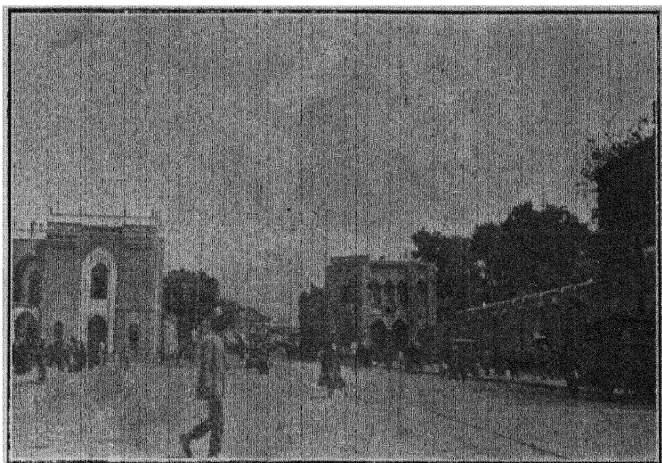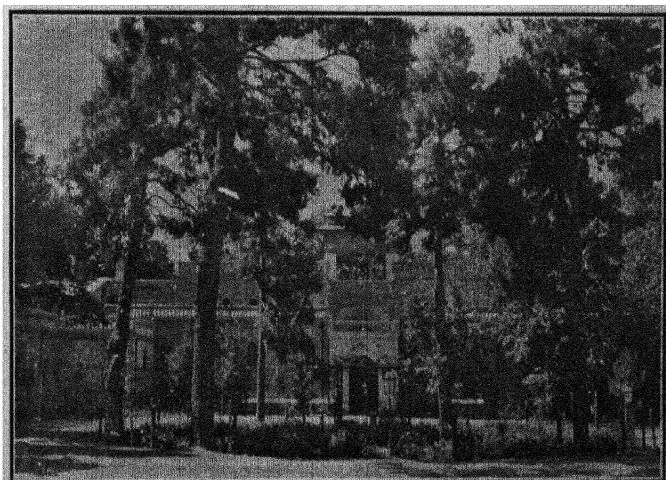
وسیع اور آراستہ عمارت ہے خوشنما باغ بھی ہے اس وقت ہز اکسیلینسی سر رابرٹ ہنری کلائیو (Sir Robert Henry Clive) یہاں کے منسٹر ہیں جن کا بڑا عملہ ہے اور اس لگیشن کے تحت میں قونصل جنرل اور قونصل ہیں جو ہر ایک صوبہ ایران میں رہتے ہیں ان کی تعداد کل ایران میں اٹھارہ ہے اس وقت کرمان شاہ میں مسٹر ڈیوس اور مشہد میں لفٹننٹ کرنل پس کو اور زرداب میں لیٹن مالکم رہتے ہیں ان قونصلوں سے عموماً برٹش رعایا خصوصاً ہندوستانیوں کو بہت مدد ملتی ہے کیونکہ اکثر ہندوستانی زائرین سوائے اُردو کے دوسری زبان کم جانتے ہیں برٹش لگیشن کے عملہ کے اکثر کارکن خاصی اُردو جانتے ہیں۔

شمران

شہر طہران سے نو میل کے فاصلہ پر دامن کوہ میں خوشنما مقام پر آباد ہے یہ حکومت ایران کے موسم گرما بسر کرنے کا مقام ہے یہاں مختصر سی آبادی ہے اور مختصر بازار بھی ہے اسی بازار میں مزار صالح فرزند امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہے جس کی عمارت خوشنما ہے اس سے ملحق مسجد ہے اس کے صحن میں ایک درخت ہے جس کے نیچے زائرین بعد زیارت ٹھیرتے ہیں چائے وغیرہ بھی ملتی ہے درگاہ پر زائرین کی کثرت رہتی ہے خصوصاً عورتیں بہت آتی ہیں طہران سے اس مقام کو جو سڑک جاتی ہے بہت ہی کشادہ ہے اس پر موٹروں اور گاڑیوں کی کثرت رہتی ہے خوش باش

لوگ شام کی ہواخوری عموماً اسی طرف کرتے ہیں ایام تعطیل یا روز جمعہ کو
اکثر طہران سے عورتیں اور مرد سیر کی خاطر زیادہ آتے ہیں اور دن
گزار کر واپس ہو جاتے ہیں پولیس کا بہت معقول انتظام ہے سڑک
پر ہر وقت چھڑکاؤ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں گل حک نامی برٹش منسٹر
کی کوٹھی ہے گو مختصر ہے مگر بہت ہی آراستہ ہے باغ بھی خوشنما ہے
جب ہم طہران پہنچے تو حسب دستور لگیشن کے وزیٹرس بک میں
دستخط کرنی پڑتی تھی اسی لیئے ۳ رجون کو سالگرہ شہنشاہ جارج پنجم
کی تقریب میں جب یہاں اٹ ہوم ہوا تو ہماری بھی دعوت تھی
بڑا پر فضا مقام ہے صحن میں حوض ہے لب حوض شامیانہ دیا گیا
تھا جہاں مہمانوں کی نشست کا انتظام تھا فواکھات کی میزیں
قرینہ سے ترتیب دی گئی تھیں۔ بہت سے ایرانی امرا اور عہدہ دار
اور دیگر ممالک کے خارجی قونصل بھی مدعو تھے اٹ ہوم کی شان
اور انتظام مثل ہندوستان کے گورنرس اور ویسرائے کے اٹ ہوم
کے تھی۔ ملازمین ایرانی تھے جن کے سرخ و سفید رنگ سرخ بانات
کے لباس سروں پر سفید خاچاری ٹوپیاں کمر میں زرین بلٹیں بہت
بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ شان و شوکت بھی ٹپکتی تھی سر رابٹ
اور لیڈی کلا یو مہمانوں کا استقبال کرتے تھے جب کل مہمان
آچکے تو جن جن سے ملنا تھا ملتے رہے اور ہم سے بھی ملاقات ہوئی
اور ہم سے عرصہ تک گفتگو رہی صاحب موصوف بہت ہی
خلیق ہیں ان کی بیوی بھی بہت ہی ملنسار ہیں یوں تو ایرانی عورتیں
بازاروں میں سینما اور باغ ملی میں سیر و گشت کرتے اکثر نظر آتی ہیں
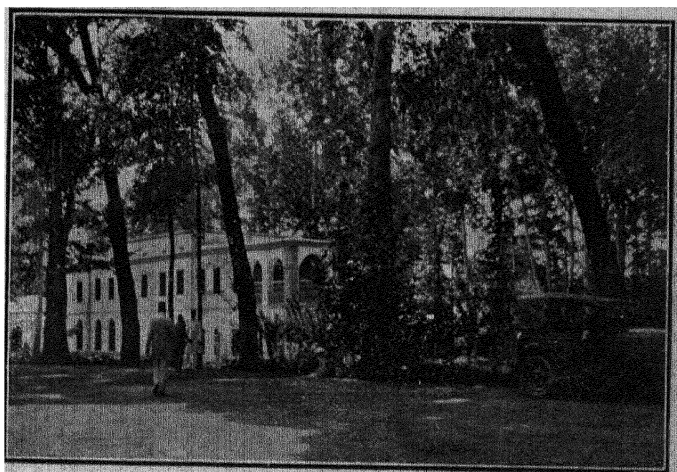
گلہک ـ برٹش لیگیشن شمران (طہران)

مگر تعجب ہے کہ یہاں ایک خاتون بھی نظر نہ آئیں تمام ایرانی مہمان مرد تھے یہاں ہم کو اکثر ایرانی حضرات سے ملنے کا اتفاق ہوا قریب شام رخصت عمل میں آئی۔ غرض شمران شہر ایران کے لیئے ایک فرحت کا مقام مل گیا ہے۔ یہیں دامن کوہ میں کسی قدر بلندی پر ایک درگاہ ہے جو بہت ہی اچھے موقع پر بنائی گئی ہے۔ چھوٹی سی عمارت ہے اس کے سامنے پاک وصاف صحن بھی ہے کہا جاتا ہے کہ یہاں سر حضرت قاسم ابن حسین علیہ السلام دفن ہے لوگ زیارت کو آتے ہیں جو حضرات طہران جائیں ضرور شمران کی بھی سیر کریں کیونکہ یہ ایران کے بہترین اور پر فضا مقامات میں سے ہے۔

مملکت ایران کے ہر بڑے شہر میں ایک باغ ملی ہے مگر طہران کا باغ ان سب سے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں باغ ملی ہندوستانی باغ عامہ یا پبلک پارکس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں عورتیں اور مرد بچے اور بوڑھے تمام دن سیر و تفریح کرتے پھرتے ہیں۔ خصوصاً سہ پہر میں مجمع زیادہ ہو جاتا ہے باغ وسیع ہے جس کی صاف اور کشادہ سڑکیں اور آراستہ روشیں سرسبز گھاس کے باموقع لان اونچے اونچے گھنے سایہ دار درخت میوں سے لدے ہوئے رنگ برنگ کے موسمی خوشنما پھولوں کے مختصر چمن فرحت افزا ہیں نہریں قرینہ کے ساتھ جاری ہیں مختلف مقامات پر حوض پانی سے لبریز ہیں ان میں اقسام کے فوارے چھوٹتے رہتے ہیں۔ وسط باغ میں بیانڈ اسٹانڈ بھی ہے جس کے گرد مختصر سی سڑک اور دونوں جانب بنچیں بچھی ہوئی ہیں دوسری سڑکو

پر بیٹھنے کے لیئے جا بجا بنچیں اور کرسیاں پڑی ہوئی ہیں۔ غرض ایک عجیب لطف اور دلکش سما پیدا ہو گیا ہے بڑی رونق اور چہل پہل رہتی ہے۔ بیانڈ اسٹانڈ کے قریب ایک رسٹوران بھی ہے۔ رسٹوران میں عورتوں کے لیئے ایک خاص نشست ہے روزانہ فوجی بیانڈ بجتا ہے۔ ایک سینما بھی تیار ہو رہا ہے۔

اس باغ کا دروازہ بلند و عالیشان ہے جس پر نوبت خانہ ہے۔ اور شاہ رضا کی تصویر دروازہ پر آویزاں ہے۔ اس باغ کا اہتمام اور انتظام محکمہ بلدیہ سے متعلق ہے طہران میں یہ باغ سیر و تفریح کے لیئے اچھی جگہ ہے

اس وقت دنیا میں پولو کا جو کھیل ہے جا رائج ہے اس کی ابتدا ایران سے ہوئی تھی پہلے اس کو چوغان کہتے تھے۔ بعد ترمیم و اصلاح پولو ہو گیا کچھ کم سو سال سے ایرانی اس کو بھول گئے تھے پھر اب ایران میں پولو جاری ہو گیا ہے۔ طہران میں اس وقت ایک پولو کلب ہے۔ جہاں ہفتہ میں دو کھیل ہوتے ہیں۔ چند نوجوان ایرانی جیسے سردار اکرم (داماد وثوق الدولہ) اس کھیل میں بڑی مہارت رکھتے ہیں ان کے پاس چھ یا آٹھ پولو کے گھوڑے ہیں۔ خود بھی بہت اچھا پولو کھیلتے ہیں اسکاٹس کانسٹی ٹیوشن کا ایک مسانک لاج موسوم "لائٹ ان ایران" ہے جس کے بہت سے ممبر ہیں باقاعدہ ماہواری جلسے ہوتے ہیں۔ ان دنوں میں جب ہم وہاں تھے کوئی جلسہ کا زمانہ نہ تھا۔ چونکہ میرے ساتھی محمد حسین صاحب بلگرامی بڑے پائے کے میسن ہیں ان کو بمبئی کے گیرینڈ لاج سے ہدایت ہوئی تھی کہ طہران

کے لاج کا معائنہ کریں اس لیئے خاص طور سے لاج کی غیر معمولی میٹنگ کی گئی تھی۔ مسٹر ہمفری اور مسٹر جارج نے جو برٹش لگیشن کے عہدہ داروں میں معزز ہیں اپنی مہربانی سے مجھے بھی مدعو کیا تھا اسی طرح مجھے بھی شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ عموماً زیادہ تعداد یورپین ممبروں کی ہے

بے تار کے ٹیلیگراف کا دفتر طہران اور شمران کے درمیان ہے مزید دفتر بڑے اور اہم مقامات میں کھولنے کی تجویز ہو رہی ہے۔

یہاں ایروڈوم (ہوائی جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ) بھی ہے میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ہوائی جہاز قصر شیریں و بوشہر کو ہفتہ میں ایک روز جاتا اور آتا ہے۔ پہلوی کا بین اور مشہد کو بھی یہاں سے جہاز جاتا ہے مشہد والا ہوائی جہاز ہفتہ میں ایک روز نکلتا ہے اور مشہد کو پانچ گھنٹوں میں پہنچ جاتا ہے۔ ساڑھے پانچسو میل کی مسافت اس قلیل عرصہ میں طے کر لیتا ہے کرایہ ۵۵ تومان بیان کیا جاتا ہے ایران میں ہوائی جہاز نے بھی ترقی ہو رہی ہے۔ اور ایر میل سروس (طیاروں کے ذریعہ خطوط رسانی کا انتظام ابھی اکثر مقامات کے مابین قائم ہو گیا ہے۔

طہران میں شفاخانے۔ دواخانے۔ زچگی خانے۔ یتیم خانے بیت المعذورین اور دیگر رفاہ عام کے ادارے اور تعلیم گاہیں صنعت و حرفت کے مرکز اور فوجی مدارس بہت ہیں۔

تعلیم

موجودہ زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے ایران میں تعلیم کم ہے اور تعلیم یافتوں کی تعداد بھی زیادہ نہیں ۱۹۲۶ء میں دوسو پچاس مدارس

تمامی مدارج کے جو خاص گورنمنٹ کے تھے شمار کئے گئے تھے اسی قدر پرائیوٹ مدارس بھی ہیں جن کو گورنمنٹ سے مدد ملتی ہے اور گورنمنٹ کے زیر نگرانی ہیں ان کے سوا۔ ننو مدارس ہیں جن کو مدد نہیں ملتی۔
اسی (۸۰) مدارس غیر ملکی اقوام کے قائم شدہ ہیں جن میں (۳۱) مدارس امریکن پرس بائی ٹی رین مشن کے ہیں۔ ان تمام تعلیم گاہوں میں (۹۱۱۹۰) افراد تعلیم پاتے ہیں۔ جن میں (۶۳۹۹۸) نوجوان مرد اور لڑکے ہیں۔ (۱۷۱۹۲) عورتیں اور لڑکیاں ہیں (۲۲۶۶۰) خاص طہران میں ہیں۔ پرس بائی ٹی رین مشن کا کالج طہران میں ہے۔
برٹش چرچ آف انگلینڈ مشن کا کالج اصفہان میں بہت اچھا کام کر رہا ہے طلبا نی زیادہ تر انھیں کالجوں سے نکلتے ہیں۔ گورنمنٹ کے کالج طہران اور اصفہان میں بھی ہیں۔

مرزا عیسیٰ خاں صادق ناظم تعلیمات ہیں مرزا صاحب نے اپنی تقریر کے دوران میں جو ماہ سپتمبر ۱۹۲۹ء میں بمقام کیمبرج دی ورلڈ کانفرنس آن اڈالٹ ایجوکیشن (معمروں کی تعلیم پر غور کرنے کے لیے کانفرنس) کے موقع پر ہوئی تھی بیان کیا کہ ایران میں علاوہ (۳۰۹) دینی قدیم تعلیم گاہوں کے جو سابق سے ہیں (۲۱۳۹) قدیم طرز کے مدارس قریوں میں چند سال کے اندر کھولے گئے ہیں۔ اور ہزار مدرسہ ایسے بھی کھولے گئے ہیں جو جدید مغربی طرز کے ہیں جن میں لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں ایران سے ہر سال (۲۰۰) طالب علم مغربی جامعات کو بھیجے جاتے ہیں اس وقت (۷۵۰) طالب علم یورپ میں موجود ہیں۔ ان میں نصف ایسے ہیں جن کو گورنمنٹ سے وظیفہ

تعلیم ملتا ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کی طرف گورنمنٹ کی توجہ خاص طور پر مبذول ہے۔

ملک کی زبان فارسی ہے عربی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے دوسرے درجہ پر روسی اور فرنچ زبان زیادہ بولی جاتی ہے۔ اب امریکن کالج اور اصفہان کے کالج کے قیام کے باعث انگریزی کی بھی ترقی ہو رہی ہے۔

زراعت

ایران میں زراعت قدیم طریقہ سے ہوتی ہے ملک کے زیادہ حصہ میں فیوڈل سسٹم یعنی جاگیری نظام اور باقی حصوں میں ٹرائبل کمیونی زیم سسٹم (TRIBAL COMMUNIRIAM SYSTEM) رائج ہے زیادہ تر پیداوار افیون۔ کھجور۔ انجیر۔ روئی۔ گندم۔ جو۔ چانول۔ اور ریشم۔ تمباکو۔ چائے پر مشتمل ہے۔ ان میں بیرون مملکت ایران افیون۔ میوہ۔ اور روئی جاتی ہے زیادہ حصہ روئی کا روس کے ملک میں جاتا تھا۔ موجودہ روسی حکومت نے ۱۹۲۶ء سے ایرانی مال کی ممانعت کر دی ہے۔ تمباکو۔ چائے اور ریشم ملک ہی میں خرچ ہو جاتا ہے ان میں زیادہ ترقی ہونی ممکن ہے بشرطیکہ نئے آلات سے زراعت کی جائے اور زراعت پیشوں کے لیئے سہولت کے اسباب پیدا کیئے جائیں۔ موجودہ اصول مالکانہ اراضی کا قابل ترمیم ہے اس طرف گورنمنٹ کی توجہ ہو رہی ہے اور ماہرین فن بلوائے گئے ہیں نیز نوجوان تعلیم یافتہ دوسرے ممالک سے

اس فن کی تعلیم پا کر آ رہے ہیں ۔

صنعت و تجارت

ایران کی صنعت وحرفت کا کچھ تو ذکر ہو چکا ہے اور کچھ ذکر آئندہ اپنے اپنے موقعوں پر آئے گا۔ ایران کی سب سے مشہور صنعت قالین سازی ہے جو عموماً ایران کے ہر ایک مقام میں جاری ہے گویا ایران کی گھریلو صنعت (ہوم انڈسٹری) ہے مگر یہ کام قدیم طریقہ ہی پر ہوتا ہے قالین تیار تو ہوتی ہے مگر زیادہ محنت اور عرصہ کے بعد پھر وہ بھی چھوٹی سی تیار ہوتی ہے بہت ارزاں قیمت پر غیر ملکی تاجروں کے ہاتھ بیچ دی جاتی ہے ایرانی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ کاریگروں کو ان کی محنت کا پورا معاوضہ ملتا ہے کاریگروں کی صحت پر جو برا اثر پڑتا ہے اس کی تلافی بھی نہیں ہوتی۔ اس طرف خاص طور سے ملک کے دولتمندوں کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ متفقہ سرمایہ سے نئی طرز پر کام چلایا جا سکے اور مزدوروں کو معقول معاوضہ ان کی محنت کا ملے صحت بھی خراب نہ ہونے پائے اسکے علاوہ چند کارخانے جو انگلیوں پر شمار ہو سکتے ہیں مملکت ایران میں ہیں جن میں گرم کپڑا اور ریشمی پارچہ تیار ہوتا ہے ۔شکر سازی کا ایک کارخانہ جو طہران کے قریب چالو تھا وہ اب بند کر دیا گیا ہے عموماً دیگر اشیاء زندگی بیرونی ملکوں کے ساختہ ایران میں آکر فروخت ہوتی ہیں تجارت عموماً تمام صوبوں میں خصوصاً طہران میں زیادہ تر غیر ملکیوں کے ہاتھ میں ہے ان میں روسیوں کی تعداد زیادہ ہے

آج کل ہندوستانی بھی آرہے ہیں اُن میں عموماً زیادہ تر پنجابی اور خصوصاً سکھ ہیں سنا گیا ہے کہ حکومت اس طرف توجہ خاص کر رہی ہے کہ صنعت و حرفت کی ترقی ہو اور ملک کی تجارت زیادہ بڑھے۔

ایرانی

ایران میں امیروں کی حالت بہت اچھی ہے ان کے پاس دولت اور علم دونو ہیں ان کی عادتیں کسی زمانہ میں ایسی اچھی نہ تھیں اب زیادہ قابل اعتراض نہیں رہی ہیں متوسط درجہ کے لوگوں میں گو دولت زیادہ نہیں ہے مگر علم اور صنعت ہے یہی تاجر بھی ہیں جو بلندی پر آرہے ہیں۔ غربا کی حالت اچھی نہیں ہے ان میں افلاس اور جہالت زیادہ ہے۔ ان کی اصلاح ہو رہی ہے۔ عموماً کل ایرانی فریس اور ذہین ہونے کے علاوہ خلیق اور مہمان نواز بھی ہوتے ہیں ان کا تمدن اور معاشرت رسم و رواج عراق کے ایرانیوں کے سے ہیں مگر لباس اور عادات میں فرق ہے۔

لباس

سابق میں ایرانیوں کا لباس مختلف ہوتا تھا۔ دیہاتی اور غربا کا موجودہ لباس شہری اور متوسط درجوں سے جدا ہے دیہاتی اور غربا ڈھیلا اور ٹخنوں سے اونچا پائے جامہ پہنتے تھے

اونچا کم اور گھیر کا کرتا موٹے کپڑے کا ہوتا تھا جس کو نیلا رنگ لیتے تھے بعض کمر چین بھی پہنتے تھے جو ترکی کوٹ سا ہوتا تھا مگر کمر پر چُنّت ہوتی تھی ٹوپیاں نمدے کی ہوتی تھیں مگر مختلف شکل کی کوئی اونچی کوئی گول اور کوئی خربوزہ نما ان کا رنگ بھی مختلف ہوتا تھا سیاہ، سفید، خاکستری وغیرہ۔ عموماً سردی اور برف باری کے زمانہ میں دیہاتی بھی دُنبہ کے کھال کی کم قیمت پوستیں پہنتے تھے اب بھی پہنا کرتے ہیں۔ شہری اور متوسط درجہ کے لوگ اونچے پائے جاموں کے عوض پٹلون اور کمر چین کم چنت کا اور سر پر دیسی ہی ٹوپیاں پہنتے تھے۔ لیکن امیروں کا لباس صاف وستھرا اور قیمتی کپڑے کا ہوتا تھا۔ موسم سرما میں قیمتی پوستین کا استعمال ضروری تھا۔ دولت مند یا درجہ اعلیٰ کے لوگ پٹلون ترکی کوٹ سر پر مشہور ایرانی ٹوپی ہوتی جس کو قاچاریہ کہتے ہیں ان کا رواج ہندوستان میں عام ہے ہندوستان میں یہ ایرانی ٹوپی کے نام سے مشہور ہے سرما میں پوستیں اور دوسرے موسم میں عبا اوڑھتے تھے ہاتھ میں بجائے چھڑی کے تسبیح ہوتی تھی۔

عالموں کا لباس پائجامہ کرتا صدری اس کے اوپر قبا اور آب دس، دوش پر عبا اور سر پر عمامہ اور ہاتھ میں تسبیح لیئے رہتے تھے اب اس لباس میں بہت کچھ ترمیم ہوگئی ہے دیہاتوں کا عموماً وہی لباس ہے مگر سر پر پہلوی ٹوپی پہن لیتے ہیں۔ کیونکہ یہ ان کی قومی ٹوپی بن گئی ہے اس کا استعمال مجبوراً کرنا پڑتا ہے متوسط

اور شہری بجائے کمرچین کے سوٹ استعمال کرتے ہیں سر پر قومی ٹوپی ہوتی ہے۔ بعض عبا بھی دوش پر ڈال لیتے ہیں۔ مگر ہاتھ میں بالالتزام تسبیح رہتی ہے اعلیٰ طبقہ کے لوگ بالکل یورپین لباس میں رہتے ہیں عبا کم استعمال کرتے ہیں۔ ہاتھ میں تسبیح رہتی ہے علمار کا لباس اب بھی وہی ہے وہ ٹوپی سے مستثنیٰ کردئے گئے ہیں بشرطیکہ اپنے علم کا ثبوت اور سارٹیفیکٹ پیش کریں۔ غرض اب انگریزی لباس زیادہ مروج ہورہا ہے مگر ٹوپی پہلوی ہونی ضروری ہے یہ ایرانیوں کا قومی نشان بن گئی ہے۔ عموماً جو ایرانی ایران کے باہر رہتے ہیں وہ بھی اپنے سر کا لباس پہلوی ٹوپی اختیار کئے ہوئے ہیں حقیقت میں یہ ایک بڑی اصلاح ہے، جو رضا شاہ پہلوی نے کی۔

مذہب

میں لکھ چکا ہوں کہ ایرانی حکومت کا مذہب شیعہ ہے ہمارے ہندوستان میں آئے دن جو کشیدگیاں شیعہ اور سنیوں میں اور جو جھگڑے مسلمان اور ہندؤں میں ہوتے رہتے ہیں وہ یہاں نہیں ہیں۔ ایرانی مذہبی معاملات میں نہایت مستقل مزاج ہیں مذہب ان کے لیئے باعث تکلیف نہیں ہے۔ گو ایران میں مختلف اقوام ہیں جیسے یہودی۔ آرمنی۔ روسی۔ گبر۔ عرب۔ ترک وغیرہ مگر ایرانی ایسے بے تعصب ہیں کہ نہ کسی کے مذہب میں دخل دیتے ہیں اور نہ ہر بات میں مذہب کی آڑ لیتے ہیں۔ لباس

پر ہندوستانی مولویوں کی طرح یہاں کے علماء نکتہ چینی نہیں کرتے ان کا اعتقاد "بہ عمل کوش ہرچہ خواہی پوش" پر ہے ہاں یورپین ٹوپیوں پر اعتراض تھا۔ اب پہلوی ٹوپی نیم انگریزی و نیم ایرانی اختیار کرلی گئی ہے اس سے وہ اعتراض بھی اٹھ گیا ہے سوائے جدید تعلیم یافتہ اور یورپ کے دلدادہ اشخاص کے باقی سب نماز روزہ کے پابند ہیں ضروری مسائل شرعی سے خوب واقفیت رکھتے ہیں علما اور مجتہدین کا زیادہ ادب کرتے ہیں ان کے احکام کی سخت پابندی کی جاتی ہے۔ میں نے اوپر کہیں لکھا ہے کہ ایرانی محمد و آل محمد سے بے حد محبت رکھتے ہیں جب ان کا نام لیا جاتا ہے تو سر جھکا دیتے ہیں اور تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ راسخ الاعتقاد ایرانی آئمہ کی تصاویر سے اپنے گھروں اور دکانوں کو زینت دیتے ہیں ان کا رہنا باعث برکت خیال کرتے ہیں اور ان تصاویر کا ادب کرتے ہیں۔

اعلیٰ طبقہ کے امرا اور تعلیم یافتہ جو یورپ ہو آئے ہیں شراب کے ممنوع ہونے پر غور نہیں کرتے جب رفقاء جمع ہوتے ہیں تو بے تکلف تھوڑی سی شراب بھی پی لیتے ہیں۔ بعض شب کو کھانے کے قبل یا بعد بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور بعض وقت منہ کو صاف کر کے نماز تہجد بھی پڑھ لیتے ہیں۔

مے بھی پیتے رہیں توبہ کرتے ہیں
یہ بھی جاری ہے وہ بھی جاری ہے

غربا اور متوسط لوگ افیون کے استعمال کو خلاف شرع نہیں تصور کرتے۔ عموماً ہر طبقہ کے لوگ آج سے پانچ یا چھ سال بیشتر چانڈو

اور افیون کا شوق کیا کرتے تھے یہاں چانڈو خانوں کا رواج ویسا ہی تھا جیسا قہوہ خانوں کا آج کل عراق میں ہے۔ مرد عورتیں بچے بوڑھے سبھی اس بلا میں گرفتار تھے۔ موجودہ شہنشاہ رضا شاہ پہلوی نے بذریعہ قانون حکماً ان کی عادت بد چھڑا دی ہے اب ملک میں چانڈو خانے باقی نہیں رہے پرانے عادی یک لخت عادت کو نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اس لئے ایسے لوگ اب بھی چھپ کر گھروں میں پیتے ہیں۔ اگر حکومت کے کسی اہلکار کو علم ہو جائے تو بہت سخت سزا دی جاتی ہے افیون کا استعمال اب بھی ہے یہ بھی کم ہو جائے گا۔ کیونکہ حکومت نے افیون کی کاشت کو موقوف کرنے کا حال میں قانون پاس کر دیا ہے۔ خدا موجودہ شاہ اور حکومت جدید کا بھلا کرے کہ اس نے ملک کو تباہی سے بچا لیا۔

سابق میں ایرانی ایک بی بی کے علاوہ کئی عقد اور متعہ کیا کرتے تھے۔ ایران میں متعہ کا زیادہ رواج تھا اب کم ہو رہا ہے۔

ایرانی عورتیں

ایرانی عورتوں کا تمدن و معاشرت اور ان کے رسم و رواج عراقی خاتونوں سے ملتے جلتے ہیں لباس بھی وہی ہے مگر کسی قدر فرق ضرور ہے۔ ایرانی دیہاتی عورتوں کا لباس چُنّت کا پائجامہ اس پر اونچا کرتا سر پر کساوہ ہوتا ہے اکثر منہ کھلا رہتا ہے شہری خانموں کا لباس سابق میں قریب قریب ویسا ہی ہوتا تھا جیسا دیہاتی عورتوں کا مگر یہ عمدہ اور قیمتی یا ریشمی کپڑے کا ہوتا تھا چادر

اور منھ پر پیچہ ڈال لیتی تھیں جس سے منھ بالکل چھپ جاتا تھا۔ اب بھی قدیم طرز کی بوڑھیاں وہی چادر پیچہ میں نظر آتی ہیں۔ جدید طرز کی خانم کے پاؤں میں انگریزی اونچی ایڑی کا خوشنما شوز پائجامے کے بجائے ہمرنگ ریشمی پاتابہ اور اونچا اسکرٹ جیسا کہ آج کل یورپ میں لیڈیز کا ہوتا ہے۔ اسپر سیاہ ریشمی برقع سامنے سے گون نما اور عقب سے چادر معلوم ہوتی ہے چہرہ پر گھوڑے کے سیاہ بالوں کا نقاب جس کو پیچہ کہتے ہیں ڈال لیتیں منھ پوری طور سے کھلا تو نہیں رہتا مگر چھپتا بھی نہیں۔ ہر جگہ سیر و تفریح کرتی یا کام میں مصروف پھرتی چلتی رہتی ہیں ہمراہ کوئی مرد رشتہ دار نہیں ہوتا۔ مثل عراق کے اگر کوئی مرد ساتھ جائے تو معیوب سمجھا جاتا ہے یہاں پردہ بہت ہی کم ہے اور حکومت بھی پردہ کو پسند نہیں کرتی۔ علماء اور مجتہدین کے خوف سے برخواستگی پردہ کے فرامین جاری نہیں ہوتے۔ مگر خود بخود چند دن میں ایران سے پردہ جاتا رہیگا۔ یہاں کی عورتیں علاوہ پارسی زبان کے ترکی۔ روسی۔ فرنچ۔ انگریزی وغیرہ میں سے کسی ایک یا دو زبانوں سے واقف ہوتی ہیں۔ یہ مصر اور ترکی کے خاتونوں کی نسبت تعلیم میں پیچھے ہیں مگر عراق کی خاتونوں سے بڑھی ہوئی ہیں ان خاتونوں میں قابل ذکر مہربانو خانم ہیں جو امریکن کالج کی طیلسانی ہیں اس وقت مہتمم مدارس کے عہدہ پر مامور ہیں اور انجمن محبان وطن خواتین (لیگ آف پیٹریاٹک وی مین) کی افسر بھی ہیں (مذکور الصدر لیگ ایران میں حال میں قائم ہوئی ہے جس کی غرض یہ ہے کہ عورتوں کی حالت درست کی جائے)

آپ عموماً کل ایران کی ترقی خصوصاً عورتوں کی بھلائی اور درستگی کے لیئے کوشاں ہیں۔ دوسری خاتون پروین خانم ہیں آپ بھی امریکن کالج کی طیلسانی ہیں مشرقی علوم سے واقف ہیں۔ اور شاعر مستند بھی ہیں مگر پبلک کام میں کم حصہ لیتی ہیں۔ تیسری سارا خانم ہیں۔ یہی ایک ایران میں بے نقاب پھرتی ہیں۔ آپکی تعلیم روس میں ہوئی تھی۔ اور آپ کی شادی بھی ایک روسی مسلمان سے ہوئی پھر جب روس میں بالشویسٹ ریولیوشن (Bolshovist revolution) ہوا تو آپ کے شوہر قید کیے گئے بعد میں وہ قتل کر دیئے گئے۔ آپ بمشکل اپنے ماں باپ کے ملک کو آئیں چند روز گوشہ میں رہیں اور پھر باہر نکلنے لگیں۔ آپ پبلک کام میں حصہ لیتی ہیں اور لیگ کے جلسوں میں بحث کرتی ہیں آپ پہلی ہی مسلمان عورت ہیں جو ایران میں وزیر فوائد عامہ کے دفتر میں ٹائی پسٹ (Typist) مقرر ہوئیں غرض اب ایران کی عورتوں میں بھی بیداری پیدا ہو گئی ہے اور ان کی بھلائی اور ترقی کے اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ گورنمنٹ بھی اس طرف توجہ کر رہی ہے۔

ایران کی بچّوں کی پرورش کا طریقہ

سابق میں ایرانی بچوں کی پرورش کا طریقہ یہ تھا کہ پیدائش سے لیکر دس دن تک انھیں ماں کا دودھ نہیں دیا جاتا تھا بلکہ عاقلہ (ایک ناقابل اور غیر تعلیم یافتہ بڑھیا ہوتی ہے) کے مشورہ سے

دس دن تک مکھن میں چند دوائیں شریک کر کے چٹاتے رہتے تھے دس دن کے بعد زچہ و بچہ کو حمام کروایا جاتا تھا اور اسی دن ماں اپنے بچہ کو دودھ پلاتی تھی۔ بچے کو قنداق کرتے تھے یعنے بچے کو زیر ناف سے لیکر پاؤں کے پنجہ تک کئی کپڑوں میں اس طرح لپیٹ کر باندھ دیتے تھے کہ بچہ مثل ایک سخت تکیہ کے ہو جاتا تھا۔ اگر بچہ پیشاب یا پائخانہ کرے تو اسی میں رہتا باہر نجاست نہ نکلنے پاتا۔ صبح اور شام کو کھول کر دوسرا کپڑا باندھ دیتے تھے یہی طریقہ اب بھی عراق میں جاری ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہے کہ بچوں کو ان کی مائیں بلا تکلف ہر پاک اور مقدس جگہ پر لیجا سکتی ہیں اور خود بھی غلاظت سے پاک و صاف رہتی ہیں۔ دس دن کے بعد بچے کا عقیقہ کر دیا جاتا تھا اور اب بھی کیا جاتا ہے۔ اگر بچہ لڑکا ہو تو ختنہ کا بھی عمل ہو جاتا تھا۔ اگر ختنہ کسی سبب سے نہ ہو سکے تو موسم بہار کے آغاز میں ضرور کروا دیا جاتا تھا۔ بچوں کے گلوں میں مثل ہندوستان کے دس بارہ سال تک تعویذ اور عقیق اور کہربا کے منکے شیر کے ناخن نقروی پنجہ اور کندہ تختیاں ڈالتے ہیں، بچے کو ماں زیادہ سے زیادہ دو سال تک دودھ پلاتی ہے اگر اتفاق سے حاملہ ہو جائے تو زمانہ حمل میں بچے کو دودھ نہیں پلاتی دوسری عورت کا دودھ یا گائے اور بکری کا دودھ دیا جاتا ہے بچہ جب پانچ سال کا ہوتا تو مکتب میں شریک کر دیا جاتا تھا۔ اب تو چیلڈرویل فیر یعنے بچوں کی نگہداشت کے ادارے قائم ہو گئے ہیں ڈاکٹر عورتیں نرسیں اور زچگی خانے ہیں اور بڑی اصلاح ہو گئی ہے مگر دیہات میں اب بھی وہی قدیم طریقے

رائج ہیں اس طرف خاص توجہ ہونی چاہیئے۔

ایرانی شادیاں

ایران کی شادیوں میں ہمارے ہندوستان کی سی فضول رسمیں نہیں ہیں۔ سابق میں ایرانیوں میں شادی کا طریقہ یہ تھا کہ جب لڑکا عموماً چودہ سال کا ہوجاتا تھا تو چاہے اس کی تعلیم ختم ہو یا نہ ہو ماں باپ شادی کی فکر کرتے تیاری شادی کے قبل لڑکے سے دریافت کر لیتے تھے اس کے بعد دولہن کی تلاش ہوتی بوڑھی بڑی عورتیں جن کو مشاطہ کہتے ہیں پتہ لگاتی کہ کہاں اچھی لڑکی ہے لڑکی کے حالات دریافت کرکے دولھا کے ماں باپ سے بیان کرتیں جب اچھا گھر مل جاتا اور اطمینان بخش حالات دستیاب ہوجاتے تو ایک دن دولھا کی ماں دولھن کی ماں کے گھر معہ اپنے دوست احباب کے جاتی۔ پہلے ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد دولہن کی ماں سے ذکر کیا جاتا۔ دولہن کی ماں پہلے لاپرداہی ظاہر کرتی حیلہ حوالہ کے بعد رضامندی ظاہر کردیتی اس کے بعد دولہن کو بنا سنوار کر اس کے ہاتھ سے چائے اور شربت منگوایا جاتا جس سے یہ مطلب ہوتا کہ دولھا والے دولہن کو دیکھ لیں جب دولہن آتی تو دولھا کی ماں اور مہمان اس کے گلو گیر ہوتے اور ہر طرح دیکھ بھال لیتے جب پسند آجاتی تو کل ابواب طے ہوجاتے شادی کا یہی طریقہ عراق میں بھی ہے۔ ایران میں لڑکیوں کی شادی عموماً نو دس برس کے سن میں ہوجاتی ہے۔ غرض ضروری امور طے ہوجانے کے بعد، مناسب تاریخ اور روز دیکھ کر عقد کردیا جاتا مہر مقرر ہوتا

جس میں سے نصف اسی وقت ادا کر دیا جاتا اور باقی نصف بعد شادی کے حسب سہولت دیدیا جاتا۔ دولھا والے عقد کے روز جوڑا اور زیورات دولھن کے لیئے لے جاتے پھر چند روز کے بعد دولھن کی رخصت عمل میں آتی۔ اس روز حمام دولھا کے لیئے خاص طور سے آراستہ اور پیراستہ کیا جاتا اس میں دولھا اور اس کے عزیز دوست احباب مہمان ہوتے میوہ مٹھائی چائے شربت وغیرہ سے تواضع ہوتی پھر دولھا کو کیسہ کر کے مہندی لگائی جاتی اور وہ جوڑا جو دولھن کے ماں باپ کے پاس سے آتا پہنایا جاتا۔ پھر حمام سے نکلکر گھر کو آجاتے اسی طرح جب دلہن تیار ہوجاتی اور گھر میں آجاتی تو دولھا معہ براتیوں کے دولہن کے گھر کو جاتا مردانے میں مرد زنانے میں عورتوں کی محفل جمتی شربت چائے اور لوازمات پیش کئے جاتے اس کے بعد واپسی عمل میں آتی۔ جب بن سنور کر دولہن تیار ہوجاتی تو جلوس سے نکلتی اور دولھے کے گھر تک آتی ساتھ براتی باجا اور آتشبازی رہتی جب دولہن دولھا کے در پر پہنچ جاتی تو وہاں رک جاتی دولھا استقبال کر کے لے آتا داخل مکان ہونے کے پیشتر حسب حیثیت ایک یا زیادہ بکرے ذبح کئے جاتے جب دولھن حجرہ میں داخل ہوتی تو اس کے پاؤں کا ایک انگوٹھا دھلایا جاتا اور ایسا ہی دولھے کا بھی اور دولھے کی ماں دولہن کا پیار لیتی۔

طعام ولیمہ دولھا اور دولہن والے دونوں کرتے ہیں بعض وقت قبل رخصت طعام ولیمہ کیا جاتا ہے اور بعض وقت بعد میں۔

دولھا اور دولہن کی خواہش شادی کے قبل دریافت نہ
کی جاتی اور نہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ماں باپ کی خواہش اور
پسند پر شادی ہوجاتی۔ اب ایران میں شادی کے طریقہ میں بھی ترمیم
ہوگئی ہے۔ اول دولھا' دولھن کو خود پسند کرتا ہے۔ پھر ماں باپ
پر اپنی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ عمر کی قید نہیں ہے تعلیم کی تکمیل ضروری
خیال کیجاتی ہے پہلے لڑکی شادی کے لائق نو دس سال میں سمجھی جاتی
تھی اب چودہ پندرہ سال کی عمر شادی کے لیئے مناسب خیال
کی جاتی ہے تاہم ابھی تک دولھن دولھے کو خود پسند نہیں کر سکتی
مگر دیکھ تو ضرور لیتی ہے۔ اب عقد بھی سیدھا سادہ اور رخصتی
بھی سادگی کے ساتھ عمل میں آتی ہے۔ بعض جگہ عقد اور رخصتی
ایک ہی روز ہوجاتی ہے اور بعض گھروں میں پہلے عقد ہوتا ہے
اور رخصت بعد میں اس ترمیم میں حکومت کا کوئی حصہ نہیں ہے
بلکہ عوام خود اس ترمیم کا باعث ہوئے ہیں۔ یہ بھی ایک بیداری
کی علامت ہے۔

ایران میں تجہیز و تکفین کے مراسم وہی ہیں جو عراق میں
رائج ہیں صرف اس قدر فرق ہے کہ وہاں حرم ہیں جہاں میت
کا طواف کراتے ہیں اور بعض وہیں دفن بھی کر دیتے ہیں۔ یہاں
بھی مقدس بزرگوں کے مزار کے صحن میں دفن کرتے ہیں۔ جہاں
ایسے بزرگ کا مزار نہ ہو تو قبرستان میں دفن کر دیتے ہیں۔

ملک ایران میں نئے نئے ایجادیں ہوتی رہتی ہیں قابل
اصلاح امور کی درستگی کا سلسلہ جاری ہے۔ غرض اس وقت جو

نمایاں ترقی اور قابل تعریف اصلاح نظر آتی ہے وہ عموماً جاریہ دور حکومت اور خصوصاً رضا شاہ کی توجہ کا نتیجہ ہے ملک ایران کی موجودہ حالت کا دس سال قبل کی حالت سے مقابلہ کیا جائے تو نمایاں فرق نظر آئے گا۔ ایرانیوں میں بیداری تو پیدا ہو گئی تھی اب اس میں تیزی پیدا ہو گئی ہے۔ جس سے ایران کا مستقبل بہت ہی امید افزا نظر آتا ہے۔
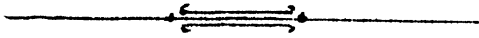
از طہران تا مشہد مقدس

طہران سے روانگی کے قبل محکمۂ نظمیہ سے اجازت حاصل
کرنی پڑتی ہے زائرین و سیاحین اپنی پاسپورٹ دکھا کر اجازت
نامہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور جب شہر کے باہر ہوتے ہیں تو کروڑ
گیری کے دفتر میں سامان کا معائنہ ہو جاتا ہے۔ پھر روانگی عمل میں
آتی ہے۔

طہران سے اندازاً پانچسو پچا ۵ میل کے فاصلہ پر مشہد
ہے۔ چار روز میں بذریعہ موٹر کار مشہد پہنچ جاتے ہیں۔ مشہد کے
دو راستے ہیں۔ ایک فیروز کوہ ہوتے ہوئے سمنان اور وادی کوہ
دماون سے گزرتا ہے یہ راستہ نشیب و فراز سے پر ہے اور
بیحد پیچیدہ موڑیں ہیں۔ جس کے باعث موٹر کار کو دقت کا سامنا
کرنا پڑتا ہے۔ بعض جگہ خطرہ بھی ہے۔ دوسرا راستہ لاشگرد ہوتے ہوئے

سمنان جاتا ہے۔ یہ راستہ بہتر ہے۔ گو مسطح نہیں مگر نشیب و فراز کم ہے موٹر تیز بھی جا سکتی ہے۔ یہ دونوں راہوں کا ملاپ سمنان پر ہوتا ہے۔ راستہ کی وہی حالت ہے۔ اور ملک کی بھی قریب قریب وہی حالت ہے جو میں پیشتر لکھ چکا ہوں۔ مگر یہ حصہ پہاڑی ہونے کے باعث یہاں زراعت کم نظر آتی ہے مگر قریوں شہروں اور بعض میدانوں میں خاصی شادابی ہے۔ سڑک پختہ ہے۔ راہ میں چھوٹے چھوٹے قریہ اور شہر ملتے ہیں جن میں سے بعض قابل ذکر یہ ہیں۔

شریف آباد

شریف آباد نامی قریہ طہران سے (۲۸) میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس کے مشرقی سمت میں سرراہ آتش پرستوں کا قدیم قلعہ ہے جس کے آثار اب تک موجود ہیں۔ اس کے آگے ایک ویران عمارت ہے کہا جاتا ہے کہ یہ نقارخانہ تھا جو عہد یزید ابن معاویہ میں تیار ہوا تھا۔

لاشگرد

لاشگرد ایک اور قریہ آگے ملتا ہے یہ طہران سے (۱۲۴) میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں عترت آئمہ ہدیٰ سے سید علی اکبر اور سید علی اصغر نامی بزرگوں کے مزار ہیں۔ ایک مدور اور بلند عجیب و غریب قدیم طرز کی عمارت ہے۔ جس کی شباہت شکھنڈے

سے ملتی جلتی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ عمارت اولاد سام کی ہے۔ اندر سے بعض جگہ منہدم ہوگئی ہے چند گھر اس کے اندر ہیں اس کا دروازہ سنگ گراں کا ہے۔ اس کے باہر زمانہ حال کی آبادی ہے یہاں سے (۲۰) میل آگے شہر سمنان ملتا ہے۔

شہر سمنان

شہر سمنان جو طہران سے (۱۴۴) میل پر واقع ہے، مرتفع اور سرسبز مقام ہے۔ شہر کے باہر باغات ہیں۔ شہر میں مختصر بازار اور قہوہ خانے ہیں۔ جہاں کھانے پینے کی اشیاء مل جاتی ہیں کاروانسرا گارج۔ ٹیلیگراف اور پوسٹ اور سرکاری محکمہ جات بھی ہیں یہاں بھی عترت حضرت امام جعفر علیہ السلام سے شہزادہ سید علی کا روضہ ہے یہ خوب آراستہ ہے۔ جہاں علماء و فضلا اور روضہ خوانوں کی معقول تعداد جمع رہتی ہے۔ یہاں پر وہ سڑک جو طہران سے فیروزکو ہوتے ہوئے آتی ہے ختم ہو جاتی ہے۔

آہوان

سمنان سے (۲۰) میل کے فاصلہ پر آہوان نامی بالکل چھوٹا سا قریہ واقع ہے۔ اس قریہ کے قریب دامن کوہ میں کھلا میدان ملتا ہے۔ وہاں اکثر ہرن نظر آتے ہیں اس لیئے اس کو کوہ آہوان بھی کہتے ہیں۔ ان ہرنوں کا لوگ شکار نہیں کرتے۔ مشہور ہے کہ جب حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام مامون الرشید

کی طلب پر مدینہ سے طوس تشریف لے جا رہے تھے اور اس مقام پر پہنچے تو اس وقت ایک صیاد نے ایک ہرن کا شکار کیا تھا۔ ہرن نے حضرت کی خدمت میں فریاد کی اور عرض کی کہ "اے میرے آقا مجھے صیاد گرفتار کر لایا ہے میرا بچہ بے شیر کے بھوکا پیاسا دامن کوہ میں ہے آپ میری فریاد کو پہنچیئے" یہ سنکر حضرت کو رحم آیا اور صیاد کو ارشاد ہوا کہ میں اس کا ضامن ہوں تو اس ہرن کو اتنی دیر چھوڑ دے کہ یہ اپنے بچہ کو دودھ پلا کر واپس چلے آئے یہ سنکر اس شکاری نے ہرن کو چھوڑ دیا اور ہرنی پہاڑ کی طرف چلی گئی۔ وہاں جا کر اپنے بچہ کو دودھ پلایا اور اپنے ہمراہ لیکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی امام کا یہ اعجاز دیکھ کر صیاد مسلمان ہو گیا اور ہرنی کو آزاد کر دیا۔ الغرض صرف یہیں نہیں بلکہ تمام صوبہ خراسان کے ہرنوں کا لوگ شکار نہیں کرتے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ آزاد کردہ امام ضامن و ضامن ہیں۔

دامغان

یہ بھی ایک چھوٹا سا شہر ہے جو طہران سے تخمیناً ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ یہاں مختصر مسقف پختہ بازار ہے۔ ایک قدیم مسجد زمانہ بنی عباس کی بنی ہوئی ہے یہاں شہزادہ سید جعفر فرزند امام زین العابدین علیہ السلام کا روضہ ہے اسی عمارت میں سید محمد فرزند امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا مزار بھی ہے دوسرا روضہ سید نور اللہ کا ہے بعض ان کو نور الدین بھی لکھتے ہیں یہ موسیٰ کاظمؑ کے فرزند ہیں دونوں
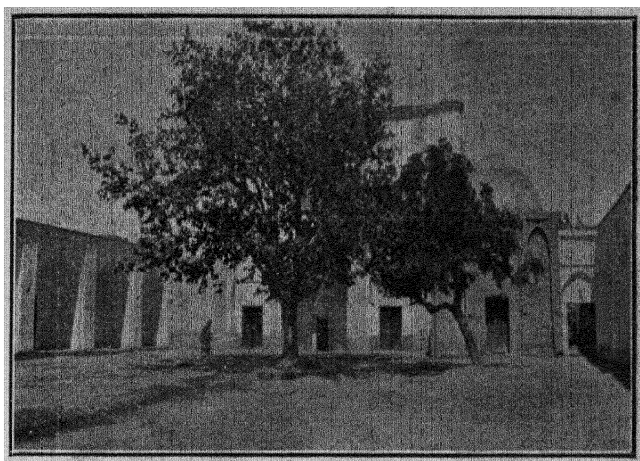
مقبرہ امام زادہ سید جعفر فرزند امام زین العابدین وسید
محمد فرزند امام موسی کاظم۔ دمغان (ایران)
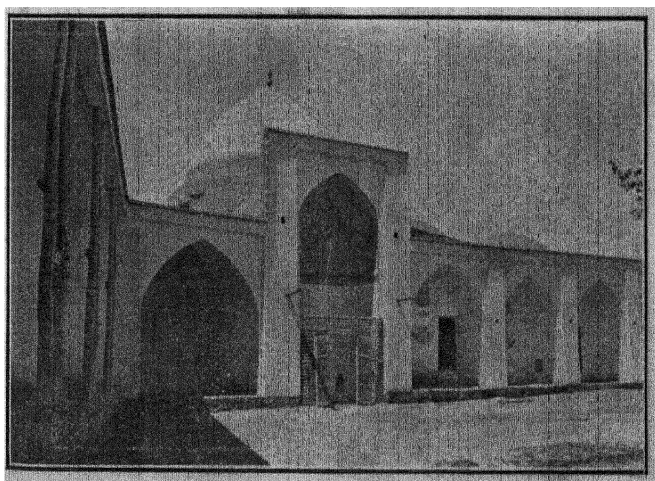
مقبرہ امام زادہ نور اللہ فرزند امام موسی کاظم۔ دمغان (ایران)

روضوں کی عمارتیں مختصر اور سادی ہیں اور نہایت صاف و پاک رکھی گئی ہیں زیارات تختی پر لکھے ہوئے آویزاں ہیں اور خادم بھی ہے مگر بے علم۔ اور سر راہ روضہ سید علی فرزند امام موسیٰ کاظمؑ ہے

شاہ رود

دامغاں سے اندازاً (۴۰) میل کے فاصلہ پر اور طہران سے تخمیناً (۲۴۰) میل پر ایک شہر شاہ رود نامی واقع ہے۔ شہر آباد ہے اور تحصیلدار کا مستقر ہے۔ یہاں کاروان سرا۔ حمام۔ گاراج۔ مساجد اور ماتم سرا ہیں۔ یہاں زراعت گیہوں اور جو کی ہوتی ہے میوہ بھی باغات بھی ہیں۔ یہاں سے ایک پختہ سڑک بندر غز کو شہر استرآباد ہوتے ہوئے جاتی ہے دوسری سڑک بسطام جاتی ہے۔ بسطام شہر شاہ رود سے اندازاً دو میل ہوگا یہ ڈپٹی کلکٹر کا مستقر ہے۔ اور یہاں روضہ شہزادہ سید محمدؒ ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ وہاں نہ جا سکا کیونکہ یہ مقام میرے راستہ میں نہیں پڑتا تھا۔ خاص طور سے وہاں جاکر لوٹ آنا پڑتا تھا۔ غرض کہ بسطام سے دو راہیں چلتی ہیں ایک بجنورد جاتی ہے۔ اور دوسری حاجرم اور سن خاص ہوتے ہوئے بجنورد کی سڑک سے بجنورد پر مل جاتی ہے۔ وہاں سے دونوں راہیں ملک شیروان۔ قوچان۔ چناران ہوتے ہوئے مشہد کو جاتی ہیں۔ چونکہ راستہ زیادہ پہاڑی ہے اور مسافت بعید ہے اس لیئے زائرین اور مسافرین ٹرنک روڈ (Trunk Road) سے سبزوار اور نیشاپور ہوتے ہوئے مشہد جاتے ہیں۔ میں بھی اسی سڑک سے

مشہد گیا تھا۔

سابق میں عموماً کل ایران کے راستے مخدوش تھے قوم ترکمان قافلہ کو لوٹ لیا کرتی تھی اور اہل قافلہ میں سے جن کو وہ مناسب خیال کرتے اسیر کر لیتے تھے بعض وقت جانیں بھی جاتی تھیں خصوصا اس حصہ ملک کے راستے زیادہ خطرناک تھے جب تک حفاظت کے لیئے سرکاری سوار و جمعیت ہمراہ نہ ہو قافلوں کا صحیح و سلامت گزرنا مشکل تھا اب الحمد للہ اس قدر امن ہو گیا ہے کہ ایک تنہا شخص بہ اطمینان سفر کرتا چلا جا سکتا ہے یہاں سے سبزوار تک راستہ بالکل خراب ہے کہیں کہیں مرمت بھی ہو رہی ہے جس کے باعث آج کل منزل عرصہ میں طے ہوتی ہے یہاں سے تخمیناً (۱۰) یا (۱۲) میل آگے سرحد صوبہ خراسان شروع ہو جاتا ہے۔ علاقہ خراسان کا پہلا قریہ جو شاہ رود سے اندازاً (۴۰) میل کے فاصلہ پر ملتا ہے میامی ہے۔ یہاں عترت امام جعفر الصادق علیہ السلام سے ایک بزرگوار کا روضہ ہے۔ افسوس ہے کہ یہ حضرات بنی عباس کے خوف ظلم سے کیسے آوارہ وطن ہوئے جان بچانے کے لیئے کہاں کہاں بود و باش اختیار کی اور کیسے کیسے دور دراز مقامات میں دفن ہوئے۔

موت لائی کس جگہ ان کو کہاں پیدا ہوئے

عباس آباد

نامی قریہ میں ہماری شب باشی ہوئی۔ یہ قریہ طہران سے

اندازاً (۳۲۰) میل ہوگا۔ خوشنما مختصر سی آبادی ہے۔ جس کے اطراف سرسبز باغات اور زراعت بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو شاہ عباس نے آباد کیا۔ چونکہ یہ مقام بلندی پر واقع ہے اسلئے یہاں خاصی سردی ہے۔ یہ مقام چھوٹا ہے اکثر زائرین اور مسافرین کا قیام کم ہوتا ہے اس لیئے یہاں کوئی وسیع سرائے اور بڑا گاراج نہیں ہے۔ ٹھیرنے کا مقام بھی نہیں ہے۔ اس لیئے ہم مالک گاراج کے توسط سے ایک مکان میں ٹھیرے مختصر اور آرام دہ تھا کھانا اچھا ملا اور رات آرام سے بسر ہوئی صبح میں یہاں سے نکل چلے۔

ایران کے گداگر

میں لکھ چکا ہوں کہ ایران کے طبقہ ادنیٰ کی حالت اچھی نہیں ہے۔ بہت غریب ہیں عموماً تمام مزدور پیشہ اور زراعت پیشہ لوگوں کی حالت اور خصوصاً ملازمت پیشہ غربا کی حیثیت قابل افسوس ہے بے علم و جاہل ہیں۔ ان کی قوت بسری کیلئے بظاہر اب تک کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہوا ہے اور نہ کارخانہ جات اور صنعت خانے ہیں جس میں کام کریں اور اپنی روزی پیدا کرلیں۔ سابق میں مجبور ہو کر لوٹ مار پر اپنی روزی کا دارومدار رکھے ہوئے تھے۔ جب سے جدید انتظام ہوا ہے گداگری کر رہے ہیں۔ گداگروں کی تعداد ہر مقام میں کافی ہے۔ درگاہوں پر سراؤں میں گاراج میں بازارات میں زیارت گاہوں میں مانگنے والے مرد عورتیں بچے سب ہی نظر آتے ہیں۔ ایک فرق یہ ہے کہ

مثل عراق کے ہٹ دھرم نہیں ہیں جب لوگ کچھ دیدیتے ہیں تو دعائیں دیتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

طہران میں جو گداگر قابل امداد ہیں ان کے لئے خاص انتظام اور کچھ ذریعہ معاش بھی پیدا کیا گیا ہے۔ صنعت و حرفت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے اور انجمنیں بھی ہیں جن سے معذورین کی امداد ہوتی ہے جو اچھے خاصے ہیں مگر بھیک مانگنے کی عادت پڑگئی ہے ان کے تدارک کے لیئے گداگری قانوناً ممنوع قرار دی گئی ہے اور پولیس ان کا انتظام کرتی ہے اسی طرح اور مقامات میں جہاں بڑے شہر ہیں میں نے سنا ہے کہ وہاں بھی انتظام کیا جارہا ہے مگر عام مقامات کی حالت کا درست کرنا ملکی مالداروں اور حکومت کا فرض ہے ورنہ یہ بہت جلد جرایم پیشہ ہوجائیں گے اس وقت سابق کی نسبت زیادہ خطرناک ثابت ہوں گے۔ پھر ان کی اصلاح مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوجائے گی۔ زیارتوں میں عباس آباد سے اندازاً (۲۸) میل کے فاصلہ پر مزینوں نامی ایک قریہ ہے۔ یہاں بھی عترت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ایک روضہ ہے

سبزہ وار

یہ شہر بہت قدیم ہے طہران سے تخمیناً (۴۰۸) میل ہوگا۔ زمانہ سابق میں اس شہر کے نواح میں بہت سے جنگ و جدل ہوئے۔ یہاں قدیم آبادی ابتر حالت میں ہے مگر نئی آبادی اچھی ہے اور ترقی کر رہی ہے۔ ہسپتال۔ پوسٹ و ٹیلیگراف کے دفتر اور

اور دیگر محلہ جات ہیں شہر فصیل کے اندر واقع ہے اور گرد خندق ہے بازار مسقف ہیں مگر بہت فرسودہ جس طرح ایران کے دیگر شہروں میں حمام قہوہ خانے سرائیں ، مساجد اور ماتم سرائیں ہوتی ہیں ۔ یہاں بھی موجود ہیں اور گاراج بھی ہیں شہر جدید خوش وضع ہے برقی روشنی ہے بلدیہ بھی اس مقام کی صفائی پر خاص توجہ کرتی ہے
قدیم زمانہ سے یہاں سادات کی تعداد زیادہ آباد ہے لوگ صاحب علم وفضل ہیں نیز بڑے ہی نجیب و شریف الخاندان ہیں۔ اور بڑے خلیق ہیں شہر میں دو روضے ہیں اور ایک روضہ بیرون شہر سر راہ ہے اس میں شہزادہ یحیٰ عترت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہے یہ بے حد خوشنما ہے اور پاک وصاف اور اچھی حالت میں رکھا گیا ہے۔ شہر کے عقب میں قریب ہی تلبے کی کان ہے۔

نیشاپور

شہر نیشاپور سبزوار سے اندازاً (۶۷) میل اور طہران سے تخمیناً (۴۸۴) میل ہوگا۔ نام کے متعلق لفٹننٹ کرنل سائکس اپنی کتاب تاریخ ایران جلد اول میں تحریر کرتے ہیں کہ نیشاپور کی وجہ تسمیہ نیک کار شاہ پور ہے۔ کسی زمانہ میں یہ شہر صوبہ خراسان میں معتبر تھا۔ شاہ پور اول نے اس کی بنیاد رکھی۔ شاہ پور اول کا زمانہ حکومت سنہ ۲۴۱ء سے ۲۷۱ء تک ہے شاہ پور ثانی نے شہر کی تعمیر مکرر کی۔ شاہ پور ثانی کا عہد حکومت ۳۰۹ء سے ۳۶۳ء تک ہے۔ ۱۹۰۹ء میں سائکس نے تحقیقات سے دو قدیم مقام

جو اس وقت تک بالکل مٹ چکے تھے دریافت کیے۔ اس شہر کے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دونو مقامات ساسانی دور کے آثار ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو یہ خطہ قابل دید ہے"۔ اس شہر کی قدامت کا بین ثبوت ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اسی شہر کے ایک دہقان کی لڑکی کے بطن سے **نوشیروان عادل** پیدا ہوا جو کے قباد کے بعد تخت نشین ہوا (۵۳۱ء) ۶۵۲ء م ۳۱ھ میں اس شہر کا محاصرہ عرب فاتحوں نے کیا اور ایران میں جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تو عہد سلاطین سلجوقیہ میں نظام الملک نے ۱۰۷۴ء م ۴۶۷ھ میں رصد خانہ جلالی قائم کیا جس میں عمر خیام اور دیگر منجمین کام کرتے تھے۔ عمر خیام نظام الملک کا ہم عصر تھا اور فلسفی منجم اور شاعر ہر حیثیت سے ممتاز تھا۔ ایرانی خیام کو صرف فلسفی و منجم سمجھتے ہیں اس کی شاعری کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے مگر دنیا میں رباعیات عمر خیام مشہور ہیں اور دوسرے ملکوں میں بڑی قدر سے دیکھی جاتی ہیں رباعیات کا انگریزی ترجمہ فٹیس جیرلڈ نے بہت ہی عمدہ کیا ہے جس کے باعث خیام یورپ و امریکہ میں اعلیٰ درجہ کا شاعر مانا جاتا ہے خیام کے نام سے لندن میں ایک کلب بھی قائم ہے عمر خیام کی قبر شہر سے دو میل کے فاصلہ پر روضہ امام زادہ سید محمد فرزند زید ابن امام زین العابدین علیہ السلام کے قریب ایک وسیع اور خوشنما باغ میں واقع ہے میوہ اور پھول کے درخت باغ میں بہ کثرت ہیں ایک حوض بھی ہے روضہ کی عمارت شاندار ہے اس کو شاہ عباس نے تعمیر کیا تھا اب روضہ کی مرمت ہو رہی ہے اسی گنبد میں امام زادہ ابراہیم۔ فرزند
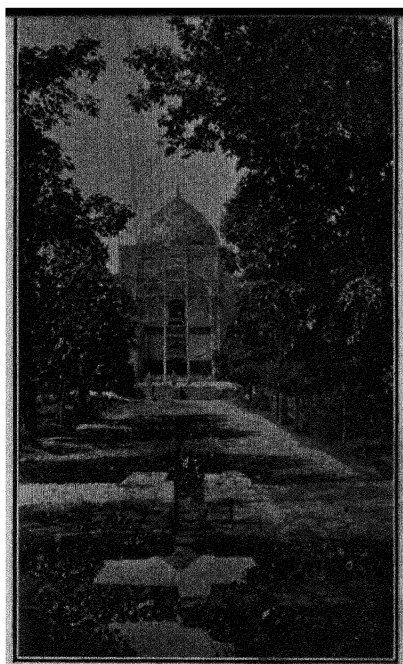
مقبرہ- سیدابرہیم فرزند موسی کاظم-
نیشاپور (ایران)
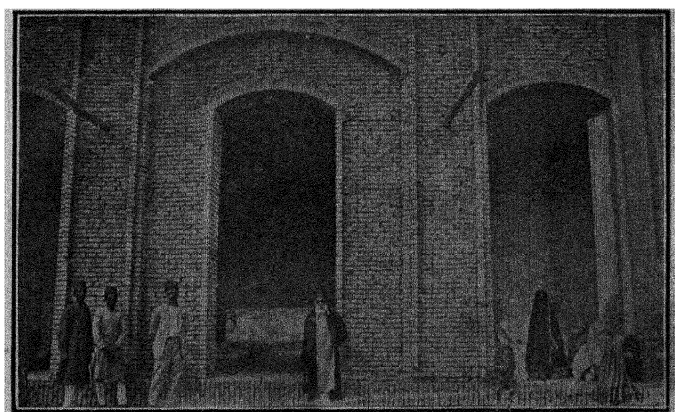
مقبرہ عمرخیام - نیشاپور (ایران)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی دفن ہیں بیرون روضہ بائیں جانب ایک دوسرے سے متصل اور سلسلہ وار تین کمانیں ہیں بیچ کی کمان میں قبر عمر خیام واقع ہے۔ اکثر سیاح خصوصاً یورپین یہاں زیادہ آتے ہیں۔

نیشاپور سے بہت ہی قریب فیروزہ کی کان ہے اس سے آجکل بھی فیروزہ نکالا جاتا ہے مگر خام ہوتا ہے یہ مشہد میں جا کر صاف ہوتے اور وہیں فروخت بھی ہوتے ہیں۔

نیشاپور ؁۶۶۸ھ م ؁۱۲۷۰ء سے ؁۱۱۴۶ھ م ؁۱۷۳۰ء تخمیناً (۴۶۰) سال تک جنگ جدل کا مرکز رہا۔ آخری حملہ نادر شاہ کا تھا۔ ان حملوں سے شہر بہت تباہ ہوگیا۔ اب شہر میں طرز قدیم اور جدید دو نو طرح کی عمارتیں ہیں بیرون شہر لب سڑک ایک دو منزلہ گاراج بہت شاندار ہے جس میں مختصر اور ضروری فرنیچر بھی مہیا رہتا ہے۔

نیشاپور سے مشہد اندازاً (۷۲) میل ہے راستہ اچھا ہے ان کے درمیان کوئی اور مقام سوائے قدم گاہ اور شریف آباد کے قابل ذکر نہیں۔ نیشاپور سے چلتے ہیں تو پہلے قدم گاہ جو (۱۶) میل کے فاصلہ پر واقع ہے ملتا ہے اور قدم گاہ سے (۳۲) میل کے فاصلہ پر شریف آباد واقع ہے۔

قدم گاہ

اس کی اصل آبادی پہاڑ پر ایک چھوٹے سے قلعہ میں ہے

مقام قدم گاہ پہاڑ کے دامن میں ہے جس کی ایک پختہ اور عمدہ عمارت ہے یہاں باغات بھی ہیں اس مقام کے متعلق مشہور ہے کہ جب حضرت سلطان الغربا اس مقام پر تشریف فرما ہوئے تو اہل قریہ جو گبر تھے آپ سے معجزے کے طالب ہوئے آپ نے اپنی ایڑی زمین پر ماری فوراً ایک چشمہ آب شیریں کا پیدا ہو گیا اور بہنے لگا امام نے اس پانی سے وضو کیا اور ایک چٹان پر کھڑے ہو کر نماز ادا فرمائی اس سنگ میں پائے اقدس کے نشان بن گئے اور وہ اسوقت جانب راست قبلہ کی طرف دیوار میں نصب ہے۔ چشمہ پر ایک سبز کاشی کے اینٹ کا بنا ہوا گنبد ہے۔ جس کے نیچے سنگین حوض ہے اور اس میں چشمہ سے نہر گرتی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ایک آتش پرست بڑھیا اس سنگ کے نیچے پرستش کی غرض سے آگ روشن کیا کرتی تھی آپ نے وضو کر کے اسی سنگ پر نماز پڑھی اور وہاں نشان قدم اقدس بن گیا۔ امام ضامن صامن کے ان معجزات کو دیکھ کر کل قریہ کے آتش پرست مسلمان ہو گئے۔ وہ پتھر جس پر نشان قدم اقدس ہے۔ شاہ عباس کے زمانہ تک یوں ہی پڑا رہا۔ جب وہ یہاں آیا اور حال معلوم ہوا تو اس نے سنگ کا بڑا احترام کیا اور ایک عالی شان عمارت بنوائی اور وہ پتھر دیوار میں نصب کروا دیا۔ اس عمارت کے چار صحن ہیں ہر صحن میں ایک باغ ہے اس میں پھولوں اور میوے کے درخت ہیں ہر چمن کے وسط میں حوض ہے اور ہر حوض میں نہر اسی چشمہ سے جاری کی گئی ہے یہ نظارہ بہت ہی ہوش ربا اور دلچسپ ہے اس مقام

سے (۳۲) میل کے فاصلہ پر شریف آباد واقع ہے۔

شریف آباد

اس شہر میں کوئی غیر معمولی خصوصیت نہیں ہے مختصر سی آبادی ہے آب شیریں کا ایک اچھا تالاب ہے۔ یہاں بڑا چوراہا ہے جس کی ایک راہ مشہد کو جاتی ہے۔ دوسری دزداب۔ تیسری طہران کو اسی پر سے ہم سفر کرتے ہوئے آئے۔ اور چوتھی ہرات جاتی ہے۔ یہاں سے بڑی چڑھائی شروع ہوتی ہے اور پھر اتار بھی اسی قدر زیادہ ہے۔ راستے پیچ و خم سے پُر ہیں مگر سڑک بہت ہی عمدہ ہے۔ مجھے بغداد سے یہاں تک ایسی اچھی سڑک نظر نہیں آئی۔ شریف آباد سے مشہد (۲۴) میل پر ہے۔ یہاں سے اندازاً ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ میں داخل مشہد ہوتے ہیں۔

جوں جوں راستہ طے ہوتا جاتا ہے ایک فرحت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اندازاً تین یا چار میل کے فاصلہ سے جب شہر مشہد اور خصوصاً ضریح اقدس کا گنبد اور دیگر مینارے نظر آتے ہیں ایک عجیب حالت طاری ہو جاتی ہے دل بھر آتا ہے۔ نظر اسی طرف لگی رہتی ہے اسی حالت میں دروازہ پائین خیابان سے داخل شہر مشہد مقدس ہو جاتے ہیں۔

باب ہشتم

مشہد مقدس
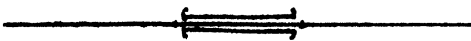
مشہد کی وجہ تسمیہ اور تاریخ

ایرانیوں کا بیان ہے کہ اس شہر کو جمشید نے آباد کیا تھا قدیم زمانہ میں اس کو سابلہ کہتے تھے۔ پھر طوس نام ہوا اس شہر کے دو حصے تھے۔ ایک طائران اور دوسرا نوقان تھے۔ یہ دونو نام غیر مستعمل ہیں اور صرف مشہد کے نام سے مشہور ہے مشہد کی آبادی کی تفصیلی تاریخ اور سنہ کا پتہ نہیں چلتا ممکن ہے کہ طائران اور نوقان ایک ہی شہر کے دو حصے ہوں یا یہ ہو سکتا ہے کہ جدا جدا دو چھوٹے شہر یا قریہ ہوں ایک کا نام طائران دوسرے کا نام نوقان ہو اب صرف شہر مشہد کے ایک محلہ کا نام نوقان رہ گیا ہے

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ موجودہ مشہد طوس کا حصہ ہے جس کا نام نوقان تھا۔ یہ قیاس بھی ہو سکتا ہے کہ ایک چھوٹا سا شہر یا قریہ اس نام کا اس مقام پر ہوگا جہاں اس وقت ایک محلہ مشہد ہے۔ شہر طوس کا ایک حصہ نوقان خیال کرنا بالکل قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ موجودہ ویرانہ طوس شہر مشہد سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ شہر کا اسقدر وسیع ہونا ممکن نہیں۔ کسی تاریخ میں طوس کی اس قدر وسعت نہیں بتائی گئی۔ اب لامحالہ یہی ماننا پڑتا ہے کہ سرزمین طوس پر ایک علیحدہ اور چھوٹا سا شہر یا قریہ موجودہ شہر مشہد کے شمال و مشرق کے سمت نوقان نامی تھا۔ اور غالباً اسی پر موجودہ مشہد کے محلّوں میں سے ایک محلّہ کا نام نوقان رکھا گیا ہے۔ مذکورالصدر وجوہات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ مشہد شہر طوس ہے اور نہ اس کا کوئی حصہ بلکہ یہ ایک بالکل نیا شہر ہے۔ چنانچہ "تحفہ رضویہ" میں لفظ "قریہ" نوقان کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ روایات اور اخبار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عبدالصالح سکندر ذوالقرنین نے زمین طوس پر ایک شہر آباد کیا تھا جس کا نام سناآباد رکھا تھا۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی کی تھی کہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا اس شہر میں دفن کیا جائے گا۔" سکندر اعظم کی وفات ۳۲۲ قبل مسیح میں ہوئی اس لحاظ سے (۱۲۲۵) سال پہلے یہ شہر آباد ہوگا۔ غرض کہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ سرزمین طوس پر شہر سناآباد ہے اس میں میرے جسم کا ایک ٹکڑا دفن ہوگا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ شہر طوس میں میرے جسم کا ایک ٹکڑا دفن ہوگا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشہد نہ طوس ہی

اور نہ حصہ طوس جس کو نوقان کہتے ہیں۔ بلکہ سناآباد ہے اس زمانہ میں جب
امام رضا علیہ السلام تشریف فرما ہوئے سناآباد کی حیثیت شہر کی نہ تھی
بلکہ ایک قریہ تھا۔ چنانچہ "تحفہ رضویہ" میں یہ لفظ قریہ سناآباد کے ساتھ
لکھا گیا ہے۔ اور کتاب مسالک الممالک سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قریہ
سناآباد سے ایک میل کے فاصلہ پر مرقد امام ضامن ضامن علیہ السلام
ہے۔ متعدد کتب سے ثابت ہے کہ حمید ابن قحطبہ کے باغ کی عمارت
میں ہارون الرشید دفن ہوا اس کے قبر کے سرہانے حضرت
سلطان الغربا دفن ہوئے۔ اب یہ امر صاف ہوگیا کہ حضرت کا دفن
سناآباد میں نہیں بلکہ سناآباد کے علاقہ میں ہوا حضرت کے دفن کے
بعد شہر مشہد کی بنا ہوئی۔ مشہد کے لغتی معنی شہادت گاہ یا شہیدوں
کا قبرستان ہے چونکہ شہادت حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام اسی
ارض میں واقع ہوئی اور مدفن بھی یہی ہوا اسی لیئے اس شہر کا نام مشہد
پڑگیا اس شہر کی ابتدا ۲۰۳ھ م ۸۱۸ء میں ہوئی اسلئے موجودہ شہر مشہد
ایک نیا شہر ہے۔

مشہد کا جغرافیہ

موجودہ مشہد صوبہ خراسان کے گورنر کا مستقر ہے طہران سے یہ
تخمیناً (۵۰۰) میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ شہر اقلیم رابع میں واقع ہے
خط استواء عرضاً (۳۶) درجہ (۲۰) دقیقہ اور طولاً (۵۷) درجہ (۳۰) دقیقہ اور
جنوب کے نقطہ سے سمت قبلہ (۵۴) درجہ (۷) دقیقہ پر ہے اور سطحہ سمندر
سے (۳۱۰۰) فٹ بلند ہے۔ یہ شہر ایک نہایت زرخیز وادی میں واقع

ہے وادی چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے قدرتی چشمے ان پہاڑوں سے بہتے اور باغات اور مزرعوں کی سرسبزی وشادابی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس شہر کی سالانہ بارش کا اوسط (۹) انچ (۲۰) سنٹ ہے۔ آب وہوا نہایت خوشگوار اور سرد وخشک ہے۔ یہاں کا ٹمپریچر عموماً موسم تابستاں میں رات کو (۴۴) ڈگری اور دن میں (۱۰۲) ڈگری سے زیادہ نہیں ہوتا۔ زمستان میں سخت سردی ہوتی ہے یہاں سال کے چار موسم حسب تفصیل ذیل ہوتے ہیں۔

بہار مارچ واپریل۔ تابستان مئی سے آخر اگست تک۔ پائیز ستمبر اکتوبر۔ زمستان نومبر سے آخر فروری تک ہے۔

مشہد کی دوامی آبادی تقریباً اسی ہزار سے اونچی ہے اور عارضی یا ہنگامی آبادی ان لوگوں کی جو ہر سال بہ قصد زیارت ایام مخصوصہ میں آتے ہیں ایک لاکھ یا ڈیڑھ لاکھ تک ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی اندازہ کیا گیا ہے کہ پانچ ہزار سے اٹھ ہزار تک زائرین ہر وقت شہر میں موجود رہتے ہیں۔ زائرین ایران عرب ہندوستان اور دیگر ممالک سے یہاں آتے ہیں اور اس کی آبادی میں اضافہ کرتے ہیں۔

مشہد کے معدنیات

صوبہ خراسان کا رقبہ وسیع ہے جس میں بہت سے معدنیات موجود ہیں مشہد کے بہت ہی قریب کوئلہ کی کان ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کوئلہ بھی نکالا جاتا ہے۔ نیشاپور میں فیروزہ کی اور سبزوار میں تانبے کی کانیں ہیں جس کا ذکر اپنے اپنے مقام پر ہو چکا ہے۔ پہلے لوہے کی

کان میں بھی کام ہوتا تھا مگر اب موقوف ہے۔ شمالی حصہ میں مٹی کے تیل کی کان بھی ہے۔ بہر حال ملک قدرتی خزانوں سے پُر ہے۔

مشہد کی پیداوار

اس صوبہ کا وسیع رقبہ پانی کی کمی کے باعث غیر آباد ہے جہاں کہیں قدرتی یا مصنوعی ذریعوں سے آبپاشی کا انتظام ہے وہاں پیداوار بہت اچھی ہوتی ہے۔ یہاں کے ذرائع آبپاشی میں ایک تو قدرتی نہریں اور چشمہ ہیں جو پہاڑوں سے نکلتے اور ہمیشہ بہتے رہتے ہیں۔ دوسرے زمین دوز پہاڑی چشمہ اور نہریں ہیں جو پہاڑوں سے نکالی گئی ہیں تیسرے کوئیں ہیں جن میں پچاس فٹ کی گہرائی پر پانی نکل آتا ہے یہ عموماً زراعت اور دیگر ضروریات کے کام آتا ہے کنوؤں کا رواج بہت کم ہے اکثر امیر یا شوقین لوگ اپنے باغوں میں جہاں نہر نہیں پہنچ سکتی ان سے آبپاشی کرتے ہیں۔ زیادہ پیداوار جو۔ گندم۔ نخود۔ کپاس۔ تمباکو اور زیتون کی ہے۔ یہاں کا زعفران زیادہ مشہور ہے۔ شہروں قصبوں اور قریوں میں آبادی کے قریب کی زمینات میں ترکاریاں بوئی جاتی ہیں۔ ہمہ قسم کی ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ مٹر اور مکئی کی یہاں بطور غلّہ کے کاشت نہیں کرتے بلکہ ترکاری کے طور پر کام میں لاتے ہیں۔ مکئی کا بھٹّا جب تیار ہو جاتا ہے تو آگ میں بھونکر یا اس کے دانوں کو ابال کر یا تل کر کھاتے ہیں ہندوستان کے اکثر مقامات پر بھی یہی طریقہ رائج ہے۔ یہاں باغات کی کثرت ہے جن میں سوائے آم۔ لیموں۔ نارنگی یا دوسرے قسم کے ترش میووں کے باقی سب ہوتے ہیں خصوصاً سیب۔ ناسپاتی

نارنج۔ گلابی۔ بگو گوشہ۔ آڑو۔ زرد آلو۔ آلوچہ۔ شفتالو۔ توت۔ شہ توت۔ گلاس یعنی چیری۔ انار بہی۔ انگور کی کئی قسمیں چنار خربوزہ اور تربوز بہت ہی عمدہ ہوتے ہیں۔

مشہد کی صنعت و حرفت اور تجارت

مشہد میں یوں تو کئی چیزیں عمدہ بنتی ہیں مگر بعض قابل ذکر ہیں۔ پارچہ بافی بھی ہوتی ہے سوتی۔ اونی اور ریشمی ہر قسم کا اور ہر وضع کا کپڑا بنایا جاتا ہے۔ ریشمی پارچہ میں کنادیز یا قناویز۔ رومال۔ لنگ بہت ہی عمدہ ہوتے ہیں ان کپڑوں کی سالانہ تجارت کئی لاکھ تومان سالانہ کی ہے پارچہ اونی برک نامی تیار ہوتا ہے جو کئی قسم کا ہوتا ہے نرم و گرم ہونیکے علاوہ بڑا مضبوط اور بہت پائدار ہوتا ہے اور ممالک کو بھی جاتا ہے، پارچہ سوتی جتنا تیار ہوتا ہے وہ ملک ہی میں کام آتا ہے، مشہد کے قریب ایک نرم پتھر نکلتا ہے جو سنگ آسیہ کے نام سے مشہور ہے اس کے ظروف جیسے ہانڈی۔ پیالہ۔ رکابی۔ کٹورہ۔ گلدان اور گلاس وغیرہ بنائے جاتے ہیں بہت نفیس اور ارزان ہوتے ہیں۔ ایک اور پتھر زرد مثل کھرے کے ملتا ہے جس کو سنگ مقصود کہتے ہیں اسکی نہایت نفیس تسبیحیں بنتی ہیں اور قیمتی ہوتی ہیں۔ فیروزہ خام یہاں صاف ہوتا اور تراشا جاتا اور اس کے زیورات بنائے جاتے ہیں۔ یہاں کئی وضع کی ٹوپیاں بنتی ہیں آج کل کلاہ پہلوی زیادہ تیار ہوتی ہے یہاں کی کفش سازی اعلیٰ درجہ کی اور مشہور ہے علاوہ ایرانی و عربی کے انگریزی زنانہ اور مردانہ بوٹ۔ شوز۔ پمشوز۔ کورٹ شوز۔ فل سلیپر

ہاف سلیپر۔ لانگ بوٹ اور رائڈنگ بوٹ غرض ہر قسم کے جوتے بہت اچھے تیار ہوتے ہیں اور ارزاں بھی ہیں۔ علاوہ اس مال تجارت کے جس کی درآمد برآمد ہوتی رہتی ہے مقامی بیپار کی حالت بھی خاصی اچھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ (۱۴۴) بڑے تاجروں کی دوکانیں ہیں جن کے سرمایہ کا اندازہ چھ لاکھ انگریزی پونڈ سے اونچا کیا گیا ہے۔ امپیریل بنک آف پرشیا کی شاخ حصہ شمال میں ہے جس کی ایک عمدہ عالیشان دو منزلہ عمارت ہے یہ سالانہ لاکھوں پونڈ کا معاملہ کرتی ہے۔

مشہد کا شہر ایک قدیم اور مستحکم شہر پناہ کے اندر واقع ہے جس کا طول و عرض قریب دو میل کے ہے۔ اس حساب سے محیط چھ میل سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس فصیل کے گرد گہری خندق ہے اور اطراف ایک سو اکتالیس برج ہیں۔ برج اس انداز سے بنائے گئے ہیں کہ اگر غنیم ایک برج پر قبضہ کرلے تو دوسرے برجوں سے شہر کی محفوظ سپاہ غنیم کو ہٹا سکتی ہے۔ شہر میں داخل ہونے کے آٹھ دروازہ ہیں جن کے نام یہ ہیں دروازہ نوقان۔ دروازہ پائیں خیابان۔ دروازہ بالائے خیابان۔ دروازہ سراب دروازہ ارک۔ دروازہ عیدگاہ۔ دروازہ میر علی امویہ اور دروازہ توپخانہ شہر کے وسط سے ایک نہر بہتی ہے یہ شہر کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے اس کے دونوں کناروں پر سایہ دار درخت اور وسیع و پختہ سڑکین ہیں مگر ہموار نہ ہونے کے باعث چھڑکاو کے بعد پانی ٹھہر جاتا ہے یوں تو شہر کے کئی محلہ اور کئی کوچہ ہیں لیکن بعض بڑے اور قابل ذکر محلّے یہ ہیں محلہ بالائے خیابان جو شہر کے شمال و مغرب میں واقع ہے پائیں خیابان شہر کے جنوب اور مشرق میں ہے۔ سراب مغرب کی سمت ہے

چہار باب بھی جانب مغرب، سراب سے ملحق ہے عیدگاہ شہر کے جنوب کی سمت میں ہے۔ نوقان شمال و مشرق میں واقع ہے پاچنار شمال میں اور ارک شہر کے مغرب و جنوب میں ہیں۔ ان محلوں میں کئی گلی کوچہ اور تنگ راہیں ہیں۔ ان میں اونچی اونچی دیواروں کے اندر آراستہ چمن اور آرام دہ مکانات نجف کی طرز کے بنے ہوئے ہیں مگر اس قدر فرق کے ساتھ کہ یہاں صحن کسی قدر بڑا اور اس میں چمن ہوتا ہے۔ ان میں نہ تہ خانہ ہوتا ہے اور نہ بالاخانہ کیونکہ یہاں کے موسم کے لحاظ سے ان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہاں امیروں کے مکانات میں دودکش ہیں جن کے نیچے آتش دان ہوتے ہیں ان میں موسم سرما میں آگ جلائی جاتی ہے تاکہ مکان گرم رہے اور دھواں ان دودکشوں کے ذریعہ باہر نکل جائے۔ مگر عام غربا اور متوسط طبقے کے لوگ موسم سرما میں کمرہ کے درمیان ایک چھوٹی چوکی رکھتے ہیں اس کے نیچے کوئلے کی آگ روشن کرتے ہیں اس کے اوپر ایک بڑا لحاف حسب ضرورت پانچ چار قدم مربع بلکہ اس سے بھی بڑے اوڑھا دیتے ہیں۔ کل خاندان کے مرد و زن اس کے گرد مل کر بیٹھتے ہیں اور لحاف کو اپنے پاؤں پر ڈال لیتے ہیں باتیں کرتے جاتے ہیں چائے حقہ پیتے ہیں اور کھانا بھی وہیں کھاتے ہیں شب کو اسی لحاف میں آگ کی طرف پاؤں کرکے سو جاتے ہیں یہ یہاں خاص طریقہ مشہد ہی میں دیکھا گیا محلوں میں زندوں کے حمام اور مردوں کے غسل خانہ مثل عراق کے کثرت سے بنے ہوئے ہیں مدارس دو طرح کے ہیں قدیم جن میں عربی اور فارسی کی تعلیم ہوتی ہے مدارس جدید

ان کے علاوہ پرائیوٹ ڈاکٹروں کی بھی خاصی تعداد ہے۔

اس شہر میں کئی اخبار فارسی زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ عموماً ہفتہ وار ہیں ٹائپ کے حروف میں چھپتے ہیں آزادی کے ساتھ اڈیٹران اخبار ہر معاملہ پر رائے زنی کرتے ہیں۔ آغا محمد اسمعیل منیر مازندرانی اڈیٹر اخبار "مہر منیر" سے ہماری ملاقات ہوئی بہت خلیق آدمی ہیں اور وسیع معلومات رکھتے ہیں انھوں نے ہم کو چائے پر مدعو کیا تھا۔

یہاں علماء اور فضلاء کی خاصی تعداد ہے جن میں آغا سید علی اکبر خوئی بڑے پایہ کے نیک سید اور مجتہد ہیں ان سے ملنے کا مجھے شرف حاصل ہوا اور حسب عادت اور رواج انھوں نے ہم کو چائے کی دعوت بھی دی تھی۔

یہاں بہت سے ہندوستانی بھی ہجرت کرکے آگئے ہیں اور یہیں بس گئے ہیں۔ چنانچہ شیخ مہدی خادم بارگاہ امام رضا علیہ السلام اپنے کو ہندی کہتے ہیں۔ میں انھیں کے ہاں مہمان رہا۔ بڑے خلیق اور مہمان نواز آدمی ہیں۔ زائرین کو ہر طرح کا آرام دیتے ہیں انھوں نے ہی ہم کو زیارت پڑھائی جب تک میں مشہد میں رہا آرام سے رہا اور ان سے بیحد مدد ملی خدا انھیں جزائے خیر دے۔

سید شاہ سوار علی شاہ نامی پچاس سال سے محلہ سراب میں مقیم ہیں آپ حیدرآباد دکن کے باشندے تھے اب یہاں اپنا ذاتی مکان تیار کرلیا ہے اور ایک مشہدی خانم سے عقد کرلیا ہے۔ ان کے لڑکے لائق و ہوشیار ہیں ایک لڑکا سید عباس شاہ امپریل بنک آف پرشیا کے منشیوں میں کام کرتا ہے آئندہ ترقی کی توقعات ہیں۔ سید شاہ موصوف کو

نقشہ
روضہ امام رضا علیہ السلام (مشہد)
ایوان شاہ عباس
سبیل نادر شاہ
بالائے خیابان
ایوان طلائے نادر شاہ
صحن کہنہ
پائین خیابان
مدرسہ بالا سر
مدرسہ پریزاد
مدرسہ مرزا علی نقی خان
ایوان طلائے ناصر الدین شاہ
سبیل ناصر الدین شاہ
صحن جدید
صحن مسجد گوہر شاد
مسجد پیران
قبر شیخ بہاء الدین عاملی
ایوان مقصورہ
مسجد گو
ہر شاد
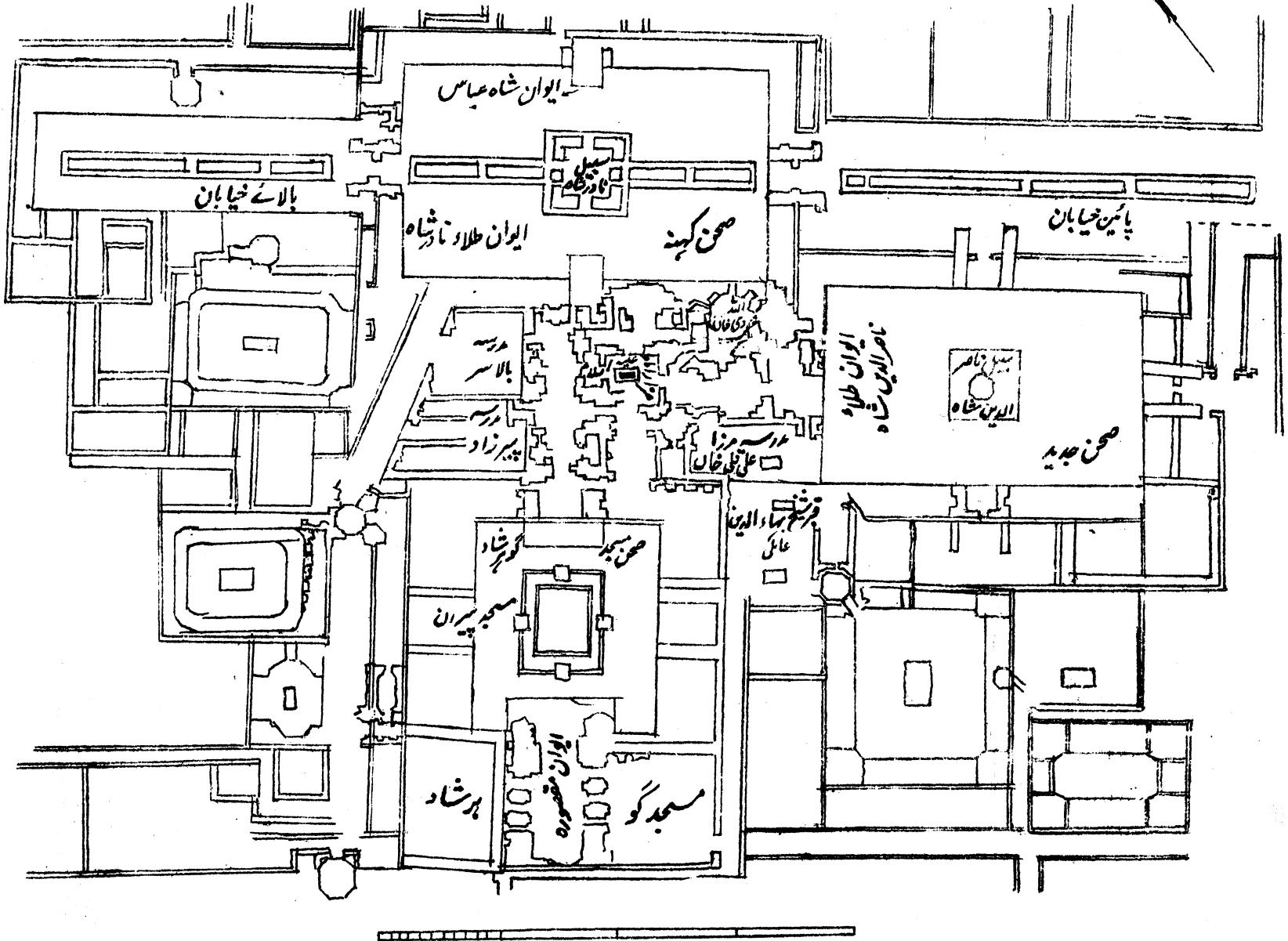
حیدرآباد کی ریاست سے مدد ملتی ہے اور یہاں کی حکومت سے بھی یومیہ ہے آپ کو حکومت ایران سے منصور التولیہ کا خطاب ہے آپ ہندوستانیوں خصوصاً حیدرآبادیوں کی مہمانی کرتے ہیں۔ ہماری دعوت کی تھی گو آپ کو یہاں مقیم ہوکر کافی عرصہ گزرچکا ہے مگر آپ کی معاشرت پر یہاں کا کم اثر ہے۔ ابھی تک آپ کے یہاں رہنے کا طرز کھانا پینا حیدرآباد جیسا ہے۔

مشہد میں گورنر رہتا ہے اور ضروری عملہ اور جو محکمے ایک صوبہ کے لیئے چاہیئیں یہاں موجود ہیں مختصر سی فوج اور توپخانہ بھی ہے۔ اس شہر سے پانچ پختہ سڑکیں نکلتی ہیں ایک ہرات جاتی ہے دوسری ذردآب۔ تیسری کبود گنبد چوتھی شیروآن اور پانچویں شادیشہ ہر ایک راہ سے بے شمار زائرین آتے جاتے رہتے ہیں کیوں کہ یہ بڑا معتبر شہر ہے۔

امام موسیٰ رضا علیہ السلام

اس شہر کے وسط میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی ضریح مقدس واقع ہے۔

آپ کا اسم گرامی علی آپ کی کنیت ابو الحسن اور آپ کا لقب الرضا ہے۔ عوام آپ کو سلطان الغربا امام ضامن و صامن کہتے ہیں۔ مامون الرشید نے آپ کا لقب الرضا من ال محمدؐ رکھا تھا۔ آپ ائمۂ اثنا عشری میں آٹھویں امام ہیں۔ آپ کا شجرہ یہ ہے امام موسیٰ کاظمؑ ابن امام جعفر الصادقؑ ابن امام محمدؐ باقر ابن امام زین العابدینؑ ابن

امام حسین ابن امام المتقین امیرالمومنین علی ابن طالب علیہ السلام آپ کی پیدائش شہر مدینہ منورہ میں ۲۵ ذیقعدہ ۱۴۸ھ مطابق ۷۶۵ء عیسوی روز پنجشنبہ کو ہوئی۔ آپ کی تعلیم و تدریس اسی طریقہ پر ہوئی جیسی آپ کے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی ہوئی تھی آپ کی تحصیل اور تکمیل اپنے پدر بزرگوار امام زماں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں ہوئی۔ بعد شہادت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ جب آپ فائز منصب امامت ہوئے تو آپ کا سن ۳۵ برس کا تھا۔ آپ کا علم آپ کا فضل آپ کا زہد تقویٰ آپ کے اخلاق آپ کے عادات آپ کی صلح جوئی آپ کی خیر و خیرات آپ کی قبیلہ پروری ایسی تھی کہ صرف حجاز ہی میں نہیں بلکہ عراق و ایران اور اس وقت کی اسلامی دنیا میں تعظیم و تکریم کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ آپ کی قدر و منزلت اہل ثروت و حکومت بلکہ شاہان زمانہ سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ آپ مجسم نمونہ اپنے بزرگوں کا تھے آپ نے اپنا طرز و طریق زندگی مثل اپنے آبا و اجداد کے رکھا تھا۔

ابتدائے سلطنت عباسیہ سے آپ کے زمانہ تک اور اس کے بعد بھی عموماً سادات کی سلطنت کی طرف سے خلاف ورزی اور اپنی تقدیر آزمائی کی بیجا اور بے موقع کوشش مختلف صورتوں میں اور متفرق مقاموں میں ہوتی رہی۔ امام زین العابدینؑ کے زمانہ سے لے کر آپ کے زمانہ تک اور اس کے بعد بھی ہر امام نے اپنے زمانہ میں اس سے پوری علیحدگی، کنارہ کشی اور برات ثابت کی اور ان امور میں کوشش کرنے والے حضرات اور حصہ لینے والی جماعت کو

گو وہ سادات ہی کیوں نہ ہوں ہمیشہ رہا نہ رہنے اور ترک کرنے کی ہدایت فرماتے رہے۔ وہی طریقہ آپ کا بھی رہا بلکہ اس سے زیادہ احتیاط آپ نے کی۔

آپ کا قیام مدینہ منورہ میں ۲۰۰ھ مطابق ۸۱۵ء تک رہا۔ اگرچہ کہ حکومت آپ کے درپے آزار نہ تھی اس کے دو سبب معلوم ہوتے ہیں اول یہ کہ ہارون الرشید آل برامکہ کے استیصال اور رافع ابن لیث ابن سیار کے غدر و فساد کے انسداد میں ہر وقت الجھا رہا۔ دوسرے یہ کہ اپنے بیٹوں میں ملک تقسیم کر دینے کے بعد خود ایسا کمزور اور مجبور ہو گیا تھا کہ کوئی کام اپنے اختیار سے نہیں کر سکتا تھا نام کا بادشاہ تھا۔ اپنی زندگی کے دن نہایت عسرت اور تنگی کی حالت میں کاٹ رہا تھا۔ یہی مجبوریاں تھیں جنھوں نے ہارون الرشید کو آپ کی مخالفت کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا ورنہ وہ کچھ نہ کچھ ضرور کرتا۔ مگر کیا کر سکتا تھا خود اس کے ہاتھ پاؤں اس کے اختیار میں نہ تھے۔ بہرحال ہارون الرشید نے ۱۹۳ھ مطابق ۸۰۹ عیسوی کو طوس میں انتقال کیا لیکن امام رضاؑ آسودہ اور مطمئن بھی نہ رہے اقسام کے مصائب و آلام میں گرفتار ہو گئے ۱۸۶ھ مطابق ۷۹۳ء میں سب سے پہلے جس آفت کا سامنا ہوا وہ ہارون الرشید کی اس فوج کی تاخت تھی جو عیسیٰ جلودی کے افسری میں خاص سادات بنی فاطمہ کی تاراجی اور غارت گری کیلئے روانہ کی گئی تھی۔ دوسرے آپ کے بھائیوں کی خانہ جنگی اور

اختلاف طبعی کی مصیبت تھی جو آپ کو چین لینے نہیں دیتی تھی اور تیسرے فرقہ واقفیہ[۱] کا ایک بار خروج تھا جو آپ کے متبعین اور مومنین کو اغوا کرکے آپ کے دشمن ہی نہیں بنا رہے تھے بلکہ عقائد کے خلاف تعلیم دے کر نظام امت اور احکام شریعت میں بہت بڑا فساد و خلل ڈال رہے تھے۔

سنہ ۱۹۷ھ م سنہ ۸۱۳ء تک مامون الرشید اور امین الرشید اپنے اپنے مقبوضہ ملک پر حکومت کرتے رہے پھر آپس میں جنگ و جدل شروع ہوئی بالآخر مامون کامیاب ہوا اور سنہ ۱۹۸ھ م سنہ ۸۱۴ء میں امین قتل کروا دیا گیا۔ گو کل ممالک کا مامون حاکم ہوگیا مگر پورا تسلط اور خاطر خواہ اطمینان حاصل نہیں تھا۔ ملک کے اندرونی حصوں میں فساد پھیلا ہوا تھا۔ بغداد میں عباسیوں کا زور اور مخالفت تھی۔ مگر شیر قالین رہ گئے تھے۔ دوسرے حصہ ملک پر شیر نیستان سادات کی حکومت کا زور تھا۔ یہاں تک کہ کوفہ اور بصرہ اور واسط میں خطبہ سے مامون کا نام نکال دیا گیا اس کی جگہ محمد بن محمد کا نام امیر المومنین کے لقب کے ساتھ داخل کر دیا گیا غرض مامون کو روز کے جھگڑوں سے فرصت نہ تھی وہ پریشان تھا اس کے پیش نظر دو مسئلے تھے۔ ایک

---

[۱] فرقہ اسمعیلہ کے بعد یہ تیسرا فرقہ ہے جو امام موسیٰ رضا کے زمانہ امامت میں مذہب شیعہ اثنا عشریہ کے مقابلہ میں نمودار ہوا۔ اس فرقہ کا نام واقفیہ یوں ہوا کہ یہ لوگ امام موسیٰ کاظمؑ کے بعد سلسلہ امامت کو منقطع سمجھنے لگے اور آپ ہی کو مہدی موعود خیال کرکے انھوں نے امامت کو ختم کر دیا چونکہ اسی مقام پر پہنچ کر ٹھہر گئے اور انھوں نے وقف اختیار کیا اس لیئے واقفیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

یہ کہ ملک کے فساد کا انسداد ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اپنے ولی عہد کا تقرر ہو جائے حکومت کا دار و مدار حسن بن سہل اور فضل ابن سہل پر تھا مامون کو ان پر اطمینان اور بھروسہ تھا یہ اپنی غرض کو مدنظر رکھ کر اصلی واقعات سے مامون کو آگاہ نہ کرتے تھے جب سر سے پانی گزر گیا تو واقعات کو فضل نے بیان کیا اس کے ساتھ ہی ساتھ تقرر ولیعہد میں صرف اس قدر کہا کہ اگر خاندان اہل بیت میں سے کسی کا انتخاب ہو تو بہتر ہے اس کے دو سبب اس کے خیال میں تھے' ایک یہ کہ سادات کا زور زیادہ ہے کوئی ممبر اہل بیت کا ولی عہد ہوگا تو کل مطیع و تابع فرمان ہو جائیں گے دوسرے یہ کہ خاندان نبی عباس سے سہل اور فضل کو قلبی عداوت تھی اس سے ان کا خاتمہ ہمیشہ کے لیئے ہو جاتا۔ گو فضل کی رائے مامون کو پسند آئی مگر مامون معمولی سمجھ کا آدمی نہ تھا اور عہدہ ولی عہدی ایک اہم امر تھا اس لیئے اس نے خاندان اہل بیت سے کسی کو انتخاب کرنے کے قبل نبی عباس کے کل ممبروں کی فہرست معہ ان کی لیاقت اور اوصاف کے منگوائی یہ تینتیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی ان میں ایک کو بھی اس قابل نہ پایا کہ اپنا ولی عہد بنا سکے۔ اس کے بعد طبقہ سادات میں بھی تلاش کی ایک عرصہ تک غور کرتا رہا ان حضرات میں بھی کوئی بزرگ اس کے مقصد کے موافق نہ نکلا جو جامع صفات ہو سوائے امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے۔

آفاق را گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

مامون کی حضرت کو اپنا ولی عہد بنانے کی غرض محض یہ تھی کہ

بدنظمیوں کی اصلاح ہو اسلئے فضل کی رائے سے اتفاق ہی نہیں کیا بلکہ اپنے
کل وزرا و امراء کے مشورہ اور اتفاق سے مسئلہ ولی عہدی کو طے کرلیا
پھر مامون کے یہاں سے آپ کے پاس خط پر خط گئے مگر آپ نے
ان خطوط کے جواب کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی آپ اس
طلبی اور استدعا ولی عہدی کو بالکل ایسا ہی سمجھتے تھے جیسا آپ کے
جد بزرگوار امام جعفر الصادق علیہ السلام ابو مسلم ابو سلمہ خلال کی
عرضداشت اور ان کی قبول خلافت کی درخواست کو مامون سمجھ گیا
کہ آپ ولی عہدی کو اپنے لیے مطلق باعث افتخار یا اعزاز نہیں
سمجھتے اور اپنی طرف سے مسرت قبولیت کا اظہار کرنا نہیں چاہتے
غرض جب ان خطوط سے اس کا مطلب نہ نکلا تو اپنے ارا کین دولت
کے اتفاق رائے سے مامون رجا ابن ضحاک کے ہمراہ اپنے
معتمدین کی ایک جماعت کو اپنی استدعا کے ساتھ آپ کی خدمت
میں مدینہ منورہ روانہ کیا مگر مامون کو خوف تھا کہ شاید میرے روانہ شدہ
لوگوں کی جماعت سے الجھ بچا کر آپ راستے میں علیحدہ ہو جائیں
تو پھر میرے لیئے مشکل کا سامنا ہوگا اس لیئے اس نے رجا ابن
ضحاک کو سخت تاکید کردی کہ وہ ہر وقت اثنائے سفر میں آپ
سے جدا نہ ہو اور ہر طرح آپ کی حفاظت کرکے آپ کو مرو پہنچا دے
غرض کہ رجا داخل مدینہ منورہ ہوا اور آپ کی خدمت میں پیش ہو کر
رقعہ شاہی معہ تحائف سلطانی گزرانا۔ آپ نے اس خط کو کھولنے
اور تحائف کی طرف توجہ کرنے کے قبل حسب عادت اہل ہاشم
اپنے مہمان کی ضیافت سے فارغ ہوئے پھر مامون کے خط کو

کھولا اور پڑھا۔ اور ارشاد فرمایا کہ "رجا انسان ارادۂ تقدیر سے مجبور ہے میں نے اس وقت تک اس امر کی طرف اپنی رغبت اور رحجان نہیں دکھلایا مگر میرا فعل حاکم وقت کو پسند نہ آیا تو خیر رضاً بقضائہٖ وتسلیماً لامرہ۔ خدا پر توکل کر کے میں تمھارے ساتھ چلنے تیار ہوں" پھر آپ تمام ضروریات سفر مہیا کر کے روضۂ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بے حد رنج و ملال کے ساتھ ہمیشہ کے لیئے وداع ہوئے پھر اپنے صاحبزادہ امام محمد تقی سے جن کا سن اوس وقت چھ برس کا معلوم ہوتا ہے رخصت ہوئے بارہ ہزار دینار سرخ تمام اعزہ اور اقارب پر تقسیم کر کے معہ تین سو ہمراہیوں کے سن ۲۰۰ ہجری م ۸۱۵ء میں مرو کی طرف روانہ ہوئے ایک روایت یہ بھی ہے کہ مدینہ سے خانہ کعبہ تشریف لے گئے وہاں تک آپ کے صاحبزادے بھی ہمراہ تھے بعد طواف کعبہ امام محمد تقی سے رخصت ہو کر نکلے بہرحال آپ نے کوفہ اور قم کی مروجہ راہ چھوڑ کر بصرہ اور اہواز کی غیر متعارف راہ اختیار کی۔ آپ نے یہ راہ اپنی خودی سے نہیں بلکہ مامون کے فرستادہ جماعت کی تجویز سے مجبوراً اختیار کی تھی ان کی غرض اس راہ سے حضرت کو لیجانے کی یہ تھی کہ شیعان کوفہ وقم اور تمام عقیدت مندان فارس سے ملاقات نہ ہونے پائے۔ آپ کی ملاقات سے ہیجان کا قوی احتمال تھا۔ غرض کہ شہر نیشاپور و قریہ حمرا شہر طوس اور قریہ سناآباد ہوتے ہوئے قریب دارالحکومت مرو پہنچے تو مامون معہ ارکان دولت کے آپ کا استقبال گرمجوشی سے کیا دست بوسی

کے بعد اپنے ہمراہ شہر میں لایا مسرت ظاہر کی ایک قصر اعلیٰ میں جو بہت ہی آراستہ تھا آپ کو اتارا دیگر سادات جو آپ کے ساتھ تھے دوسرے مکانات میں اتار سے گئے۔ جب حضرت امام علیہ السلام کو مرو میں آئے ہوئے کچھ دن گزر چکے تو مامون آپ کو کئی ہفتہ تک متعدد دفع اپنی خلوت میں طلب کرتا رہا اور مختلف صورتوں سے اپنی استدعا پیش کرتا تھا۔ مامون کو یقین کامل تھا کہ آپ خلافت کو ہرگز قبول نہ کرینگے اور جو آپ قبول نہ کریں اسی کو پیش کرنا چاہیئے جس سے اپنی فراخدلی اور عالی ہمتی ظاہر ہوگی۔ اسی لیئے ابتدا خلافت سے کی اور ولی عہدی پر انتہا کردی۔ غرض کہ ایک عرصہ تک سوال و جواب کے بعد آپ نے چند شرطوں کے ساتھ ولی عہدی کو مجبوراً قبول فرمالیا وہ سوال و جواب اور شروط تحفۂ رضویہ مطبوعہ مقبول پریس دھلی میں جس طرح درج ہیں ان کو بطور سوال و جواب کے یہاں لکھنا میں اپنے سلسلہ کے لیئے کافی سمجھتا ہوں :-

مامون "یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ آپ کا علم و فضل آپ کا ورع و تقویٰ اور اطاعت خدا ہم پر کیا ساری دنیا پر منکشف ہے۔ بیشک آپ مجھ سے بہمہ صفات امر خلافت کے زیادہ مستحق اور سزاوار ہیں۔ مسند خلافت کو قبول کیجئے اور اپنے قدم میمنت لزوم سے تخت امارت کو زیب و زینت دیجیئے"

حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام "تمام فخر و بزرگی

خدائے رب العالمین کے شایان اور سزاوار ہے۔ اور عقلاء زمانہ تعلقات دنیا سے خاص کر اس لیئے احتیاط اختیار کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کو اس کے شر اور فساد سے محفوظ رکھیں۔ دنیا کی حرام چیزوں سے اس وجہ سے پرہیز کرتے ہیں کہ اپنے اس پرہیز کے سبب وہ نعیم الہٰی پر فائز ہوں دنیا میں تواضع اور انکسار اس لیئے اختیار کیا جاتا ہے کہ اس کے سبب سے لوگوں کی ذاتی قدر و منزلت اور زیادہ ہوتی ہے ان کے مراتب و مدارج میں نمایاں ترقی اور اضافہ ہوتا ہے"۔

مامون (بکمال منت وسماجت) "اب تو میں اپنا عزم بالجزم کر چکا ہوں کہ میں امور خلافت سے دست بردار ہو کر آپ کو اس امر پر منسوب و مامور کر دوں اور خود بھی آپ سے بیعت کرنے کا شرف حاصل کروں"

حضرت امام موسیٰ رضا ؑ (کمال استغنا اور سیر نفسی سے) "اے امیر اگر یہ خلافت تمھاری ہے اور واہب العطایا نے اسکی خلعت تمھیں پہنائی ہے تو اس کے عطیہ کو اپنے بدن سے اتارنا اور دوسرے کو پہنانا کب روا ہو سکتا ہے اور اگر یہ تمھاری چیز نہیں ہے اور پرایا مال ہے تو تم غیر کو دینے کے کیسے مجاز ہو سکتے ہو"۔ غرض مامون بار بار استدعا کرتا تھا اور آپ انکار کرتے تھے اور ارشاد فرماتے گئے کہ "میں بندہ خدا ہونے کی شان کو اپنے لیئے باعث فخر سمجھتا ہوں اور تعلقات دنیا کے ترک کو میں اپنے اعلیٰ مرتبہ کا ذریعہ سمجھتا ہوں"۔ مامون نے خلافت

کو قبول کرنے کے لیئے آپ سے بہت التجا کی مگر کامیابی نہ ہوئی آخر مجبور و ناچار اس نے ایک دن آپ کو اپنی خلوت میں طلب کر کے عرض کیا۔

مامون "اگر امر خلافت قبول نہیں کیا جاتا تو میری ولی عہدی قبول فرمائی جائے"

حضرت امام موسیٰ رضاؑ کھلے کھلے اور صاف صاف لفظوں میں "مجھے اپنے آباء طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے اسناد سے معلوم ہوا ہے کہ یہ امر تمام نہ ہوگا اور میں تم سے پہلے تمام ہو جاؤں گا۔ مجھ کو دغا سے زہر دے کر شہید کریں گے ملائکہ ارض و سما میری غربت پر روئیں گے اور اسی غربت کے عالم میں میں تیرے باپ ہارون کی قبر کے قریب مدفون کیا جاؤں گا"

مامون "یہ کس کا مقدور ہے کہ میری زندگی میں ایسی جرأت کرے"

حضرت امام موسیٰ رضاؑ "اگر مناسب سمجھتا تو میں اسی وقت اپنے قاتل کا نام بھی تجھے بتلا دیتا مگر میں قبل از وقوع کسی واقعہ کے اظہار کو شعار عقل نہیں جانتا"

مامون (چین بہ جبین ہو کر) "آپ کا مقصود اصلی اور مطلب دلی یہ ہے کہ میرے اصرار پر اصرار اور آپ کے انکار پہ انکار دیکھ کر دنیا اور اہل دنیا کی نگاہوں میں آپ کے زہد و استغنا توکل اور ترک علائق کی کامل شہرت ہو اور میرا عجز اور طبیعت کی کمزوری ثابت ہو"

حضرت امام موسیٰ رضاؑ "امیر میں اپنی تمام عمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا حصول دنیا کے لیے محض ظاہری طور پر دنیا سے نفرت کرنا میرا شیوہ نہیں لیکن ان امور کی تکرار اور بار بار اصرار سے جو تیرا خاص مقصود ہے وہ میں البتہ تیرے منہ پر کہے دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ تیرا مقصود اس اصرار سے یہی ہے کہ لوگ کہیں گے کہ علی ابن موسیٰ علیہم السلام حقیقت میں تارک الدنیا نہیں تھے بلکہ خود دنیا نے ایک خاص مدت تک انھیں چھوڑ رکھا تھا مگر پھر بعد مرور ایام جب دنیا نے ان کی طرف رجوع کیا تو پھر بہ کمال رغبت و خواہش اس میں آلودہ ہو گئے۔"

مامون (پہلے سے بھی زیادہ برہم ہو کر) "آپ میری متواتر منت وسماجت اور استدعا و التجا پر ابھی تک انکار کرتے جاتے ہیں اور میری موجودہ سطوت سے ذرا نہیں ڈرتے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ میری ولی عہدی کو قبول نہ فرمائیں گے اور انکار پر انکار کرتے جائیں گے تو میں تحقیر و تذلیل سلطنت کے جرم میں آپ کو قتل کر ڈالوں گا۔"

اس کا یہ جواب سنا تھا کہ جناب امام موسیٰ رضاؑ کے چہرۂ مبارک پر سابق انتشار و اضطرار کے خلاف اطمینان اور تسکین کے آثار نمایاں اور آشکارہ ہونے لگے اور آپ نے نہایت نرمی اور آہستگی سے ارشاد فرمایا کہ

"اس امر کی یہ صورت ہو گئی اور واقعی جب یہ معاملات اس حد تک پہنچ گئے تو مجھے اب تیری استدعا قبول کئے بغیر چارہ

نہیں ہے۔ کیونکہ اب میرا انکار میری ہلاکت کا باعث ثابت ہوگا
اس لیئے آیہ ربانی ہدایہ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کی تعمیل مجھ پر واجب
ہوگئی میں تیری ولی عہدی قبول کرتا ہوں مگر ان شرائط پر کہ میں کاروبار
سلطنت میں کوئی دخل نہ دوں گا نہ کسی کو معزول کروں گا اور نہ کسی کو
مامور نہ کسی آئین ملکی کو تبدیل کروں گا اور نہ کسی قواعد ملکی کو متغیر ہاں ان
امور کی مداخلت سے علیحدہ رہ کر تجھ کو ان تمام امور ملکی میں جن میں
تجھ کو میرے مشورہ کی ضرورت ہوا کرے گی جو حکم خدا اور شریعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اور مصلحت وقت کے
موافق ہوگی مشورہ دیا کروں گا۔" مامون نے یہ شرط قبول کر لی اور
آپ سنہ ۲۰۱ھ م سنہ ۸۱۶ء میں ولی عہد بنائے گئے، امام موسیٰ رضاؑ کو ولیعہد
ہوکر ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ مامون کی آپ سے مخالفت کا آغاز
ہوا اس کے اسباب بہت سے ہیں۔ ازاں جملہ ان کے اول یہ کہ
آپ کی جو قدر و منزلت اور آپ کا جو وقار اسلامی دنیا میں تھا اور
آپ سے جو اعتقاد عام مسلمانوں کو تھے یوں تو مامون اس سے
واقف تھا مگر سابقہ نہ پڑا تھا جب رجا ابن ضحاک نے کل واقعات
جو مدینہ سے مرو تک گزرے آپ کا زہد آپ کی عبادت آپ کی
راست بازی اور جہاں جہاں آپ کا قیام ہوتا تھا وہاں جس قدر
گرم جوشی سے مخلوق آپ کی خدمت کرتی تھی اور مسلمانوں کا ہجوم
آپ کے ورود پر ہوتا تھا من و عن مامون سے بیان کیئے تو مامون
کی وقعت میں اضافہ ہی نہیں ہوا بلکہ ایک تشویش پیدا ہوگئی۔
دوسرے یہ کہ جب ولی عہدی کے کل مراتب طے ہوگئے اور

رمضان کے بعد ہلال عید نمایاں ہوا تو آپ کو امامت نماز کے لیئے مامون نے بلوایا۔ آپ نے انکار فرمایا کیونکہ آپ پہلے فرما چکے تھے کہ اس قسم کے امور میں جو سلطنت اور حکومت یا شوکتِ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں میں کوئی دخل نہ دوں گا۔ چونکہ نماز عید کی امامت بھی اسی طرح کے امور میں سے تھی اس لیئے آپ نے انکار کر دیا۔ اس پر مامون کا سخت اصرار ہوا، آخر کار آپ راضی ہو گئے مگر اس شرط کے ساتھ کہ نماز عید کو اسی طریقہ سے تشریف لے جائیں گے جس طرح حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور جناب امیر المؤمنین علی علیہ السلام تشریف لے جایا کرتے تھے، مامون نے اس شرط کو مان لیا۔

لیکن جب محل سے آپ برآمد ہوئے اور پیدل برہنہ پا تکبیر پڑھتے چلے ہیں اس وقت عجیب حالت تھی اور عجیب اثرات مسلمانوں پر ہوئے مامون کے اس کو بچشم خود دیکھا۔ اسکو اک خوف سا پیدا ہو گیا کہ آپ عیدگاہ تک اسی طرح چلے جائیں گے تو پائے تخت کے تمام لوگ آپ کے گردیدہ و فریفتہ ہو جائیں گے اور ایک شخص بھی مامونی نہ رہے گا معاً کھلا بھیجا کہ آپ کو ناحق زحمت ہوتی ہے آپ واپس ہو جائیں جو شخص ہر سال نماز پڑھاتا ہے وہی اس سال بھی پڑھائیگا یہ سن کر آپ نے کفش منگوا کر پہنے اور بیچ راستہ سے اپنے محل کو واپس ہو گئے۔

تیسرے یہ کہ مامون یہ سمجھا ہوا تھا کہ جناب امام رضاؑ اپنے احکام کی اجرائی میں اس کے اقتدارات سلطانی عز و اعتبار حکمرانی کا ضرور خیال و لحاظ فرماتے رہیں گے۔ مگر اس کی امیدوں کے خلاف آپ نے حق

بات کہنے میں مامون کا مطلق لحاظ نہیں فرمایا۔ جو کچھ کہنا ہوتا وہ بے دھڑک کہہ گزرتے تھے بظاہر مامون کچھ کہہ نہ سکتا تھا مگر خفیف ہوجاتا اور دل میں عداوت ومخاصمت پیدا ہوجاتی۔

چوتھے یہ کہ آپ مامون کو خلوت وصحبت میں بیجا اور خلاف شرع امور کے خلاف پند ونصیحت فرماتے اور خوف خدا سے ڈرایا کرتے تھے وہ بظاہر تو آپ کے ارشاد قبول کرلیتا مگر باطن میں اس کو اپنے خلاف شان اور باعث ہتک سمجھتا اور دل میں ملول وکشیدہ خاطر ہوجاتا رفتہ رفتہ آپ کے اقوال پر اشارۃً وکنایۃً اعتراضات کرنے لگا یہ سچ ہے کہ جب کسی کی طرف سے طبیعت میں اختلاف اور مزاج میں کد پڑھ جاتی ہے تو پھر اس کی ہر ایک بات پر اعتراض کی تلاش رہتی اور اچھی بات بھی بری لگتی ہے آپ کے مخالفین نے یہ رنگ دیکھ کر مامون کو خبر پہنچائی کہ آپ کے محل سرا پر لوگوں کی کثرت رہتی اور وہ آپ کی صحبت میں عموماً ایسے تذکرے ہوتے ہیں جن سے خلیفہ وقت کی تضحیک ہوتی ہے یہ سنکر مامون نے خفیہ طور پر اپنے چند آدمی مقرر کردیئے کہ آپ کی دیکھ بھال کرتے رہیں اور جاسوسی کیا کریں۔ غرض کہ مخالفت دن بدن بڑھتی گئی۔

اس میں شک نہیں کہ آپ کی ولی عہدی کے بعد سادات کا زور کم ہوگیا اور ان سے اطمینان حکومت کو حاصل ہوگیا اور عام رعایا میں بھی سکون پیدا ہوگیا۔ مگر بنی عباس کی آگ بھڑک گئی خود بغداد شریف میں بعضوں کو خود مختار اور خود سر ہوجانے کی فکر شروع ہوگئی یہاں تک کہ پانچویں محرم سنہ ۲۰۲ھ م سنہ ۸۱۵ء کو ابراہیم ابن مہدی جو مامون کا چچا ہوتا تھا

لوگوں نے اس کو اپنا امیر مقرر کر لیا ممالک حجاز و عراق کے لوگ مامون اور اس کی حکومت سے بالکل ناراض تھے رفتہ رفتہ ایک ایک ابراہیم کی طرف کھینچے چلا جاتا تھا اس کا سبب حسن ابن سہل کی ناقابلیت اور خود غرضی تھی اور اس کے کاروبار اور حرکات کو مامون سے پوشیدہ رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کا بھائی فضل ابن سہل وزیر اعظم تھا جب حسن سے ان امور کے تدارک کا سامان نہ ہو سکا اور ہر طرح سے ناکامیابی نظر آنے لگی تو گھبرا کر ایک عرضی مامون کو لکھی جس میں کل حالات تحریر کئے گئے مامون نے عرضی کو پڑھ کر قاصد سے بھی مزید حالات دریافت کئے اور اس کو خاص طور سے ہدایت کر دی کہ یہ راز پوشیدہ رہے۔ پھر مامون نے حضرت امام موسیٰ رضاؑ سے حالات دریافت کئے اور مشورہ کیا آپ نے خالصاً و مخلصاً بموجب حکم خدا اور رسول سچے سچے حالات ہی بیان نہیں فرمائے بلکہ مشورہ دیا کہ ایسے وقت میں عراق اور حجاز کی طرف بغرض انتظام جانا مناسب ہے۔ اس مشورہ کے بعد مامون نے بغداد تشریف کے سفر کا ارادہ فضل کے مشورے کے بغیر کر لیا۔ اور اپنے ہمراہ حضرتؑ کو بھی لے لیا جس سے فضل کو شبہ ہوا اس نے اپنی کوشش سے حالات دریافت کر لیئے۔ جب واقعات معلوم ہوئے تو اس کو اپنے بھائی حسن کی بزدلی جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی پر سخت افسوس ہوا بلکہ حسن کی نادانی پر بہت غصہ بھی آیا اسی غضب میں قاصد اور اس کے ہمراہیں کو بلوا کر ذلیل و خوار کیا مامون خلاف عادت اس کے مشورے کے بغیر سفر کا ارادہ کیا تو یہ امر اس کو ناگوار ہی نہیں گزرا بلکہ وہ مامون کا مخالف بھی ہو گیا اس نے مامون سے کہا کہ

بغداد شریف کا سفر ایسے وقت میں نامناسب ہے مگر مامون نہ مانا اور روانہ ہوگیا
اس کے ساتھ ہی فضل کو بھی ہمراہ لے لیا اس سے فضل بہت پریشان
ہوا۔ بہر حال جب مامون کو حقیقت حال معلوم ہوا اور یہ ثابت ہوگیا
کہ حسن کے باعث حکومت کے زوال کے اسباب پیدا ہوگئے اور ان
واقعات کو ایک عرصہ تک اس سے پوشیدہ رکھ کر اس نوبت کو
لانے کا باعث فضل ہی ہے اسی وقت سے مامون چوکنا ہوگیا۔ اور
ان امور کو درست کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا کامل غور کے بعد یہ فیصلہ
کر لیا کہ اس تمام فساد کا باعث دو امر ہیں حسن و فضل کی امارت و وزارت
اور حضرت موسیٰ رضا کی ولی عہدی مامون نے ان امور کا سد باب
ضروری سمجھا اور ان کو بہت جلد دفع کرنے کی فکر میں ہمہ تن مصروف
ہوگیا۔ ساتھ ہی ساتھ ان امور کو خموشی اور راز میں طے کرنا بھی ضروری تصور
کیا اس نے اپنے آپ کو دنیا میں بری ثابت کرنے کے تمام ذریعہ اور
اسباب کمال احتیاط کے ساتھ فراہم کر لیئے اس کے بعد ان اسباب کے
دفعیہ کی فکر شروع کی جب مرو سے نکلکر سرخس پہنچا تو سب سے پہلے فضل
ابن سہل کو اپنے خاص آدمیوں کے ہاتھ سے قتل کروا دیا اس کے قتل
کے بعد جو طرز طریقہ مامون نے اختیار کیا تمام کتب تاریخ میں موجود ہے
فضل کے موت کا صدمہ حسن کو اس قدر ہوا کہ وہ بیمار ہوگیا اور دیوانہ بھی
ہوگیا۔ اس وقت حسن واسطہ میں تھا اور بغداد شریف میں ابراہیم کو خوف سے
جانے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ حسن کی دیوانگی کی حالت دیکھ کر اہل واسطہ نے
اس کو طوق و سلاسل میں مقید کر کے مامون کو اطلاع دی۔ مامون نے اسکے
پاس فوراً اپنا حکیم علاج کے لیئے اور تیمارداری کے لیئے غلام سراج کو روانہ

کیا اور حکیم کو تاکید کر دی کہ ایسا علاج کیا جائے جس سے اس کی دیوانگی میں ترقی ہی ہو اسی بہانہ سے قید کا سلسلہ جاری رہ سکتا تھا یہ اس لیئے تھا کہ مامون پہلے بغداد پہنچ جانا چاہتا تھا جب ایک امر طے ہو گیا تو حضرت امام رضاؑ کے طرف رجوع ہوا۔ میں لکھ چکا ہوں کہ آپ سے اس کو مخالفت پیدا ہو گئی تھی اس میں روزانہ ترقی ہوتی گئی پہلے ہی سے وہ اپنی ملکی ضرورتوں کے مدنظر یہ طے کر چکا تھا کہ جب تک آپ کا بھی خاتمہ نہ ہو اس کو امان نہیں ملے گی اس لیئے بذات خود اپنے باپ دادا کی طرح، بلکہ زیادہ اہتمام کے ساتھ اس نے آپ کو زہر دیا جس کے متعلق کئی تفصیلی روایات کتب تاریخ اور سیر میں موجود ہیں جیسا کہ طبری نے اپنی تاریخ کی چوتھی جلد میں امام شبلنجی مصری نے انوار الابصار میں اور ملا عبدالرحمٰن جامی نے شواہد النبوۃ میں اور صاحب روضۃ الصفا نے اپنی کتاب میں تحریر فرمائی ہے۔ میں یہاں روضۃ الصفا کی دو روایتوں میں سے ایک مختصر روایت اور علامہ شیخ مفید طالب ثراہ کی کتاب ارشاد میں سے چند واقعات آپ کی یہاں درج کرتا ہوں جو کافی ہیں

"ایک روز مامون اور حضرت امام موسیٰ رضاؑ نے باہم ملکر کھانا کھایا حضرت امام موسیٰ رضاؑ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ مامون نے بھی اگرچہ وہ حقیقت میں بیمار نہیں تھا مگر اپنی طرف سے مصنوعی طور پر بیماری کا اظہار کیا۔ عبداللہ ابن بشر ناقل ہیں کہ اس واقعہ سے کچھ پیشتر مامون نے مجھے حکم دیا تھا کہ اے ابو عبداللہ آج سے خیال رکھنا اور حجامت کے وقت اپنے ناخن نہ ترشوانا میں نے اس حکم کی تعمیل کی اور متواتر کئی حجامتوں تک اپنے ناخن نہ لیئے اور وہ اپنے حد سے کہیں زیادہ

بڑھ گئے پر جس روز اس علالت کا واقعہ پیش ہوا اس کے ایک دن بعد
ماموں نے مجھے اپنی خدمت میں بلا بھیجا جب میں گیا تو اس نے مجھے
ایک چیز تمر ہندی کی سی دی کہ اسے اپنے ہاتھوں سے خوب ملو اور
خمیر کی طرح گوندھو اور خبردار اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا مجھے یہ کہہ کر ماموں
فوراً حضرت امام موسیٰ رضاؑ کی عیادت کے لیئے چلا گیا اور آپ کی
خدمت میں پہنچکر مزاج پرسی کی آپ نے فرمایا مجھے امید ہے
کہ انشاء اللہ صحیح و تندرست ہو جاؤں گا۔ ماموں نے کہا کہ میں کل کی
نسبت آج تو بہت اچھا ہوں اور پھر اپنے ہمراہیوں کی طرف دیکھ کر
پوچھا کہ کیا اطبار شاہی میں سے کوئی طبیب حاضر نہیں ہے حضرت
امام موسیٰ رضاؑ نے فرمایا کہ آج تو کوئی صاحب موجود نہیں ہیں یہ سنتے ہی
ماموں سخت برہم اور اپنے ملازموں پر نہایت غصہ ہو کر کہنے لگا کہ آپ
کے علاج میں اس قدر غفلت اور تساہل کیوں کیا جاتا ہے۔ اس کے
بعد حضرت امام علیہ السلام سے کہا کہ آپ اس وقت آب انار ضرور
نوش فرمائیں آپ نے بھی انکار و ایجاب کے متعلق اپنی زبان مبارک
سے کچھ نہیں فرمایا تھا کہ ماموں نے فوراً اپنے ایک غلام کو بھیجکر مجھے
(عبداللہ ابن بشر) بلا بھیجا۔

عبداللہ کا بیان ہے کہ جب میں وہاں پہنچا تو ماموں نے
مجھے دیکھتے ہی کہا کہ اسی وقت جا کر عطار خانہ شاہی سے حضرت
امام موسیٰ رضاؑ کے لیئے اپنے ہاتھوں سے اچھے اور دانہ دار اناروں کو
نچوڑ کر آب انار تیار کر لاؤ میں گیا اور میں نے اپنے انھیں زہر آلود ہاتھوں
سے انار کے دانے نچوڑے اور کٹورے میں آب انار جو باطن میں زہر ہلاہل

ضریح مقدس امام ضامن و ذامن
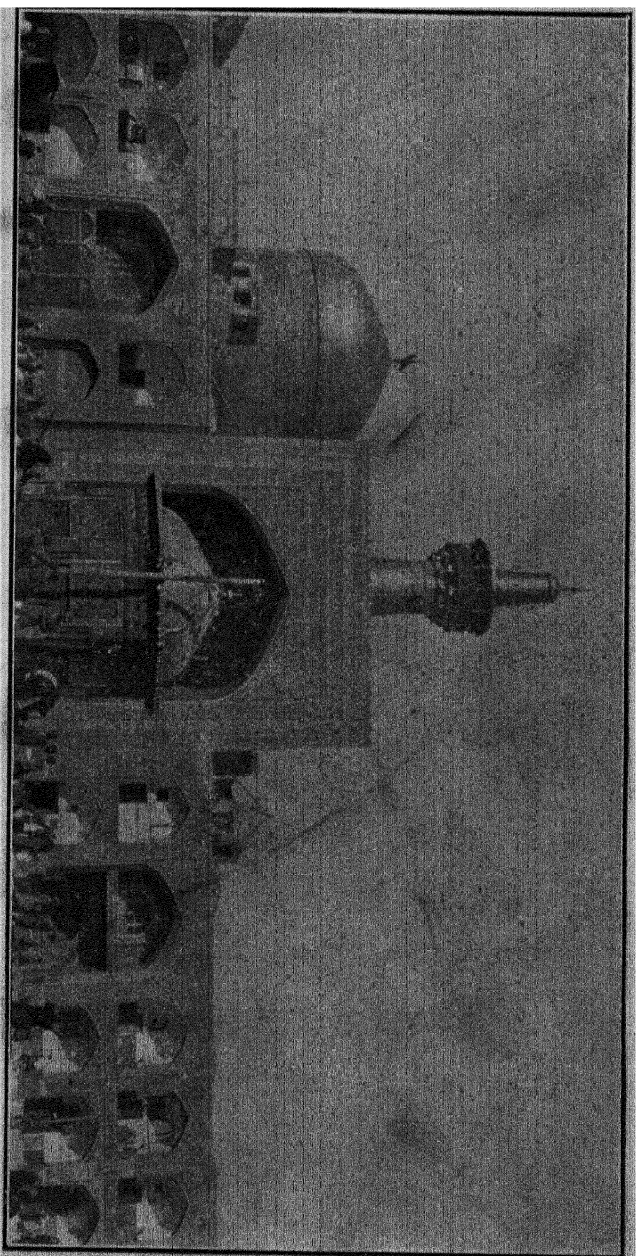
سے مملو تھا تیار کرلایا۔ مامون نے وہی عرق آپ کو اپنے سامنے پلوایا اور وہی آب انار آپ کی شہادت کا باعث ہوا۔

ابو الصلت ہروی کا بیان ہے کہ مامون آب انار پلا کر چلتا ہوا جناب امام موسیٰ رضاؑ نے اسی وقت مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یا ابا الصلت قد فعلوا ہا "اے ابو الصلت یہ لوگ اپنا کام کر گئے"

آپ کا انتقال ۱۷ صفر ۲۰۳ء مطابق ۸۱۸ء ارض طوس میں ہوا انا للہ و انا الیہ راجعون وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون اور آپ کا دفن سناآباد سے ایک میل کے فاصلہ پر باغ حمید ابن قحطبہ میں ہارون الرشید کے سرہانے ہوا جہاں آپ کا اس وقت روضہ اطہر ہے۔

ضریح اقدس

مشہور ہے کہ روضہ اقدس کی چار دیواری کو سکندر ذو القرنین تعمیر کروایا تھا اس کا قصہ یہ ہے کہ جب سکندر یہاں آیا تو اس کو خواب پڑا اور خواب میں دیکھا کہ اک نور اس مقام سے تا آسمان پھیلا ہوا ہے پھر الہام ہوا کہ یہ وہ مقدس مقام ہے کہ جہاں آٹھواں وصی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم دفن ہوگا اس الہام کی بنا پر ایک عمارت تعمیر کروانا چاہے مگر اس مقام پر پانی تھا بوڑھے آدمیوں سے وجہ پانی ٹھہرنے کی دریافت کی تو معلوم ہوا کہ موسم بہار میں یہاں تا نیل رہتا ہے جو پانی کی روانگی کے ہرج کا باعث ہے پھر اس نے دریافت کیا کہ اس کے دفعہ کرنے کی کیا تجویز ہے تو کہا گیا کہ اس تا نیل کے پشت پر

لکڑیاں ڈال کر آگ روشن کیجائے اس کی گرمی سے وہ پانی کے نیچے ہو جائیگی
تو پانی ابھر کر بہ جائے گا۔ سکندر نے یہی کیا اور پانی نکل گیا اس نے
تب ایک چار دیواری کی تعمیر کی اور قبر بھی بنا دی تختی بھی لگائی کہ یہاں
آٹھواں وصی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفن ہوگا واللہ اعلم بالصواب
جب رافع ابن لیث ملک خراسان میں باغی ہو گیا اور اس کی
فتنہ وفساد کو دفع کرنے کے لیئے ہارون الرشید شہر طوس پہنچا تو اتفاق
سے وہ بیمار ہو گیا اور وہیں مر گیا اس نے سکندر کے واقعہ کو سنا تھا
وصیت کی کہ چار دیواری سکندر میں جو باغ حمید ابن قحطبہ میں واقع
ہے مجھ کو دفن کریں کیونکہ میں ہی وہ آٹھواں وصی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہوں جس کے متعلق آں حضرت نے پیشین گوئی کی تھی اور سکندر کو الہام
ہوا تھا۔ غرض کہ ہارون یہاں دفن ہوا مامون نے اسی چار دیواری پر
ایک قبہ بنایا جو قبہ ہارونیہ مشہور ہوا جب حضرت امام موسیٰ رضا کا دفن اس
قبہ میں سرہانے قبر ہارون ہوا تو قبہ ہارونیہ گم نام ہو گیا اور روضۂ
امام رضا کے نام سے مشہور رہا۔ جب سبکتگین نے خراسان کو
۳۸۳ھ سنہ ۹۹۳ء میں فتح کیا تو اس نے روضہ اقدس کو مسمار اور منہدم
کر دیا تھا اس کے بعد ایک عرصہ تک قبر مطہر اسی حالت میں رہی
ایک شب محمود غزنوی نے خواب میں جناب امیر المومنین علی ابن
ابو طالب علیہ السلام کو دیکھا حضرت نے ارشاد فرمایا "اے محمود
کب تک یہ حالت باقی رہیگی" محمود نے اس خواب سے سمجھا کہ
اس خواب کا مقصود اور ارشاد کا مطلب قبہ ضریح مقدس کی تعمیر
ہے اس نے اپنے گورنر کو جس کا نام ثور بن معتز ابن مسعود تھا قبہ کی

از سر نو تعمیر کا حکم دیا سنہ ۴۰۰ھ م سنہ ۱۰۱۰ء میں قبر مطہر پر ایک نہایت ہی
شاندار قبہ اور عالی شان عمارت تعمیر ہو گئی پھر سنہ ۵۱۱ھ م سنہ ۱۱۱۸ء میں جب
سلطان غوری نے صوبہ خراسان پر حملہ کیا تو اور قلعوں کے ساتھ
حرم اقدس کی عمارت بھی مسمار و ویران کر دی گئی مگر ۳۴ سال کے بعد
سنہ ۵۴۵ھ م سنہ ۱۱۵۰ء میں سلطان سنجر سلجوقی نے ابو طاہر قمی کے ذریعہ
قبہ مقدس کی تعمیر دوسری دفعہ کروا دی جب چنگیز خاں کا دور آیا اسکا
چھوٹا لڑکا تولی خاں نامی خراسان پر حملہ آور ہوا طوس پہنچا اور سنہ ۶۱۷ھ م
سنہ ۱۲۲۰ء میں شہر کو خوب لوٹا عمارتوں کو منہدم کیا اس کے ساتھ ہی
قبہ مبارک کو بھی ویران اور برباد کر دیا اس میں مورخین کا اختلاف ہے
بعض کہتے ہیں کہ ویران و برباد کیا اور بعض کا قول ہے کہ کچھ حصہ اس کا
خراب کر دیا گیا۔ بہرحال قبہ مقدس کو صدمہ ضرور پہنچا ایک صدی
کے قریب اسی حالت میں گزرا تھا کہ سلطان محمد الجایتو عرف خدابندہؒ
نے جو خاندان مغلیہ کا پہلا شیعہ بادشاہ تھا اور جس کا عہد حکومت
سنہ ۷۰۳ھ م سنہ ۱۳۰۴ء سے سنہ ۷۱۶ھ م سنہ ۱۳۱۶ء تک رہا اپنے عہد حکومت
میں قبہ اور روضہ انور کی بڑی شاندار اور بارونق عمارت تیار کروائی
خدابندہ کے لڑکے ابو سعید کے آخری زمانہ یعنی سنہ ۷۳۴ھ م سنہ ۱۳۳۳ء میں
جب شیخ ابن بطوطہ نے ایران کا سفر کیا اور مشہد پہنچا تو شہر کو آباد
دیکھا حالات بیان کئے ہیں کہ حرم کے در و دیوار کو کاشی کے کام سے
زینت دی گئی ہے قبر اطہر پر چاندی کے قندیلیں آویزاں ہیں گنبد
اقدس کے دروازہ پر ایک ریشمی پردہ جو سونے کے کام سے منقش تھا
پڑا ہوا ہے اس وقت جو قبہ ہے وہ سلطان محمد خدابندہ کا تعمیر شدہ ہے

اس کے بعد سے مسلسل حرم کی ظاہر اشان وشوکت میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا گیا۔ عہد حکومت شاہ رخ فرزند امیر تیمور میں جو ۸۰۷ھ م ۱۴۰۴ء سے شروع ہو کر ۸۵۰ھ م ۱۴۴۶ء میں ختم ہوتا ہے شاہ رخ کی بی بی گوہر شاد خانم نے ۸۲۱ھ م ۱۴۱۸ء میں اپنے ذاتی صرفہ سے ایک عالی شان اور شاندار مسجد حرم کے روبرو قبلہ کی طرف بنائی جو مسجد گوہر شاد کے نام سے موسوم ہے۔ اس مسجد کا ایوان مقصورہ کا گنبد نہایت شاندار اور مینا نہایت بلند ہیں گنبد کاشی کے نیلے رنگ کی روغنی اینٹوں سے بنایا گیا ہے اور مسجد بھی کاشی کے کام کا بہترین نمونہ ہے آیات قرآنی تحریر ہیں کمان کے سامنے سفید حروف میں تاریخ بنائے مسجد بھی درج ہے جو بہت ہی بھلی نظر آتی ہے۔ اس مسجد کے تین طرف بڑے بڑے ایوان اور دالان ہیں۔ چوتھے سمت روضہ مقدس کا ایوان اور دوسری ملحقہ عمارات ہیں مسجد کا طول تقریباً (۴۰۰) فٹ اور عرض (۳۵۰) فٹ ہے صحن مسجد کے بیچ میں محراب دار دروازوں کی چہار دیواری ہے جس کو مسجد پیرزن کہتے ہیں اس کے متعلق یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک چھوٹا سا حصہ زمین کسی ایک ضعیفہ کی مالک تھی جس کو گوہر شاد خانم نے خریدنا چاہا تا کہ صحن مسجد کشادہ اور بارونق ہو اور قیمت جو مالکہ چاہئے دینے آمادہ ہوگئی تھی مگر ضعیفہ نے فروخت کرنے سے انکار کیا اور اس بات پر زیادہ اصرار کیا کہ ایک علحدہ مسجد اس حصہ زمین پر بنائی جائے تو وہ اس کو وقف کردے گی انصاف پسند نیک نیت خانم نے اس ضعیفہ کی خواہش پوری کی اور مسجد تعمیر کروادی۔

اس مسجد کے گرد چاروں طرف آٹھ حوض میٹھے پانی کے ہیں
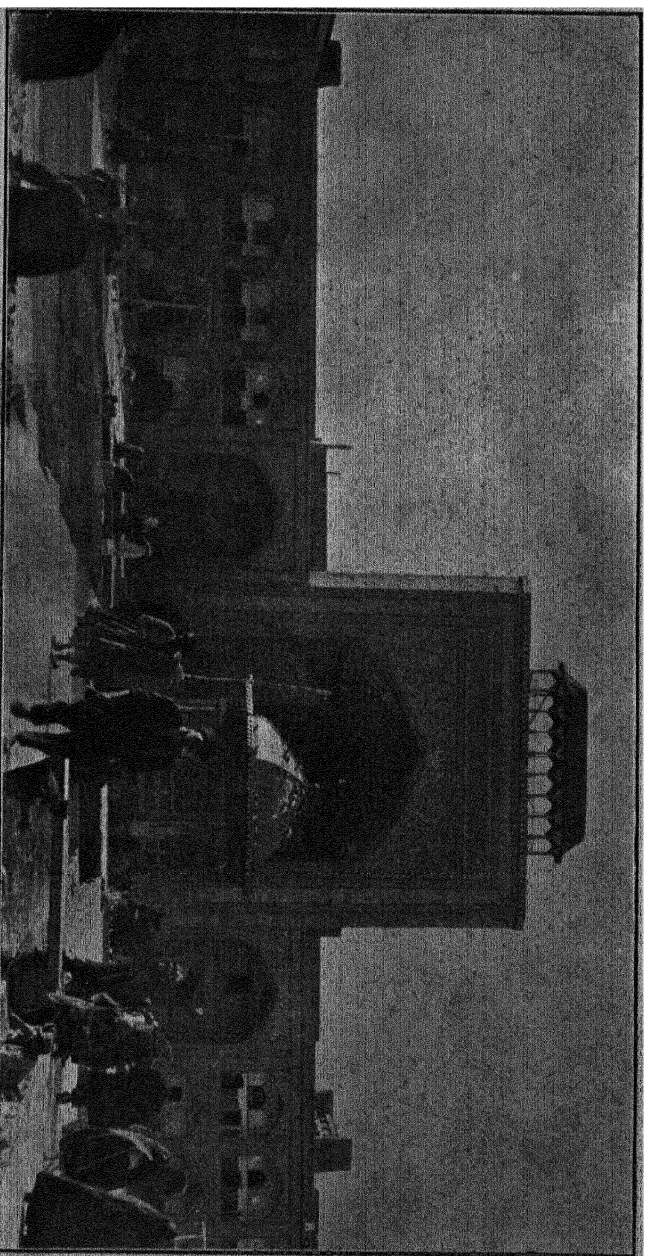
صحن کہنہ مع باب نوبت خانہ — مشہد

جن میں زمین دوز قدرتی چشموں سے آب شیریں نل کے ذریعہ لایا گیا ہے۔ یہ پانی ہمیشہ پاک و شفاف رہتا ہے مسجد گوہر شاد کی تعمیر ہوکر تقریباً (۵۰۰) برس سے زیادہ عرصہ ہوا مگر اس وقت بھی بالکل نئی ہی نظر آتی ہے اس مسجد کا اچھا خاصا وقف ہے جس کا انتظام ایک مجلس کے سپرد ہے اسی سے ماہوار ملازمین روشنی وغیرہ اور مرمت کا انتظام کیا جاتا ہے اس مسجد میں دن رات نمازیوں کا ہجوم رہتا ہے اور واعظین وعظ کرتے رہتے ہیں۔

جب شاہ اسمعیل صفوی کا انتقال ہوگیا اور اس کا بڑا لڑکا شاہ طہماسپ صفوی تخت نشین ہوا (جس کا عہد حکومت سنہ ۹۳۰ھ م سنہ ۱۵۲۴ء سے سنہ ۹۸۴ھ م سنہ ۱۵۷۶ء تک ہے) اس نے بھی اپنے زمانہ میں روضہ اطہر کا سنہری گنبد اور ایک سنہری مینار بنایا۔ شاہ عباس اول کو (جس کا عہد حکومت سنہ ۹۸۵ھ م سنہ ۱۵۸۸ء سے شروع ہوکر سنہ ۱۰۳۸ھ م سنہ ۱۶۱۹ء میں ختم ہوتا ہے) حضرت سے خاص اعتقاد تھا اسی لیے اس نے اصفہان سے مشہد تک پیدل (۸۰۰) میل طے کرکے آیا اور زیارت سے مشرف ہوا اس کی کوشش تھی کہ یہ مقام اہل تشیع کا مرکز زیارت بنے اس نے سات ہزار تومان کے خرچ سے ضریح طلائی تیار کروائی اور بیش بہا تحائف نذر چڑھائے جو اس وقت تک ضریح میں آویزاں ہیں یا توشہ خانہ امام میں موجود ہیں چند عمارتیں بھی تعمیر کروائیں جو اب بھی صحن کہنہ کی طرف موجود ہیں۔ ضریح اطہر کی شمالی جانب صحن کہنہ ہے جس کا طول (۳۵۸) فٹ اور عرض (۱۸۶) فٹ ہے اس کو شاہ عباس ثانی اپنے عہد میں (سنہ ۱۰۵۲ھ م سنہ ۱۶۴۲ء سے سنہ ۱۰۷۷ھ م سنہ ۱۶۶۷ء

تک بنوایا جس کے باعث حرم کی شان میں اور اضافہ ہوگیا۔
اس وقت اس صحن کے صدر دروازہ پر جو پائین خیابان میں نکلتا ہے نوبت خانہ ہے جہاں پانچ وقت نوبت بجتی ہے اور گھڑیال بھی اس کے مقابل کے دروازہ پر لگی ہوئی ہے۔ شاید اسی سبب سے اس دروازہ کو باب الساعت کہتے ہیں۔ شاہ سلیمان صفوی کے زمانہ میں ایک شدید زلزلہ آیا تھا جس کے باعث قبہ مبارک میں ایک خفیف شگاف ہوگیا اس کی درستگی اور مرمت شاہ سلیمان کے حکم سے سنہ ۱۰۸۶ھ م سنہ ۱۶۷۶ء میں عمل میں آئی اور اس سے پہلے جو نقصانات پہنچے ان کی تلافی ہی نہیں ہوئی بلکہ کامل تحفظ کردیا گیا۔ خاندان صفویہ کے خاتمہ کے بعد جب نادر شاہ کا زمانہ آیا (سنہ ۱۱۴۸ھ م سنہ ۱۷۳۶ء سے سنہ ۱۱۶۰ھ م سنہ ۱۷۴۷ء تک) تو اس نے اپنے اعتقاد سے جس صحن کہنہ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کے تیسرے صدر دروازہ پر سنہری مینار بلند اور شاندار بنوا دیا اور اسی صحن کے وسط میں اس نہر پر جو صحن میں سے ہو کر گزرتی ہے اور جس کو امیر علی شاہ نے بنوایا تھا اسی کے حکم سے حوض نما سنگ مرمر کی سبیل بھی تعمیر ہوئی اس کی چھت طلائی ہے اس کے علاوہ دوسری ضریح فولاد کی مرصع نادر شاہی کی بنوائی ہوئی ہے۔
جب قاچاریہ حکومت کا آغاز ہوا تو اس خاندان کے حکمرانوں نے اس حرم کی عظمت و شان کو ترقی دینے میں حد سے بڑھ کر کوشش کی۔ چنانچہ فتح علی شاہ قاچار جس کا عہد حکومت سنہ ۱۲۱۱ھ م سنہ ۱۷۹۶ء سے سنہ ۱۲۴۸ھ م سنہ ۱۸۳۲ء تک رہا صحن جدید تعمیر کروایا جس کا طول (۳۱) اور عرض (۱۴۷) فیٹ ہے اسی صحن کے عین وسط میں

ایک حوض نما سنگ مرمر کی سبیل ہے جس کی چھت پر طلا کاری کی ہوئی ہے اس کو ناصر الدین شاہ قاچار نے اپنے زمانہ حکومت میں (۱۲۶۴ھ ۱۸۴۸ء سے ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۶ء تک) بنوایا تھا ایوان طلاء وغیرہ کی تعمیر کے بعد سے کوئی جدید تعمیر یا اضافہ حرم میں نہیں پایا جاتا سوا اس کے کہ ایک چھوٹی نہر آب شیریں کی جو بنی ہوئی ہے نیرالدولہ سابق گورنر جنرل خراسان نے اپنے زمانہ میں تعمیر کروائی تھی اس کو قنات مرزا کہتے ہیں۔

۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ م ۲ مارچ ۱۹۱۲ء میں حرم اقدس پر روسی فوج نے بحکم زار روس گولہ باری کی جو گولے برسائے گئے تھے ان کی تعداد (۴۷) تھی ان میں سے (۹) گولے ایوان طلا صحن کہنہ پر (۱۰) گولے باورچی خانہ خدام پر (۱۱) ایوان طلا صحن جدید پر (۱۱) گولے باب الساعتہ پر اور اتنے ہی ایوان عباس اور صحن کہنہ کی عمارت پر گرے تھے مشین گنوں کی گولیاں اس کے علاوہ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ گزشتہ صدیوں میں جو بے حرمتی حرم مقدس کی ہوتی رہی وہ اس وقت کے سلاطین کے مذہبی تعصب کا نتیجہ تھی کیونکہ اس زمانہ میں نہ یہ تہذیب اور شائستگی تھی نہ ان حکومتوں کا دستور العمل تھا اور نہ اس وقت کے ممالک میں یہ قانون بین الاقوام پاس ہو چکا تھا کہ کسی سلطنت کو رعایا کے مذہب میں دخل دہی کا کوئی حق حاصل نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ حال کے مہذب ممالک کا اصول اور دستور ہے اور قانون بھی پاس ہو چکا ہے۔

یورپ۔ تہذیب۔ اور شائستگی کا معدن خیال کیا جاتا ہے اور

زار روس یورپ کے مہذب حکمرانوں میں شمار ہوتا تھا مگر افسوس ہے کہ اس نے اپنی انسانیت اور تہذیب کو بالائے طاق رکھ کر ایسی حرکت کی جس سے تمام اسلامی دنیا کو اس کی وحشت اور حیوانیت کا پورا ثبوت مل گیا اور تمام عالم پر اس کے مذہبی تعصب کا حال روشن ہو گیا روس کی یہ بہت ہی بیجا حرکت تھی اس سے روسی قوم پر ہمیشہ کیلئے بدنما داغ قائم ہو گیا ہے اور اس حرکت سے مقدس عمارت میں جو نقصان عظیم ہوا ور جس کا تخمینہ (۲۴۴۶۲۶۱) تومان کیا جاتا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔ تاہم ایک سال اس واقعہ کو ہوکر نہ گزرا تھا کہ ۱۳۱۲ھ ۱۹۱۲ء میں نیر الدولہ جو اس وقت گورنر جنرل خراسان تھے تخمیناً ایک لاکھ تومان چندہ انھوں نے جمع کیا اور حرم اقدس کی مرمت کی بعض مقامات پر اب تک گولے اور گولیوں کے جو نشان پائے جاتے ہیں وہ اسی واقعہ کی یادگار کے طور پر باقی رکھے گئے ہیں اس واقعہ کی مختصر حالت جو برٹش قونصل جنرل لفٹننٹ کرنل سیک سی یم۔ جی سی۔ آئی۔ ای نے تحریر فرمائی ہے اس کا ترجمہ منشی احمد الدین خاں صاحب نے اپنی کتاب "شیعی دنیا کی شان و شوکت" نامی میں درج کیا ہے اس کو میں بجنسہ ناظرین کے معلومات کے لیئے یہاں درج کرنا مناسب خیال کرتا ہوں:۔

"گزشتہ ہفتہ میں روسی گورنمنٹ کی کارروائی سے مشہد کی سیاسی حالت یکایک بدل گئی۔ پولیس کے سپاہی جن سے ہتھیار لے لئے گئے تھے قید کر دیئے گئے ان کی واجب الادا تنخواہیں چکادی گئیں ان کی وردی اتار لی اور انھیں سادہ لباس پہنا کر چھوڑ دیا ایرانی

چند ارمہ پولیس کا افسر خارانوف تھا جو تاتاری نسل اور رعیت ایران ہے۔ رکن الدولہ گورنر خراسان مشہد سے طہران چلا گیا۔ خیر الدولہ جدید گورنر طہران سے مشہد روانہ کیا گیا مگر اس وقت تک مشہد نہیں آسکا تھا۔

روسی رعایا نے اپنے مکانات پر روسی جھنڈے لگا دیئے اور ۲۹ر فروری کو علماء نے فتویٰ دیا کہ آتشبار اسلحہ کوئی نہ استعمال کرے سب نے اس کی تعمیل کی اسی طرح کا ایک حکم ۱۸۹۲ء میں تمباکو کے حرام ہونے کا علماء دے چکے تھے۔ مسجد گوہر شاد و صحن حرم میں جو شورش پسند موجود تھے وہ منتشر ہو گئے حالت امید افزا معلوم ہونے لگی۔ لیکن بتدریج باغی پھر جمع ہونے شروع ہو گئے۔ ہفتہ کے روز ۳ر مارچ کو روسیوں نے شورش پسندوں کے سرغنہ یوسف خاں کو اطلاع دی کہ اگر وہ لوگ مسجد و صحن حرم سے باہر نکل کر منتشر نہ ہو جائیں گے تو ان پر گولہ باری کی جائے گی مگر معلوم ہوا کہ انھوں نے اس حکم کی کچھ پروا نہیں کی اس پر روسیوں نے دوپہر کے بعد شہر کے باہر نئے دروازہ کے سامنے تقریباً نصف میل کے فاصلہ پر چار بڑی بڑی توپوں کی ایک میدانی بیاٹری قائم کی اور پائین خیابان میں بھی ایک بڑی توپ قائم کی مسجد کے چاروں طرف چار مقامات پر میکسیم توپیں تھیں اور ان میں سے ایک میکسیم توپ کاروانسرائے کی چھت پر تھی تاکہ اس کے گولے صحن حرم کے عین وسط میں گریں پیادہ فوج کا ایک طاقتور دستہ اس تمام جگہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا شورش پسندوں کو اطلاع دی گئی کہ اگر وہ منتشر نہ ہوں گے تو ٹھیک تین

بجے گولہ باری شروع کی جائیگی مگر وہ اس پر بھی منتشر نہ ہوئے۔ میں یہاں اس قدر کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ معلوم نہیں اس امر کا کیوں کافی انتظام نہ کیا گیا کہ تمام غیر متعلق اشخاص کو اس امر کی کافی اطلاع کیجاتی کہ وہ ان مقامات سے باہر نکل جائیں۔

اب گولہ باری کا حال سنئے۔ پونے پانچ بجے بڑی توپوں نے آتشباری شروع کی اور پہلے تیس منٹ میں پانوے گولے پھینکے۔ پھر مشین گنوں اور پیادہ فوج سے کام لینے لگے اس کے بعد بڑی توپوں سے گولہ باری شروع کردی مشین گنیں اور پیادہ فوج برابر آتشباری کرتی رہیں شروع سے آخر تک تقریباً دو گھنٹہ آتشباری جاری رہی جس میں بڑی توپوں سے قریباً ایک سو پچاس گولے نئے دروازہ کی طرف سے اور چونتیس گولے پائین خیابان سے پھینکے بعض اوقات معلوم ہوتا تھا کہ مشین گنیں ایک منٹ میں پوری پوری پیٹی کارتوسوں کی خالی کر رہی ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک توپ ایک منٹ میں تین سو پچاس گولیاں چلاتی ہے اور یہ گولے عام طور سے نشانہ پر پڑتے تھے اور میں اپنے مکان کی چھت پر سے گرد و غبار کے عظیم بادل اٹھتے دیکھ رہا تھا۔ شاید ان میں سے اکثر مسجد کے بڑے نیلے گنبد پر پڑے مگر چند مقبرے کے سنہری گنبد پر لگے اور بعض دونوں صحنوں کے اوپر یا ان کے اندر جا کر پھٹے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میناروں کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچا مکانات کے نقصانات کا صحیح اندازہ لگانا ہنوز ناممکن ہے۔ مختلف صحنوں اور ایوانوں میں جو لوگ جمع تھے ان کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے مگر میرے خیال میں ایک ہزار سے کم نہ ہوں گے انھوں نے دیواروں کی اوٹ یا موٹی ٹھوس دیواروں کی

کمروں میں پناہ لی ورنہ نقصان جان بہت زیادہ ہوتا۔

آخری حملہ غروب آفتاب کے بعد ہوا جبکہ ابھی روشنی باقی تھی روسی بالائے خیابان اور پائین خیابان اور نئے دروازہ کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے۔ عین اس سے پیشتر کاروانسرائے کی چھت پر کی میکسیم توپ آگے بڑھائی گئی اور اس سے صحن میں گولہ باری شروع ہوئی فوج کے آگے آگے میکسیم توپیں تھیں اور جو لوگ کسی قسم کی حفاظت نہ پاتے تھے ہلاک ہو جاتے تھے بعض کو پیادہ فوج نے نشانہ بندوق بنایا اور بعضوں کا سنگینوں سے کام تمام کیا اگر فوجی سپاہیوں کے جوش خصوصاً پیش قدمی کے وقت کے جوش کا خیال کیا جائے تو بندوقوں اور سنگینوں کی یہ کارروائی کچھ تعجب انگیز نہیں معلوم ہوتی۔ اندر کے واقعات کو بعض لوگوں نے بچشم خود دیکھا اور جن سے مجھے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ ان معتبر آدمیوں کے بیان یہ ہیں جنھوں نے میری طرح ان حالات کو ان آدمیوں سے سنا کہ جو بدقسمتی سے اس وقت اندر تھے "ایک میکسیم توپ کو اس کمرہ کے پہلو میں لے گئے جو حرم کا کمرہ ہے اور اس پر گولہ باری کی گئی پھر اسی توپ کو ایک اور طرف لیجا کر حرم کی دوسری سمت گولہ باری کی گئی پھر اسی توپ کو حرم کی چھت پر لے گئے وہاں سے صحن اور دوسرے حصوں پر گولے برسائے گئے بعض لوگ جو اس جگہ پناہ گزین تھے ان میں سے اکثر ہلاک ہو گئے پھر روسی چاروں طرف سے حرم میں گھس آئے کہتے ہیں کہ بعض عورتیں جو حرم کے دوسرے حصہ میں تھیں مارے خوف کے غسل خانہ کے کنوئیں میں کود پڑیں اور بعض کو روسیوں نے دھکیل کر گرا دیا۔ جو لوگ قتل ہونے سے

بچ رہے تھے ان سب کو قید کر لیا اور اکثر کے پاس سے نقدی اور
گھڑیاں یا دیگر قیمتی سامان جو ان کے پاس تھا چھین لیا گیا بعض مجروحین
کا علاج روسی سرجنوں نے کیا شورش پسندوں کے مجمع میں زائرین
فقرا اور عام لوگ بھی شریک کر لیئے گیئے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مفسدوں
میں سے بھی کوئی ہلاک ہوا یا نہیں یوسف خاں ہراتی جو مفسدوں
کا سرگروہ تھا۔ زیر حراست بتایا جاتا ہے۔ محمد نیشاپوری کی بابت سنا
ہے کہ وہ اثنائے گولہ باری میں روسی سپاہیوں کے سامنے سے بچکر نکل گیا
باقی تمام شورش پسند اور ان کے ہمراہیوں کی بابت یہی معلوم ہوتا
ہے کہ وہ غائب ہو گئے۔ سرغنوں کو عوام کے روبرو پھانسی نہیں دی گئی
جیسا کہ بعض دفعہ ایران میں اس قسم کے فساد کے بعد ہوتا ہے۔
زائرین فقراء اور عوام کو آزاد کر دیا گیا۔ اور مقتولین اور مجروحین کی تعداد
معلوم کرنی مشکل ہے مگر میرے خیال میں بہت سے ایرانی ہلاک و
مجروح ہوئے ہیں۔ روسیوں میں کوئی ہلاک نہیں ہوا صرف دو تین
آدمی خفیف سے زخمی ہوئے کیونکہ اندر والوں کی طرف سے کوئی مزاحمت
نہیں کی گئی گولہ باری کی شام کو سامان آرائش اور قیمتی اشیاء چھکڑوں پر
بھر کر روسی لوگ وہاں سے لے گئے مگر یہ اسباب بعد ازاں جلد کم و بیش
واپس کر دیا گیا۔ چار بڑے بڑے سنہری لٹو جو جواہرات سے مرصع
تھے اور جو ضریح کے چاروں کونوں پر جڑے ہوئے تھے نیز ان کیساتھ
کے چار بڑے بڑے سنہری علموں کا بھی جو بعض مذہبی مراسم میں استعمال
کیئے جاتے تھے کچھ پتہ نہیں چلتا خزانے کے کئی صندوق جو حرم کی
شیشہ دار الماریوں میں تھے اٹھا لیئے گیئے تھے مگر پھر واپس لا کر اسی

اسی جگہ اس طرح رکھ دئے گئے کہ کسی کو معلوم نہیں کہ بڑا خزانہ کھولا گیا یا نہیں اور اس میں کس قدر نقصان ہوا۔ بچا ہیں دوکانوں کے ایک چھوٹے سے چھتہ کے علاوہ حرم کے احاطہ کی تیس دکانیں لٹ گئیں۔ ان میں سے اکثر دوکاندار نیلم فیروزہ اور قیمتی پتھر فروخت کرتے تھے اب زیادہ تر کم قیمت پتھر کے نگینہ فروخت کئے جا رہے ہیں۔

مسجد اور حرم پر قبضہ کر چکنے کے بعد ہفتہ کی شب کو روسیوں نے وہاں سخت پہرہ مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ کوئی شخص اندر نہ جانے پائے پھر دوشنبہ کی سہ پہر کو برٹش قونصل جنرل میجر سائیکس صاحب مع اسٹاف روسی قونصل جنرل کے ہمراہ مسجد دیکھنے گئے مگر انھیں حرم یا خزانہ میں کوئی نہ لے گیا۔ میجر سائیکس صاحب کے اس موقع پر وہاں جانے پر اکثر ایرانیوں نے اظہار اطمینان کیا۔ اتوار کے دن تمام شہر میں اس مضمون کا اعلان چسپاں کیا گیا کہ مسجد میں جو شورش پسند جاگزیں تھے وہ سب منتشر کر دئے گئے ہیں اور اب شہر میں امن و امان قائم ہے لوگوں کو چاہئے کہ اپنی دکانیں کھولیں اور حسب معمول اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہوں اور جن غیر ذمہ دار اشخاص کے پاس آتشبار اسلحہ ہوں وہ انھیں روسی سفارت خانہ کے حوالے کر دیں یہ بھی سنا ہے کہ روسی اس متبرک مقام کے متولی باشی کیساتھ مسجد اور حرم کی واپسی کی حوالگی کے متعلق نامہ و پیام کر رہے ہیں اور اس سے اس مطلب کی رسید طلب کر رہے ہیں کہ درحقیقت وہاں ہر شئے موجود اور درست ہے ''

بہرحال نیر الدولہ کی مرمت کے بعد سے نہ کوئی جدید تعمیر

ہوئی ہے اور نہ کوئی غیر معمولی واقعہ وقوع میں آیا ہوا نظر آتا ہے
علاوہ ان عمارتوں کے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے ایک باورچی خانہ خدام
ہے جو صحن جدید سے ملحق ہے جہاں چھ سو خدام کا روزانہ کھانا پکتا
ہے اور ان کو تقسیم ہوتا ہے۔ اس صحن میں روضہ انور کی عمارت سے
ملا ہوا حضرت کا مکتب خانہ ہے جہاں کئی ہزار کتابیں اور کئی سو
قرآن مجید قلمی اور مطبوعہ الماریوں میں انتظام سے رکھے ہوئے ہیں اس
کے لیئے باقاعدہ عملہ و دفتر و رجسٹر ہے عام اجازت ہے کہ لوگ جاکر
معائنہ کریں مگر انھیں کتب کا جو عام ہیں۔ خاص کتب کے دیکھنے
کے لیئے اجازت کی ضرورت ہے۔

اسی کے نیچے والے حصہ میں توشہ خانہ سرکار امام ہے جہاں
بیش قیمت غلافِ مرقد و قالین و جواہرات وغیرہ محفوظ رہتے ہیں ان کا
بھی باقاعدہ رجسٹر اور محکمہ ہے۔ ہم کو ان کے معائنہ کا شرف حاصل
ہوا یہ آسانی سے ممکن نہیں ہے۔ مگر ہمارے لیئے ایک حسن اتفاق
پیدا ہوگیا۔ اس کے واقعات یہ ہیں کہ جب طہران میں ادیب السلطنہ
وزیر داخلہ سے ملاقات ہوئی تو موصوف نے مولوی سید محمد حسن بلگرامی
صاحب کو ایک تعرفی چٹھی آغا مرزا سید حسن خاں تقی زادہ گورنر جنرل
خراسان کے نام پر عنایت فرمائی اور جب خراسان پہنچے تو گورنر صاحب
سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے متولی باشی آغا محمد ولی عدی کو یہ چٹھی
دیکر یہ حکم دیا کہ ہم کو توشہ خانہ اور کتب خانہ کا معائنہ کروایا جائے۔
توشہ خانہ میں قدیم اور نایاب ہتھیار جواہرات ضریح کے غلاف پردہ
ظروف چینی ہمہ قسم اور چاندی و سونے کی قیمتی اشیا بیش قیمت قالین اور

آرائشی سامان واسباب لیشب کی ڈھال وغیرہ ہیں ہر ایک شے نایاب اور نادر اور قابل دید ہے۔ کتب خانہ میں نادر و نایاب قلمی و مطبوعہ فارسی و عربی کے کئی ہزار کتب ہیں قرآن مجید اعلیٰ درجہ کے لکھے ہوئے ہیں خط کوفی میں دو قرآن مجید ہیں ان میں ایک حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور دوسرا امام زین العابدین علیہ السلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا بتلایا جاتا ہے۔ ایک قرآن مجید قلمی ابراہیم قطب شاہ دکن کا نذر کردہ ہے جس پر ۹۸۰ھ تحریر ہے نہایت ہی خوش خط کاغذ اعلیٰ درجہ کا قدیم اور جلد منقش طلا ہے۔ دوسرا قرآن مجید بہادر یار خاں ثابت جنگ کا گزرانا ہوا ہے۔ اس پر کوئی تاریخ نظر نہ آئی یہ بھی قدیم ہے۔ اس کے علاوہ خوش خط قطعات اور تصاویر بہت ہیں جو نادر و نایاب اور قابل دید ہیں۔

صحن کے ہر دو جانب بالائے خیابان اور پائیں خیابان حرم اقدس کی حد "بست" ہے اس میں کوئی غیر مسلم داخل نہیں ہو سکتا۔ اور مسلمان اس مقام میں سے تعظیماً پیادہ پا گزرتے ہیں۔ بست کے اندر امام علیہ السلام کا لنگر خانہ ہے جہاں کئی سو زائرین کے لیئے خواہ وہ غریب ہوں یا امیر روزانہ کئی قسم کا کھانا پکتا ہے اس کے تھوڑے ہی فاصلہ پر شفا خانہ امام ہے جہاں زائرین اور دیگر غربا کا مفت علاج ہوتا ہی مریض خانہ میں دوا کے علاوہ غذا اور بستر بھی مفت دیا جاتا ہے۔

اس وقت جو عظیم الشان عمارت ہے اس میں روضہ رضوی ہے جس کے مشرق میں صحن جدید شمال میں صحن کہنہ اور جنوب میں صحن مسجد گوہر شاد ہے مغرب میں مختلف کام کی دیگر عمارتیں ہیں جن میں کہ

مدرسہ بالا سر۔ مدرسہ پر یزاد قابل ذکر ہیں عالیشان سنہری گنبد چار دیواری پر قائم کیا گیا ہے یہ (۳۴) فٹ مربع ہے قبہ مبارک کے جانب مغرب دیوار کے قریب قبر امام علی الرضا علیہ السلام ہے اس مقام میں داخل ہونے کے حسب ذیل دروازہ ہیں (۱) دار السیادہ (۲) دار الحفاظ (۳) دار السارج (۴) دار الضیافت (۵) در توحید خانہ (۶) در گنبد علی وردی خاں (۷) در کوکب خانہ (۸) در مسجد بالا سر (۹) در ایوان مسجد گوہر شاد (۱۰) در تحویل خانہ ان میں دو طلائی باقی نقری ہیں قبر انور پر پہلی ضریح نقرئی ہے جو نہایت ہی بیش بہا جواہرات سے مرصع و مزین ہے۔ دوسری ضریح برنجی ہے جس پر چاندی کا ملمع کیا گیا ہے۔ تیسری ضریح فولادی ہے۔ ضریح دوم میں ایک چاندی کا دروازہ ہے جس پر نہایت قیمتی جواہرات لگائے گئے ہیں ان کو فتح علیشاہ قاچار نے نذر کیا تھا۔ اس دروازہ کو در لعل کہتے ہیں یہی دروازہ ضریح کے اندر یعنی قبر مطہر تک جاتا ہے یہ ہمیشہ بند رہتا ہے۔ ہر سال عید نو روز کے تین روز قبل کھولا جاتا ہے۔ کلید بردار اور دو باطہارت خادم درگاہ کے اندر داخل ہوتے ہیں غبار ضریح جمع کرتے ہیں۔ ضریح کی چھت کے چاروں کونوں پر سونے کے لٹو تھے جو جواہرات سے مرصع تھے ان کو روسی فوج نے غائب کر دیا اب صرف ان کے نشان باقی ہیں۔

قبہ اطہر آئینہ بندی سے اور طلائی کام سے مزین کیا گیا ہے رنگ برنگ کی گل کاری حسب موقع قرینہ کے ساتھ کی گئی ہے۔ دوسرے کمروں کی دیواریں اور چھتیں آئینہ بندی سے منور ہیں کاشی کی

رنگ برنگ کی روغنی اینٹیں حسب موقع جمی ہوئی ہیں۔ بعض جگہ پر کاشی کی پچی کاری کا کام بہت ہی عمدہ اور نایاب ہے زمین پر سنہری مائل سنگ مرمر کا فرش ہے جس پر یشب کا دھوکا ہوتا ہے یہ پتھر تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلہ پر اصفہان کے قریب میں نکلتا ہے وہیں سے منگوا کر یہاں بچھایا گیا ہے روضہ اطہر کی اندرونی اور بیرونی دیواروں پر حسب موقع و مناسبت اعلیٰ درجہ کے خوش خط کتبے تحریر کئے ہوئے ہیں جو عموماً آیات قرآنی احادیث نبوی اور قصائد مدحیہ اور اشعار نعت پر مشتمل ہیں بہت سے بیش قیمت زیورات اور بیش بہا جواہرات جو مختلف اوقات میں معتقدین نے گنبد کی اندرونی دیواروں پر چڑھائے ہیں شیشہ کی الماریوں میں قرینہ کے ساتھ رکھے ہوئے ہیں ان کے علاوہ مرصع طلائی تاج کلغی پیٹیاں تلواریں پیش قبض اور خنجر دیواروں پر آویزاں ہیں چھت میں کئی سو طلائی مرصع اور غیر مرصع اور نقرئی قندیلیں آویزاں ہیں۔ سینکڑوں شیشہ کے عمدہ جھاڑ اور ہزاروں فانوس اور قدیم زمانہ کے دوسرے قیمتی اور رنگ برنگ کے شیشہ آلات قرینہ سے آویزاں ہیں ان میں پہلے موم بتی روشن کی جاتی تھی اب برقی روشنی سے جگمگا رہے ہیں بعض مقامات پر علٰحدہ برقی لیمپ بھی لگائے گئے ہیں حرم اقدس کے جملہ کمروں میں بے حد قیمتی اور نفیس ترین ایرانی قالینوں کا فرش ہے۔ دونوں صحنوں کے گرد جو کمانیں اور حجرے بنے ہوئے ہیں ان میں شب کو برقی روشنی ہوتی ہے جس سے تمام صحن منور ہو جاتا ہے یہ برقی روشنی حرم اور روضہ کی موم اور کافوری بتی کی روشنی سے ملکر

حرم مقدس کو ایک بقعہ نور بنا دیتی ہے۔ چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور دیکھنے والوں پر ایک عالم طاری ہو جاتا ہے ظاہری شان و شوکت اور رعب کے علاوہ ایک روحانی کیفیت پیدا نظر آتی ہے غرض ایک عجیب سماں ہوتا ہے جس کا بیان کرنا مشکل نہیں تو سہل بھی نہیں ہے۔

اوقات مقررہ پر نوبت بجتی رہتی ہے۔ ملازمین درگاہ کی چهل پهل سے رونق دو بالا ہو جاتی ہے۔ حفاظ قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہیں عالم اور واعظ پند و نصیحت کرتے اور روضہ خواں فضائل و مصائب بیان کرتے ہیں عابد ہر مناسب جگہ عبادت میں مستغرق ہیں مقامی زائرین اور وہ جو دور و دراز سے آتے ہیں زیارت و سلام پڑھتے رہتے ہیں حاجت مند دعا مانگتے یا فائز المراد نذریں چڑھاتے دکھائی دیتے ہیں مرد اور عورتیں بوڑھے جوان اور بچے سبھی قسم کے لوگ ہر آن اور ہر گھڑی آتے جاتے رہتے ہیں زائرین کا ہجوم عام دن رات اور صبح و شام نظر آتا ہے جس کے باعث ایک عجیب سماں اور عجیب منظر ہمیشہ نظر رہتا ہے کیوں نہ ہو ایک فیاض کا دربار اور سخی کی سرکار ہے۔

ہر کجا چشمۂ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

ایام مخصوصہ میں جو آپ کی پیدائش کی تاریخ اور وفات کی تاریخ ہے کثرت اور اژدھام بڑھ جاتا ہے ان دنوں میں ایک دربار ایوان ضیافت میں ہوتا ہے جس میں سرکاری عہدہ دار افسران اور تاف

اور عمائدین شہر شریک ہوتے ہیں لوگ قصائد و مناقب پڑھتے ہیں شیرینی تقسیم ہوتی چاء اور شربت پلایا جاتا ہے یہ ایسا منظر ہوتا ہے کہ بے حس سے بے حس انسان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا یہاں زائرین کے ٹھہرنے کے لیئے اچھا انتظام ہے۔ خدام کے مکانات کے علاوہ سرائیں گاراج، مسافر خانے، اور ہوٹل ہیں زائرین کو تمام چیزیں مہیا مل جاتی ہیں۔ انھیں زحمت نہیں ہوتی۔ وہ فائز المرام ہو کر دل تو سیر نہیں ہوتا مگر مجبوراً نالہ و آہ کے ساتھ

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

کہتے ہوئے اپنے اپنے مقامات کو چلے جاتے ہیں۔

اوقاف درگاہ

اس دربار اور سرکار کا بہت بڑا وقف ہے جس کا انتظام ایک باقاعدہ عملہ اور محکمہ کے ہاتھوں میں ہے۔ لاکھوں روپیوں کی جایداد منقولہ و غیر منقولہ موجود ہے اور لاکھوں روپیوں کی سالانہ آمدنی ہے زمانہ طہماسپ صفوی سے سلسلہ وار ناصر الدین شاہ قاچار تک تمام حکمران ایران اراضیات و قریہ جات وقف کرتے آئے ہیں اوقاف کی تفصیل حسب ذیل ہے کہ :-

شاہ طہماسپ صفوی دو وقف۔ شاہ عباس اول ۳ وقف۔
سلطنت شاہ صفی میں ایک وقف۔ شاہ سلیمان ایک وقف۔
شاہ سلطان حسین آٹھ وقف۔ عہد حکومت افغان میں ایک وقف۔

نادر شاہ تین وقف ۔ عادل شاہ ایک وقف ۔ شاہ رخ افشار ایک وقف کریم خاں زند ۹ وقف ۔ آغا محمد شاہ قاچار ۴ وقف ۔ فتح علی شاہ سات وقف ۔ ناصر الدین شاہ دس وقف ۔

جب سے مذکورہ بالا وقف نامے مرتب ہوئے اور فرامین و احکام انکے متعلق جاری ہوئے ہیں۔ کل آمدنی اوقاف کی نو لاکھ تومان سالانہ کی بتلائی جاتی ہے جس کے انگریزی سکے بحساب فی تومان اڑھائی روپیوں سے بائیس لاکھ پچاس ہزار روپیہ ہوتے ہیں۔ بہر حال اصل آمدنی اوقاف کا علم یا تو ایرانی حکومت کو ہے یا دفتر اوقاف کے متولی باشی کو تاہم یقین ہے کہ سالانہ آمدنی لکھوکھا روپیوں کی ہے۔ آمد کے ذرائع عموماً حسب ذیل ہیں :-

(۱) مالگزاری جو موقوفہ قریوں اور اراضیات سے سالانہ وصول کی جاتی ہے۔ (۲) کرایہ دوکانوں اور سراؤں وغیرہ کا جو ہر ماہ وصول کیا جاتا ہے ۔ (۳) اس کے سوائے حرم میں مثل نجف و کربلا کے اموات بھی دفن کی جاتی ہیں۔ زمین کی شرح حسب ذیل ہے :-

رواق اور ایوان طلا کی جگہ فی میت پانچسو تومان صحن حرم میں ایک سو تومان یہاں بھی مدفن اور قبور کی وہی حالت ہے جو نجف اور کربلا کے بیان میں درج کی جا چکی ہے غرض جس طرح کہ سالانہ لاکھوں روپیوں کی آمدنی ہے۔ اسی طرح سالانہ اخراجات بھی ہیں بہت بڑی رقم مختلف خیراتی کاموں میں صرف ہوتی ہے ۔ جیسے مدارس۔ شفاخانے ۔ لنگر خانے باورچیخانے خدام

صحن جدید مع ایوان طلاء — مشهد
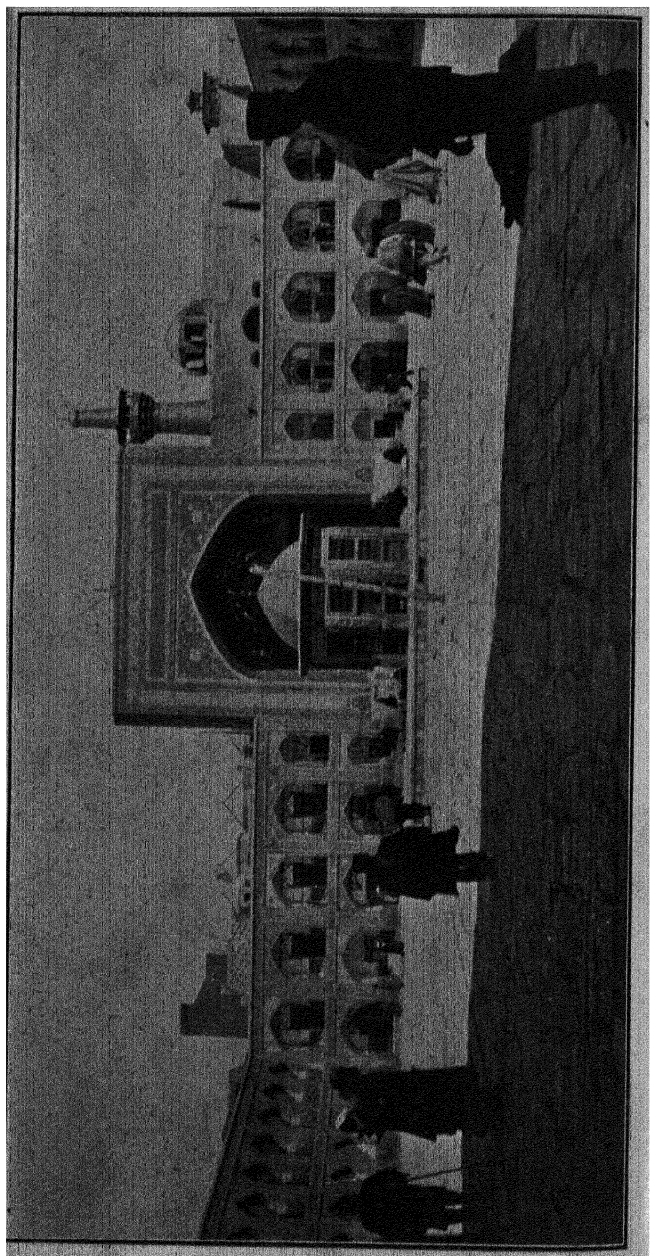
غربا و فقرا کی تنخواہیں اور امداد اور زائرین کی اعانت وغیرہ نیز ملازمین بارگاہ کی ماہواریں اور تنخواہ عملہ وقف اور روشنی و مرمت وغیرہ کے مصارف اس کے علاوہ ہیں۔ شاہ عباس صفوی کے زمانہ میں انتظام بارگاہ امام علیہ السلام کے لیے پانچ افسر مقرر کئے گئے تھے وہی طریقہ اب بھی باقی ہے مگر زمانہ کے مطابق ترمیم و اصلاح ہو گئی ہے اُس زمانہ میں اُن افسروں کا لقب سرکشک باشی تھا۔ انھیں کی رائے سے بارگاہ سے متعلق کل امور انجام پاتے تھے ہر ایک سرکشک باشی کے تحت ایک خادم باشی اور ایک فراش باشی رہتا تھا۔ ہر خادم باشی کے تحت ایک سو پچاس خادم ہوتے تھے اب بھی یہی طریقہ ہے حرم مطہر کے جملہ انتظامات ان سے متعلق ہیں۔ ہر فراش باشی کے تحت میں تیس فراش ہوتے ہیں اُن کے ذمہ حرم کی صفائی کا انتظام ہے پانچ دربان باشی ہیں جنکے ماتحت ایکسو چالیس دربان ہیں اُن کے تحویل حرم کے دروازوں کی نگرانی اور حفاظت کا کام ہے۔ ہر دربان کو ایک نقرئی نشان لگا ہوا ہوتا ہے۔ ان میں اکثر چوبدار ہیں جو نقرئی عصا لئے دروازہ پر ایستادہ رہتے ہیں پچاس قرآن خوان ہیں ان کے سوا اور بھی ملازم ہیں۔ ملازمین کی تنخواہیں حسب ذیل ہیں۔

ہر خادم کو پانچسو من تبریزی گندم (فی تبریزی من ساڑھے تین سیر انگریزی کے برابر ہوتا ہے) اور تین تومان نقد سالانہ مقرر ہے۔ فراش کو اڑھائی من تبریزی گندم اور دس قران نقد سالانہ اور ہر دربان کو اڑھائی من گندم اور دس قران نقد سالانہ۔

گو بظاہر یہ معاوضہ کم معلوم ہوتا ہے لیکن اصل میں ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ زائرین کے وافر عطیہ ہیں۔ کام کی تقسیم اس طرح ہوئی ہے کہ ہر پانچ دن کو ایک ایک سرکشک باشی معہ اپنے اپنے عملہ کے حرم کی خدمت بجا لاتے ہیں۔ اوقاف کے متولی اعلیٰ شہنشاہ ایران ہوتے ہیں۔ اس خدمت کے صلہ میں اوقاف کی آمدنی کا دسواں حصہ شہنشاہ کو دیا جاتا ہے۔ اور راصل انتظام اور امور کا افسر صدر اور ذمہ دار متولی باشی ہے جس کی سکونت کے لیے ایک عمدہ مکان جدید طرز کا بالائے خیابان میں اوقاف کی آمدنی سے بنوا دیا گیا ہے اور تنخواہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ بارہ ہزار تومان سالانہ ملتی ہے اس زمانہ میں متولی باشی کے ساتھ چند دیگر کارکن حکومت کی طرف سے بھی مقرر کیئے جاتے ہیں جن کا خطاب منصور التولیہ۔ شجاعت التولیہ ہوتا ہے وہ کمیٹی کے رکن ہوتے ہیں اور ان کی رائے اور مشورہ سے کام ہوتا ہے۔

ناصر الدین شاہ کے بعد ایران کی حالت ابتر ہوگئی تو دستور ہوگیا تھا کہ جس نے بیس ہزار تومان بادشاہ کو نذرانہ دیا وہ متولی باشی ہوگیا اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ متولی باشی اپنے نذرانہ کی رقم پہلے پوری کر لیتے تھے اور انتظام جیسا کہ چاہیئے نہ ہوتا تھا۔ بہت سا حصہ وقف کا متولی اور دیگر افسروں کے ذاتی صرف میں آتا تھا۔ اور غربا و فقرا اور زائرین کو مدد نہ ملتی تھی متولی باشی اور ماتحت افسروں کی شکایت ہوا کرتی تھی۔ ۱۳۴۳ھ م ۱۹۲۵ء سے شہنشاہ رضا خاں پہلوی نے ایک فوجی افسر کو اوقاف کے دفتر کی آڈٹ کے کام پر مقرر فرما دیا ہے جسکے

صحن کہنہ مع باب الساعتہ — مشہد
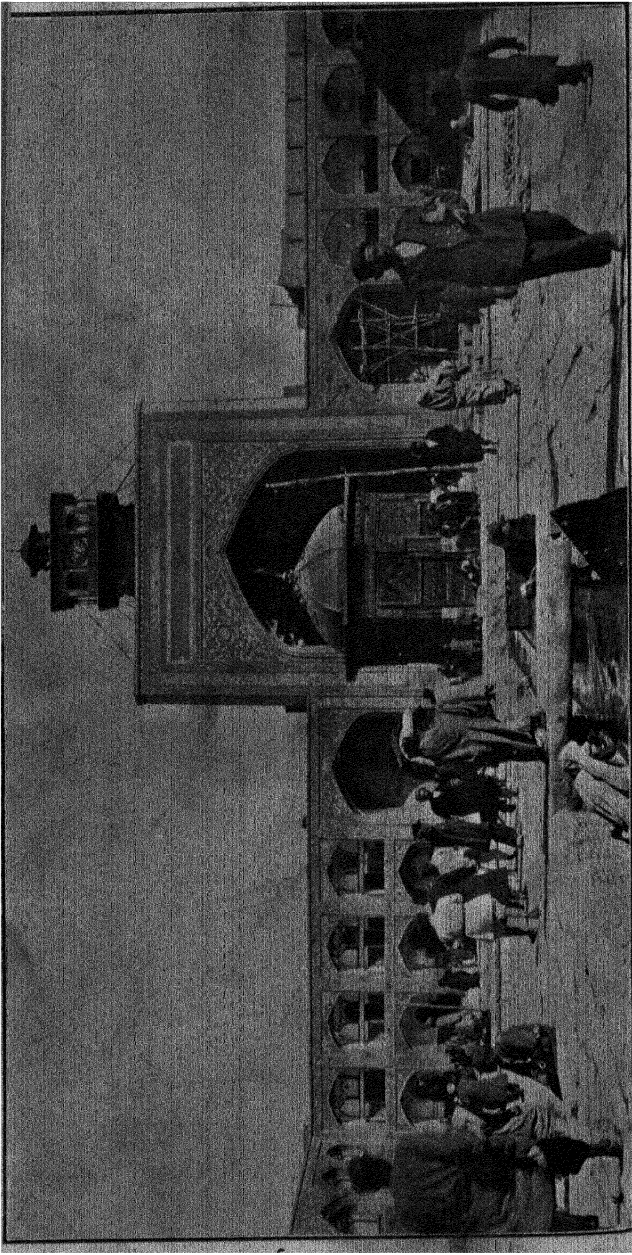
باعث بہت اچھا انتظام ہو گیا ہے۔ اور آیندہ مزید اصلاح کی امید ہے۔ اس طرف حکومت کو اور توجہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ رقم اوقاف صحیح طور پر صرف ہو۔

مشہد کے قابل دید مقامات

قتل گاہ

شہر مشہد کی قابل دید زیارت گاہیں اور قابل دید مقامات میں ایک قتل گاہ ہے جو پشت صحن کہنہ حرم اقدس امام ضامن ثامنؑ کے شمالی جانب محلہ نوقان میں واقع ہے یہ وہ باغ و مکان ہے جہاں حضرت امام رضاؑ قیام فرما ہوئے تھے۔ آپ نے اس خطۂ زمین کو خرید فرما کر وقف فرما دیا تھا یہ اس وقت ایک وسیع قبرستان ہے جس میں اکثر سادات اور علماء دفن ہیں اسی قبرستان میں ایک کمرہ ہے جس کے اندر سنگ محک یا سنگ مقصود جس کو بعض سنگ مراد بھی کہتے ہیں رکھا ہوا ہے۔ اس کو حضرت امام علیہ السلام نے بوجہ شدت کرب اپنے شکم مبارک سے مس فرمایا تھا اور ایک سنگ سفید بھی اسی کمرہ کی دیوار میں نصب ہے جس پر جناب امیر المومنین علیہ السلام کے پائے مبارک کا نشان بتایا جاتا ہے۔ اسی قبرستان میں ایک اور کمرہ ہے جس کو "پیر پالان" کہتے ہیں وہاں بھی چند بزرگوں کی زیارت ہو جاتی ہے۔ اسی قبرستان میں

شیخ طبرسی مدفون ہیں جن کا نام امین الدین ابو علی فضل ابن حسن ابن فضل ہے آپ اعلیٰ درجہ کے فقیہہ محدث اور مفسر تھے۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے ایک تفسیر مجموع البیان ہے جو مذہب شیعہ کی مسلم اور مستند تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ آپ کا انتقال ۵۴۸ھ م ۱۱۵۴ء میں شہر سبزوار میں ہوا اور آپ کا تابوت مشہد میں لاکر دفن کیا گیا

مقبرہ نادری

دوسرا مقام مقبرہ نادری ہے۔ یہ نادر شاہ کا مقبرہ ہے جو محلہ بالائے خیابان میں لب سڑک ایک وسیع خوشنما اور خوبصورت باغ میں واقع ہے باغ کے چاروں دیواروں پر پرانی وضع کی بندوقیں لگائی گئی ہیں اسی باغ میں ایک نفیس رستوران بھی ہے باغ آراستہ ہے مقبرہ کی عمارت خراب ہوگئی تھی حال میں حکومت کی طرف سے مرمت کی گئی ہے اب اچھی حالت میں ہے مقبرہ کے کمروں میں ایک کتب خانہ عام ہے ایک حجرہ مطالعہ بھی ہے۔ یہاں کئی سو کتب الماریوں میں سلیقہ کے ساتھ رکھے گئے ہیں بہت سے ایرانی اور غیر ملکی اخبار آتے ہیں۔ اکثر علم دوست حضرات یہاں کتب اور اخبارات کا مطالعہ کرتے ہیں کتب خانہ کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد ہے۔ یہ کمیٹی کوشاں ہے کہ کتب خانہ زیادہ سے زیادہ ترقی حاصل کرے۔

مرقد شیخ بہاؤالدین عاملی

تیسرے شیخ بہاؤالدین عاملی ابن حسین ابن عبدالصمد الحارسی الہمدانی کی مرقد ہے جو متصل حرم اقدس واقع ہے۔ سابق میں یہی آپ کا سکونتی مکان تھا آپ کی پیدائش بروز چہارشنبہ ۱۷ ذالحجہ ۹۵۳ھ م ۱۵۴۷ء کو شہر بعلبک میں ہوئی عہد عباس صفوی میں آپ مذہب شیعہ کے بڑے پائے کے عالم گزرے ہیں آپ علم فقہ و اصول حدیث و تفسیر کے زبردست عالم تصور کئے جاتے ہیں علم معانی حکمت و ریاضی میں بھی کامل تھے سلاطین صفویہ کے زمانہ میں آپ شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز ہوئے آپ کو سیاحت سے خاص دلچسپی تھی اس لیئے آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں سے پڑھ کر قریب تیس سال تک آپ مصر شام و عراق کی سیاحت میں مصروف رہے آپ نے دسویں شوال ۱۰۳۱ھ م ۱۶۲۲ء میں بمقام اصفہان انتقال فرمایا۔ آپ کا تابوت اصفہان سے مشہد لایا گیا اور آپ اپنے سکونتی مکان میں دفن ہوئے۔ اسی مقام پر آپ کے بھائی شیخ عبدالصمد بھی دفن ہیں آپ کی تصنیفات کثرت سے ہیں تفصیل کی گنجائش اس مختصر کتاب میں نہیں ہے سب میں زیادہ مقبول عام کتاب "جامع عباسی" ہے اس کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے اور آج تک اکثر اہل تشیع اس پر عمل کرتے ہیں۔

مصلیٰ

چوتھا مقام شہر کے باہر قریب ہی میں مصلیٰ ہے جس کو شاہ سلیمان صفوی نے اپنے عہد حکومت میں بنایا تھا شاہ موصوف کا عہد حکومت سنہ ۱۰۷۷ھ سے سنہ ۱۱۰۵ھ مطابق سنہ ۱۶۶۶ء سے سنہ ۱۶۹۴ء تک رہا گو اس وقت وہ خراب خستہ حالت میں ہے مگر قابل دید ہے مصلیٰ کی بڑی کمان جو اس وقت باقی ہے اس کی دونوں جانب اور پیشانی پر نیلی کاشی کی اینٹ میں جلی اور خوش خط سفید حروف سے آیات قرآنی تحریر ہیں۔ اسی کمان کے نیچے کے حصہ میں اندازاً دس سطریں زرد حروف کی ہیں جو نہایت ہی خوشنما نظر آتی ہیں۔ کام اعلیٰ درجہ کا ہے۔

مولنا سید محمدؒ المعروف بالقصیر

پانچواں مقام وہ ہے جہاں مولنا سید محمدؒ المعروف بالقصیر دفن ہیں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام رضا علیہ السلام سے ملتا ہے۔ آپ کا شمار مجتہدین عظام میں ہوتا تھا آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ اُن میں کئی مشہور ہیں جیسے شرح لمعہ و نشقیہ۔ آپ کا انتقال سنہ ۱۲۵۵ھ م سنہ ۱۸۳۹ء کو شہر قم میں ہوا ابین مسجد میں مشہد رضوی میں آپ کا دفن ہوا۔ آپ کے علاوہ خواجہ مراد۔ سید احمدؒ کبیر سلطان سید محمدؒ کے مزارات بھی اسی مقام پر ہیں۔ زائرین کسی ایک خادم بارگاہ امام علیہ السلام کی رہنمائی سے تمام قبروں کی زیارت

کر سکتے ہیں۔

خواجہ ربیع ابن خثیم

چھٹا مقام شہر سے جانب شمال لب سڑک قریب چار میل کے فاصلہ پر ایک باغ میں مقبرہ خواجہ ربیع ابن خثیم علیہ الرحمتہ واقع ہے۔ آپ بڑے پائے کے بزرگ گزرے ہیں آپ اصحاب جناب امیر علیہ السلام میں سے تھے حضرت علیؑ کی خدمت میں آپ کو بیحد تقرب حاصل تھا زہد اور عبادت الٰہی میں بے مثل تھے ہر امر میں قدم بقدم جناب امیر علیہ السلام چلتے تھے آپ نے علم حدیث کو ابن مسعود اور ابو ایوب انصاری علیہم الرحمتہ سے حاصل کیا تھا۔ کتاب "مجمع البیان" میں آپ کے اقوال آیات قرآن مجید کی تفسیر میں کئی جگہ نقل کئے گئے ہیں۔ آپ خلافت امیر علیہ السلام میں والی قزوین مقرر ہوئے تھے آپ کی قدر و محبت آل محمدؐ کے دلوں میں ایسی تھی کہ حضرت امام رضاؑ آپ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لائے تھے آپ کا انتقال ایک روایت سے ۶۲ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۶۱ھ میں ہوا اور یہاں دفن ہوئے اس مقبرہ کے متصل خواجہ ابو صلت ہروی کا مزار ہے آپ امام رضاؑ کے خادم خاص تھے کتب اہل شیعہ میں آپ کے سند سے کئی روایات بیان کی گئی ہیں علماء اور مورخین کی رائیں آپ کے متعلق اعلیٰ درجہ کی ہیں۔

فردوسی کا مزار

ساتواں مقام شہر کے شمالی سمت اندازاً بارہ میل کے فاصلہ پر خواجہ ربیع علیہ الرحمتہ کے مقبرہ سے تخمیناً آٹھ میل دور اس سڑک کے کنارے جو مشہد سے کبود گنبد کو جاتی ہے اور رازان سے تین چار میل جانب جنوب ایک قریہ باز نامی ہے اس میں مشہور ایرانی شاعر ابو القاسم فردوسی کی قبر ہے۔ فردوسی ایک دہقان کا لڑکا تھا جس کو خدا نے اس درجہ پر پہنچا دیا کہ آج وہ ایران کے اعلیٰ شاعروں میں بڑے پایہ کا مانا جاتا ہے اسی کی مشہور تصنیف کتاب "شاہ نامہ" ہے جس کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہو چکا ہے جن حضرات کو علمی مذاق ہے اکثر وہاں جایا کرتے ہیں۔ راستہ اچھا ہے مسافت ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتی ہے۔

خدا کے فضل سے میں نے یہاں کی ہر چیز کو دل بھر کر دیکھا کئی حضرات سے ملاقات ہوئی خوب سیر و تفریح کی جتنے دن اس مقام پر قیام رہا آرام و راحت میں گزری ہر روز صبح و شام روضہ امام علیہ السلام کی زیارت کرتا رہا۔ مگر دل نہ بھرا مجبور تھا جلدی وطن لوٹنا ضروری تھا گو مولوی سید محمد حسن صاحب بلگرامی کا خیال تھا کہ اور چند روز رہیں مگر میرے اصرار سے وہ بھی چلنے آمادہ ہو گئے۔ غرض کہ ہم دونوں رخصتی زیارت سے فارغ ہو کر موٹر میں سوار ہوئے اور بادل ناخواستہ وہاں سے روانہ ہوئے۔

باب نہم

خاتمہ

ہندوستان واپس ہونے والے زائرین یا سیاحوں کو شریف آباد کی اس سڑک پر سے گزرنا پڑتا ہے جو طہران سے مشہد کو آتی ہے شریف آباد سے ایک دزداب والی سڑک نکلتی ہے جو تربت حیدری قائین خضری برجند نشست سفید آباد اور مہرملک ہوتی ہوئی دزداب پہنچتی ہے مشہد سے دزداب (۲۷۵) میل ہے تاہم آرام کے ساتھ چار روز میں یہ مسافت طے کر کے دزداب پہنچتے ہیں راستہ پر آمد و رفت بہت ہے اکثر موٹر کار اور بس آتے جاتے رہتے ہیں تار برقی مشہد سے دزداب تک جو جاتا ہے اکثر سڑک کے ملحق ہی رہتا ہے مشہد سے بڑے بڑے مقام کو جانے والا ٹیلیفون بھی سڑک کے ساتھ گزرتا ہے جا بجا پولیس کی چوکیاں اور تھانے ہیں یہ سڑک بہت خراب حالت

میں تھی دس سال کے قبل برٹش گورنمنٹ نے اپنی فوجی ضرورتوں کے باعث ایران کی کئی سڑکوں کو درست کیا اور بعض تو بالکل نئی بنائی گئیں بعد ختم جنگ عظیم برٹش افواج نے ایران کو خالی کردیا تو جدید تیار شدہ سڑکیں حکومت ایران کے تحویل میں آگئیں اب ان سڑکوں کی مرمت حکومت ایران کرتی رہتی ہے یہ اچھی حالت میں رکھی گئی ہیں اس کے قبل ذرداب کا راستہ بھی نہ تھا بعد ختم جنگ یہ راستہ چالو ہوگیا اس سڑک کے جاری ہونے کے قبل ہندوستانی زائرین ہرات و کابل ہوتے ہوئے جایا کرتے تھے اب ذرداب جاکر وہاں سے ریل میں سوار ہو جاتے ہیں۔

مشہد سے جو سڑک ذرداب کو جاتی ہے وہ پہاڑوں میں سے ہوکر گزرتی ہے پہاڑ سرسبزی سے معرا ہیں اور بھیانک نظر آتے ہیں اتنی شادابی نہیں جو بغداد سے طہران اور وہاں سے مشہد تک نظر آتی ہے دشت لوط کا کوسوں تک چٹیل میدان ہے جس میں سراب چلتی رہتی ہے کہیں درخت اور سبزی حتیٰ کہ گھانس کا تک پتہ نہیں ہے پانی منزلوں نہیں ملتا اور کہیں ملا بھی تو نمکین اکثر ایسا کڑوا ملتا ہے کہ منہ میں بھی نہ لیا جاسکے اگر ہاتھ پر ڈالیں تو نمک جم جاتا ہے اس لیئے زائرین اور سیاحوں کو چاہئے کہ جس قدر ممکن ہو پینے کا پانی ہمراہ رکھ لیں۔ سڑک پر کسی قسم کے پل نہیں ہیں اسوجہ سے اکثر مقامات پر سڑک برساتی نالوں سے کٹ کے خراب ہوگئی ہے۔ موٹر بہت اچھلتی ہے۔ ایرانی ڈرائیور عموماً موٹر کی تیز رفتار کو زیادہ پسند کرتے ہیں جس سے مسافروں کو زحمت ہوتی ہے۔ اتفاقاً راہ میں ایک نالہ ملا اور اس میں پانی

ہماری موٹر گزری ایسے اُچھلے کہ ہم موٹر کی سیٹ کے نیچے ہو گئے۔
سید محمد حسن صاحب بلگرامی کے سر کو چوٹ لگی مگر خدا کا فضل ہوا
کہ ٹوپی تھی جو سپر کا کام کر گئی میری کمر کو چوٹ آئی جس کا اثر بہت
دن تک رہا وقتاً فوقتاً سڑک درست ہوتی رہتی ہے اس کے
باوجود یہ حالت ہے راہ پر امن ہے راستہ میں کسی طرح لوٹ مار
اور چوری قزاقی کا خوف نہیں ہے مسافر منزل پر پہنچکر موٹر معہ سامان
تنہا سڑک پر چھوڑ دیتے ہیں اور آپ کسی مکان میں رات بسر کرتے
ہیں مگر کوئی مزاحم نہیں ہوتا علاوہ منزل کے عموماً کل راستہ میں امن
کی یہی حالت ہے۔ رات کو نو بجے ہم شستت سے گزرے خیال
تھا کہ صحرائے لوط سے رات ہی میں پار ہو جائیں۔ اتفاق ایسا
ہوا کہ ہوا تیز چل رہی تھی چاند بھی نہ تھا جس کی روشنی ہماری رہنمائی
کا باعث ہوتی صرف راستہ کا صحیح اندازہ موٹر کے لیمپ سے
ہو سکتا تھا چونکہ سڑک ریتلی زمین سے گزرتی ہے جس کے باعث
ریت اُڑ اُڑ کر سڑک پر آجاتی ہے ریت کے مسلسل اُڑتے رہنے
کے باعث ایک غبار اطراف اُڑتا ہوا نظر آتا تھا ہم راستہ بھول
گئے بہت کوشش کی گئی کہ سیدھے راستہ پر پڑ لیں مگر نہ ہو سکا یہ خوف
بھی لگا ہوا تھا کہ اگر راستہ بھول جائیں تو پھر کہیں پہنچنا ناممکن ہو جائیگا
ایسے ہی اتفاقات سے بہت سی جانیں تلف ہو گئی ہیں
ہمارا ڈرائیور بھی کسی قدر پریشان ہو گیا تھا آخر تجویز یہ ہوئی کہ
موٹر کو روک لیں اور صبح ہونے کے بعد پھر ارادہ کریں۔ بہرحال
ہم نے تمام رات صحرا میں بسر کی اور موٹر میں جس طرح ہو سکا

سو رہے گو کہ لق و دق میدان اور صحرا تھا تاہم ہمیں کوئی خوف نہ ہوا اور کسی نے تکلیف نہ دی آرام سے سوتے رہے اور صبح میں ہوشیار ہوئے تھوڑی دور ادھر ادھر گشت لگاتے رہے آخر فضل خدا شامل حال ہوا اور راستہ مل گیا۔ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ہم اپنی راہ پر آگئے اس سے ظاہر ہے کہ راستہ پر امن ہے مگر منازل پر کوئی سرا نہیں ملتی مگر گاراج ہیں چونکہ ملک کا حصہ پہاڑی و ریتیلا ہے اس لیئے جو قریئے اور شہر یں راہ میں ملتے ہیں ایسے سرسبز و شاداب نہیں ہیں اور نہ ان میں کوئی بات قابل ذکر ہے تاہم کھانے پینے کی اشیاء پختہ و خام ہر بڑے قریہ یا شہر میں مل جاتی ہیں مگر وہ ایسی نہیں ہوتیں جیسی کہ بغداد سے مشہد تک ملتی ہیں اس لیئے مناسب ہے کہ اشیاء خوردنی ہمراہ رہیں اس سے زیادہ آرام ملتا ہے یوں تو نشست تک کی حالت کچھ ایسی خراب نہیں ہے کہیں کہیں سبزی بھی نظر آجاتی ہے لیکن اس کے آگے بالکل ویرانہ ہے آبادی کم ہے اور قریئے رونق دار نہیں ہیں اکثر ویران اور غیر آباد گاؤں نظر آتے رہتے ہیں جا بجا اونٹ جو گرمی کی تاب نہ لاکر مر گئے ہیں ان کی ہڈیاں نظر آتی ہیں۔ سفید آباد سے وہ صحرا شروع ہوتا ہے جس کو صحرائے لوط کہتے ہیں۔ اس کا حضرت لوط سے کوئی تعلق نہیں ہے ایرانی ہر ایک میدان کو جس میں کچھ پیداوار نہ ہو، پانی کم یاب ہو اور آبادی نہ ہو صحرائے لوط کہتے ہیں مذکورہ بالا سیستان کا صحرا ہے جسمیں ریت ہی ریت ہے اور پانی کمیاب

ہے بلکہ مفقود ہے یہاں کوئی پیداوار نہیں ہوتی اور لو چلتی رہتی
ہے سراب دن تمام نظر کے سامنے رہتا ہے اور گرد و غبار اڑتی
نظر آتی ہے یہ صحرا ہر تک پر ختم ہوتا ہے اس کے آگے پہاڑوں
کے درمیان سے گزرتے ہوئے دزداب جانا ہوتا ہے ہم مشہد
سے صبح کے نو بجے نکلے اور شام کے پانچ بجے تقریباً (۱۸۷) میل
طے کر کے خائن پہنچے یہ ہماری پہلی منزل تھی خائن ایک چھوٹا سا
مقام ہے جس کی آبادی مختصر ہے کسی قدر سرسبز بھی ہے کہا جاتا
ہے کہ یہاں زعفران پیدا ہوتی ہے اور اونی کپڑا تیار ہوتا ہے
ہم کو ٹھہرنے کے لیئے ایک مختصر گاراج ملا آرام سے رات بسر
کی گو جون کا مہینہ تھا سردی اچھی خاصی تھی صبح کے آٹھ بجے ہم
خائن چھوڑ کر راستہ میں ہرجند نامی شہر ملا یہاں ہم کچھ عرصہ ٹھہر گئے
یہ آباد مقام ہے شہر کے اطراف شادابی بھی ہے شہر میں سرکاری دفاتر
ہیں یہ تجارتی مقام ہے اس کا تعلق صوبہ سیستان سے ہے خائن
سے اندازاً (۲۲۸) میل طے کر کے قریب شب کے نو بجے کے ہم
شست سے گذرے رات صحرا میں بسر ہوئی جسکا بیان اوپر آچکا ہے
صبح کو خائن سے نکلے اور قریب نو بجے کے صحرائے لوط کو عبور کیا
یہاں باوجود صبح کے بڑی گرمی تھی نہ معلوم دوپہر کی دھوپ میں کیا
حالت ہوگی غبار اڑ رہا تھا اور سراب اطراف پھیلا ہوا تھا لیکن سبزی
کا نام و نشان تھا اور نہ پانی نظر آتا تھا بہرحال قریب اڑھائی گھنٹے ہم کو اس
چٹیل میدان کے طے کرنے میں گزر گئے ہماری موٹر کی رفتار فی گھنٹہ تیس میل ہوگی
بعد ختم صحرا ہمکو پہاڑ کے دروں میں سے گزرنا پڑا سڑک جا بجا شکستہ

تھی برساتی نالوں نے اسپر اپنی پوری قوت آزمائی تھی سڑک زیر تعمیر تھی
اس لیئے اور بھی ناہموار ہوگئی تھی۔ موٹریں ضرورت سے زیادہ صدمے
پہنچ رہے تھے اس سے پہلے اسی طرح کی ناہمواری کا صدمہ اٹھا چکے
تھے اسلیئے بہت ہی ہوشیاری سے سنبھلے ہوئے بیٹھے گرمی کی حدت
تشنگی کی مصیبت اور تیز دھوپ کے صدمے سہتے ہوئے خدا خدا کرکے
تخمیناً (۱۵۷) میل طے کرکے یا یوں کہیئے کہ مشہد سے کل ۵۷۲ میل کی
مسافت جو معمولی طور پر چار روز میں طے ہوتی ہے دو روز میں طے کرکے
دزداب پہنچے۔ دزداب سے ہندوستان جانیوالی ریل ہفتہ میں
دو مرتبہ جایا کرتی ہے اور صبح کے گیارہ بجے روانہ ہوتی ہے جس امید
میں ہم نے یہ ساری صعوبتیں برداشت کیں اسی میں ناکامی ہوئی۔
ہمارے یہاں پہنچنے سے ایک گھنٹہ قبل ریل جا چکی تھی۔ افسوس

قسمت تو دیکھیئے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

مایوس و ناچار انجمن فیض رضویہ میں ٹھہر گئے۔

دزداب

جیسا ابھی کہا گیا ہے دزداب مشہد سے (۵۷۲) میل ہے
اور کوہ ملک سیاہ کے جانب جنوب (۳۷) میل پر واقع ہے۔
کسی زمانہ میں بلکہ جنگ عظیم تک یہاں ایک ویرانہ تھا۔ چونکہ
پانی ان اضلاع میں کمیاب ہے جہاں کہیں کوئی چشمہ یا کنواں
پانی کا خواہ کھاری ہو یا اس سے بھی زیادہ کڑوا مسافرین کے

استعمال کے لیئے مل جاتا ہے وہ ایک قریہ بن جاتا ہے چونکہ یہ مقام پہلے ویرانہ اور ڈاکوؤں کا مرکز تھا جو سیستان سے کرمان یا کرمان سے سیستان آتے جاتے مسافروں کو لوٹ لیا کرتے تھے اس لیئے اس جگہ کا نام دزداب ہوگیا۔ اس وقت یہ مقام ایک بڑا تجارتی مرکز ہوگیا ہے۔ ایرانی حکام کے محکمہ جات ملکی و مالی۔ پولیس اور افواج کے بھی یہاں موجود ہیں ایرانی تجار کی کوٹھیاں قائم ہیں امپریل بنک آف پرشیا کی شاخ بھی ہے سرکار انگریزی اور دیگر حکومتوں کے ویس قونصل یہاں رہتے ہیں یہاں پر ایرانی حکومت اور قونصلو کے علاقے کے بڑے شفاخانے ہیں۔ شہر مختصر مگر بہت صاف اور سڑکیں کشادہ ہیں بہت سے گاراج اور سرائیں ہوٹل اور حمام ہیں۔ یہاں کے حمام زیادہ پاک وصاف دیکھے گئے جس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آبادی کم ہے اور حمام کافی تعداد میں ہیں۔

انٹرنیشنل ڈاک خانے اور تار گھر بھی ہے۔ کوئٹہ اور نوشکی سے جو ریلوے لائن آتی ہے اس کا صدر مقام ہی ہر لاکھوں چائے اور شکر کے بنڈیاں، روئی کے ہزاروں بستے قالین کپڑے وغیرہ برآمد کے لیئے تیار رہتے ہیں۔ کوئٹہ سے ریل ہفتہ میں دو مرتبہ آتی ہے اور دو دفعہ جاتی ہے۔ علاوہ سامان تجارت کے مسافریں بہت آتے جاتے رہتے ہیں۔ تمام ضروریات زندگی یہاں ملتے ہیں انگریزی اسباب کی بہت سی دوکانیں ہیں

ترکاری اور برف کوئٹہ سے ہر چوتھے روز آتا اور فروخت ہوتا ہے
یہاں زائرین کے لیئے ایک مسافرخانہ ہے جو بہت کشادہ صاف
و پاک ہے اس کا صحن وسیع ہے حوض بھی ہے متعدد کمرے ہیں
مسجد اور امام باڑہ یہاں بنانے کی تجویز ہو رہی ہے جسکے لیئے
جگہ بھی معین کردی گئی ہے کمروں میں ضروری اور آرام دہ فرنیچر
بھی موجود ہے۔ اس مسافرخانے کا انتظام انجمن فیض رضویہ
کے ذریعہ ہوتا ہے زائرین ایام قیام میں یہاں آرام سے رہتے
ہیں اور اپنے کھانے پینے کا انتظام بذات خود کر لیتے ہیں کسی
قسم کا کرایہ نہیں لیا جاتا مگر اپنی حسب حیثیت انجمن کی اعانت
کرنی ضروری ہے۔ ہر مسافر بطور اعانت جو مناسب سمجھتا ہے
دیدیتا ہے۔ اس انجمن کے سکرٹری بابو عبداللہ جان صاحب
ہیں۔ بہت ہی نیک آدمی ہیں زائرین کی خدمت بخوشی کرتے
ہیں۔ اور ہندوستان جانے والے حضرات کو یہاں اپنی پاس پورٹ
پر برطانوی قونصل خانے سے ویزہ کروانی پڑتی ہے یہ کام انجمن
کے کارکن کی توسط سے آسانی کے ساتھ ہو جا سکتا ہے دزداب
میں دوسری ریل کا انتظار کرتے ہوئے ہم کو چار روز قیام کرنا
پڑا گو یہاں انگریزی طرز کا ہوٹل تھا مگر ہم نے مسافرخانہ میں رہنا
پسند کیا اس میں آزادی زیادہ تھی اور آرام بھی تھا ان چار دنوں
میں ہم کو یہاں کے سیر کے علاوہ مجالس عزا میں شریک ہونے کا
اتفاق ہوا ہمارا خیال یہ تھا کہ آخر عشرہ محرم اپنے وطن میں کاٹیں
اس خیال سے مشہد سے ہم جلدی کر کے نکلے مگر اتفاقات سے انسان مجبور ہے

یہاں عاشور خانہ بہت آراستہ کیا جاتا ہے قیمتی قالین دیواروں پر لگائی جاتی ہیں چراغ اور فانوس آویزاں کئے جلتے ہیں زمین پر بھی بہت ہی عمدہ قالین کا فرش ہوتا ہے جس پر اہل عزا معہ جوتیوں کے بیٹھتے ہیں سامنے سگریٹ اور چائے رکھی رہتی ہے نوش کرتے جاتے ہیں ادھر ذاکر ممبر پر کھڑا ہوتا اور فضائل و مصائب امام شہید بیان کرتا جاتا ہے سامعین سنتے جاتے ہیں اور روتے ہیں خاتمہ پر سینہ زنی دونو ہاتھوں سے کی جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ سینہ زنی کا نوحہ پڑھا جاتا ہے۔ علم بھی یہاں ایستادہ کرتے ہیں مگر اس طریقہ سے نہیں جس طرح ہمارے ہندوستان میں کیا جاتا ہے بلکہ مثل ایک نشان کے علم عزاخانے کے در پر نصب کر دئے جاتے ہیں یا عاشورخانے میں استادہ کر دئے جاتے ہیں جب ایک جماعت دوسرے عزاخانے کو جاتی ہے تو اپنے علم کو بطور اپنے نشان کے لیجاتی ہے گویا یہاں علم روز اٹھتے بیٹھتے رہتے ہیں روز مقرر نہیں ہیں اور نہ ان کا ایسا احترام کیا جاتا ہے صرف بطور ایک نشان کے رکھتے ہیں۔ اسی علم کو ماتم کے وقت درمیان میں لاکر کھڑا کر دیتے ہیں۔

مجھے سخت افسوس ہے کہ میں نہ عراق کا محرم دیکھ سکا اور نہ ایران کا ان مقامات کے محرم کی بڑی شہرت اور بڑی تعریف سنی جاتی ہے میرے خیال میں کوئی سفرنامہ عراق اور ایران کا مکمل نہیں سمجھا جا سکتا جب تک اس میں محرم کا ذکر نہ ہو ذیل میں بہ مشاہدہ تو نہیں مگر آگاہی اور دلچسپی کی خاطر معتبر ذریعوں سے

سنی ہوئی خصوصیات درج کی جاتی ہیں محرم کل مقامات ایران و عراق میں ایک ہی طرح کا ہوتا ہے کوئی فرق نہیں۔ ہاں ہر جگہ وہاں کی مقامی خصوصیات بھی شامل رہتی ہے۔

مسٹر تھامس لیل نے اپنی کتاب دی ان اینڈ آوٹ آف میسوپوٹیمیا (The in and out of Mesopotamia) میں عراق کے شہر نجف کے محرم کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور لفٹنٹ کرنل سیک سی یم۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ نے اپنی کتاب دی گلوری آف دی شیعہ ورلڈ (Glory of the ShiA world) میں یزد کے محرم کی تفصیلی حالت بیان کی ہے۔ حاجی نواب سید محمد ابوالحسن صاحب نے اپنی کتاب تمدن خراسان میں پوری پوری تصویر ایران کے محرم کی کھینچی ہے۔ میں آخرالذکر کو من وعن درج کرتا ہوں:۔

محرم

قمری سال کے ختم پر جب محرم کا چاند آسمان پر دکھائی دیتا ہے اس وقت سے عزاداری شروع ہوتی ہے۔ تمام خوشیاں اور عیش وعشرت کے سامان کا خاتمہ ہوگیا۔ سوگواری کے اسباب و علامات ظاہر ہونے لگے۔ حرم کے گلدستہ کی صبح کی مناقب اور پانچوں وقت کی نوبت موقوف ہوگئی۔ گنبد مقدس سے سرخ جھنڈا اتار لیا گیا اور اس کے بجائے سیاہ ماتمی بیرق لگادی ضریح مقدس پر بھی سیاہ غلاف چڑھا دیا اور حرم کے دوسرے حصوں میں بھی سیاہ چادریں لٹکا دی گئیں۔ ہر شخص سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں

ملبوس ہے۔ یہاں تک کہ ٹائی اور رومال بھی سیاہ ہیں۔ غرض دنیا سیاہ پوش ہے جو فرش وقالین پر بھی جوتوں سے چلتے تھے۔ اب پتھروں پر ننگے پاؤں جا رہے ہیں گریبان کھلا ہے چہروں سے حزن وملال کے آثار ظاہر ہیں مختلف اقوام نے اپنے اپنے تکیوں (عزاخانہ) میں مجالس عزا بنا کر دیں ہیں۔ حرم اور مسجد گوہر شاد میں بھی مجالس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر جگہ روضہ خوانی ہوتی ہے۔ زن ومرد گریہ وزاری کرتے ہیں۔ ہر فرقے نے اپنی اپنی بساط کے موافق عزاداری جاری کر رکھی ہے۔ سبحان اللہ روضہ مقدس کی بھی کیا شان ہے حرم اور صحن مبارک شب وروز زواروں سے بھرے ہزاروں آدمی ہر وقت زیارت ونماز ودعا وگریہ وزاری میں مصروف ہیں اور ہزاروں ہر وقت آتے اور جاتے ہیں۔ کتب خانے شائقین علوم سے پر ہیں۔ قرآن خوانی میں بیسیوں علماء شاگرداں اور دوسرے لوگ مشغول ہیں۔ فقرا کے لیے مہمان خانہ شب وروز کھلا ہے روضہ مقدس محرم میں کسی وقت بند نہیں ہوتا اور صحن اقدس اور مسجد گوہر شاد میں چوبیس گھنٹے ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا ہے۔ کیوں نہ ہو مرجع خاص وعام ہے بالخصوص محرم میں صحن مبارک زیارت کے قابل ہے۔ دوکانیں کم از کم ایک عشرہ کیلئے بند ہو جاتی ہیں اور دوکاندار مجلسوں اور ماتمی حلقوں میں شریک ہوتے ہیں۔ مختلف لوگ بالخصوص بچے سقے بنتے ہیں۔ سر و پا بہ سیاہ لباس ہاتھ میں لکڑی یا ٹین تانبے کی کشکول اس میں پانی یا شربت اور پانی میں برف اور کچھ پھول اور ایک خوشرنگ سیب

ڈالے بازار گلی کوچہ اور صحن حرم میں پھر رہے ہیں اور پانی پینے والے پیاسوں کی تلاش ہے جس نے ان کی طرف غور سے دیکھا وہ سمجھے کہ پیاسا ہے فوراً اس کی طرف کچکول پیش کردی بسا اوقات صحن اقدس میں اسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ راستہ چلنا مشکل ہوجاتا ہے کہیں کوئی شخص کھڑا نہایت دردانگیز لہجہ میں مرثیہ پڑھ رہا ہے اور کہیں حافظ بیٹھا تلاوتِ قرآن نہایت خوش الحان طریقہ سے کر رہا ہے گداگروں کا بھی ہجوم ہے جو اپنی حالتِ زار مختلف طریقوں میں پیش کر رہے ہیں۔ شہر میں ہر گلی کوچہ میں مجالس ہوتی ہیں۔ رات دن متواتر روضہ خوانی، ماتم داری، سینہ کوبی، گریہ وزاری آہ وبکا کی آوازیں آتی ہیں۔ مشہد مقدس میں تقریباً سو تکیے ہیں جہاں مختلف گروہ مومنین جمع ہوتے ہیں یہ لوگ اپنے اپنے تکیوں کی دیواروں پر سیاہ چادریں اور قالین لٹکاتے ہیں۔ اور عمدہ عمدہ قالینوں کا فرش کرتے ہیں۔ اکثر تکیوں میں ایک بڑا دو چوبہ خیمہ نصب کرتے ہیں اور اکثر شامیانہ لگاتے ہیں جس کے نیچے مجلس ہوتی ہے۔ مجلس شروع ہونے سے قبل اور ختم مجلس پر چائے۔ سگریٹ حقہ وغیرہ پیش کرتے ہیں۔ اکثر تکیوں میں عورتیں منبر کے سامنے وسط میں بیٹھتی ہیں اور مردان کے گرد حلقہ کرکے بیٹھتے ہیں۔ ذاکر و واعظ باری باری سے منبر پر جاکر واقعات کربلا بیان کرتے ہیں معمولی ذاکر دس سے پندرہ منٹ تک پڑھتا ہے اور اکثر ذاکرین ہندوستان کی طرح غیر صحیح روایات بھی پڑھ دیتے ہیں جو بغرض بکاہ انھوں نے جائز رکھی ہیں۔ باوجود کثرت مجالس کے ہر مجلس بلحاظ گریہ کامیاب

ہوتی ہے خصوصاً عورتیں بہت آہ و بکاہ کرتی ہیں جس سے کہ مردوں کو بھی جوش گریہ ہوتا ہے۔ بعد ختم مجالس اپنے اپنے محلوں سے ماتم کنندگان کے دستے قبل دوپہر کوچہ و بازار میں سے گزر کر ماتم کرتے ہوئے صحن اقدس میں آتے ہیں۔ اور وہاں ضریح مبارک کے محاذی کھڑے ہو کر ماتم کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔

یہ دستے ساٹھ، ستر یا سو آدمیوں کے ہوتے ہیں۔ جو ننگے سر یا برہنہ سر پر خاک اور بھوسہ ڈالے ماتم کرتے ہوئے آہستہ آہستہ صحن کی طرف حرکت کرتے ہیں راستہ میں چالیس پچاس قدم پر ٹھہر کر نوحہ خوانی ہوتی ہے۔ نوحہ خوان کی آواز پر ایک ہی وقت میں سب اپنے ہاتھوں کو زور سے کے ساتھ سینوں پر مارتے ہیں پچاس یا سو انسانوں کے اس طرح ماتم کرنے سے جو آواز نکلتی ہے تو بلا تشبیہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مشین چل رہی ہے یا سڑک کوٹنے کی آواز ہے۔ ماتمی اپنے سینوں سے کپڑا جدا کر دیتے ہیں۔ یا کمر تک برہنہ ہوتے ہیں ماتم کرتے کرتے ان کا سینہ سرخ ہو جاتا ہے اور خون چھلکنے لگتا ہے بسا اوقات سینہ شگافتہ ہو کر خون جاری ہو جاتا ہے۔ نوحہ خواں جو ایک اسٹول پر کھڑے ہو کر ماتم کراتا ہے اپنی آواز کے اتار چڑھاؤ سے ماتمی لوگوں میں جوش و ولولہ پیدا کرتا ہے جو اس کے اختیار میں ہے ہر دستے میں چھوٹے بچے سات آٹھ سال کی عمر سے شروع ہو کر ادھیڑ جوان اور بوڑھے سب شریک ہوتے ہیں۔ دستوں کے شروع میں کچھ لوگ لمبے سیاہ علم لئے ہوئے ہیں جن پر شیر خورشید کی تصویریں نقش تھے۔ اور روضوں کے مرقعے ریشم اور زری کے کام کے نہایت

خوبصورت بنے ہیں۔ علم سہ گوشہ کپڑے کا بنا ہوتا ہے اور ہر ایک علم کا آخری مثلثی گوشہ چوڑا اور مخروطی شکل کا بن جاتا ہے۔ اس طرح دو دو پنکھے متعدد علم اٹھائے آگے آگے جا رہے ہیں۔ ان کے بعد اور مختلف قسم کے علم ہوتے ہیں۔ سینہ زنوں کے بہت سے دستے اول محرم سے عاشورہ تک برابر ماتم کرتے ہوئے حرم اقدس میں آتے ہیں ایک دستہ سو سوا سو آدمیوں کا زنجیروں کا ماتم کرتا ہے۔ آگے آگے بچے ہیں ان کے بعد نوجوان کا گروہ ہے۔ اوپر کا نصف دھڑ برہنہ ہے۔ یا ٹخنوں تک لمبا کمر پر چست نیچے ڈھیلا سیاہ لباس ہے (جو خاص طور سے ماتم ہی کے لئے تیار کراتے ہیں۔ پشت و سینہ پر کھلا ہے) سر سے ننگے ہیں۔ پاؤں برہنہ۔ کیچڑ و خاک منہ پر ملے۔ سر پر بھوسہ ڈالے آمنے سامنے دو قطاروں میں کھڑے ہو کر زنجیروں کو اپنی پشت پر مارتے ہیں (یہ تقریباً سیر بھر زنجیروں کا ایک گچھا ہے جو لکڑی یا پیتل کے دستے میں جڑا ہے) اس دستہ میں بھی ایک شخص اسٹول پر کھڑے ہو کر نوحہ پڑھتا ہے اور جس لَے سے وہ پڑھتا ہے اور جس تال سے اپنا ہاتھ ہلاتا ہے۔ اسی تال پر ماتم کرنے والے اپنی زنجیروں کے گچھے کو ہلا کر پشت پر مارتے ہیں۔ زنجیروں کی جھنکار اور چوٹ لگنے کی آواز مل کر عجیب سماں پیدا کرتی ہے کہ دیکھنے اور سننے والوں کو جوش گریہ ہوتا ہے اور مرد و زن آہ و بکاہ کرتے ہیں ماتمیوں کی پشت پر نیل پڑ جاتا ہے۔ زخمی ہو کر خون بہنے لگتا ہے۔ پانچ چھ منٹ یہ دستہ ماتم کر کے آگے چلتا ہے اور اسی طرح زنجیروں سے ماتم کناں صحن حرم میں ہو کر اپنے تکیہ کو واپس چلا جاتا ہے۔

۹ محرم کی شام کو حرم میں ایک بڑا دربار ہوتا ہے تمام اعیان واشراف حکام اور خدامان آستانہ رضویہ مدعو ہوتے ہیں۔ صدر مقام پر امام علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام کی ایک بڑی تصویر رکھی جاتی ہے ہر شخص اپنے اپنے رتبہ کے موافق حلقہ باندھ کر بیٹھتا ہے جب سب لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو متولی باشی امام علیہ السلام کی تصویر سے نقاب یا پردہ اٹھاتا ہے سب لوگ سر و قد تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک خطیب بلند آواز سے خطبہ پڑھتا ہے خطبہ ختم ہونے کے بعد تصویر پر پھر پردہ ڈال دیتے ہیں شیرینی اور چاء تقسیم ہوتی ہے اس رسم کو ایرانی اور خدام "سلامی" کہتے ہیں۔
شب عاشورہ سے تمام بازار بند ہو جاتے ہیں اور مکمل ہڑتال ہوتی ہے۔ سوائے خورد و نوش کی چند دوکانوں کے کہ وہ بھی کھلنا کھلی رہتی ہیں۔ عاشورہ کی شب کو گیارہ بجے صحن کہنہ میں بہت بڑا ہجوم ہوتا ہے اور حکام و خدام سب جمع ہوتے ہیں صحن کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں۔ سب کے ہاتھوں میں ایک ایک روشن شمع ہوتی ہے جو دو رویہ صف بستہ صحن کے چاروں طرف کھڑے ہوتے ہیں۔
ان کے درمیان گورنر خراسان مع دیگر افسران اور متولی باشی دیگر خدام اں کے ہاتھوں میں روشن شمع لیکر طواف کرتے ہیں یہ مجمع طواف کر کے سقہ خانہ نادری کے محاذی مؤدب کھڑا ہو جاتا ہے پھر ایک خطیب سقہ خانہ نادری کے طلائی گنبد پر چڑھ کر بلند آواز سے نہایت فصیح و بلیغ ایک خطبہ پڑھتا ہے۔ سب لوگ خاموش سنتے ہیں خطبہ ختم ہونے کے بعد [illegible]

ملامت کرتے ہیں۔ اور پھر تمام شمع گل کر دی جاتی ہیں اور مجمع برخاست ہو جاتا ہے۔ روز عاشورہ دس بجے دن سے صحن حرم میں ماتمی دستے آنے شروع ہو جاتے ہیں یہ دستے پولیس اور فوجی انتظام کے ماتحت باری باری سے صحن حرم میں داخل ہو کر ماتم کرتے ہوئے دوسرے دروازہ سے نکل جاتے ہیں۔ روز عاشورہ کئی دستے قمع سے ماتم کرنے والوں کے اپنے اپنے تکیوں سے صحن حرم میں آتے ہیں۔ جنھوں نے اپنے لباس کے اوپر سفید کفنیاں پہنی ہیں۔ سر منڈے ہیں۔ آمنے سامنے دو طرفہ قطار باندھ کر کھڑے ہیں ہر ایک کے ہاتھ میں لمبی چھری۔ قمع یا تلوار ہے۔ نوحہ خوان کی آواز کے ساتھ ایک ہی وقت میں ہر ایک قمع کو اپنے سر پر مارتا ہے۔ خون سر سے پاؤں تک ٹپک رہا ہے۔ کفنیاں لہولہان ہو کر سرخ ہو گئی ہیں۔ دیکھنے والے اس خونی منظر کو دیکھ کر گریہ و بکا کرتے ہیں اور بعض رقیق القلب حضرات تو اسقدر خون دیکھ کر بیہوش ہو جاتے ہیں۔ ہر دو صف کے درمیان متعدد اشخاص کھڑے ہیں جن کے ہاتھوں میں لکڑی ہے اور رومال ہیں۔ جہاں انھوں نے کسی کا ہاتھ بیہوشانہ اور سخت پڑتا دیکھا اور زیادہ نقصان کا احتمال ہوا تو لکڑی سے شمشیر کے صدمہ کے مزاحم ہو کر معرضہ لگنے سے روکتے جاتے ہیں۔ دو طرفہ زن و مرد سیر راہ کوٹھوں بالاخانوں یا حرم کے غرفوں پر بیٹھے ہوئے آہ و زاری کی آواز سے ان کے ماتم کرنے کی داد دیتے ہیں بالاخانوں سے اکثر زن و مرد رومال نیچے گرا رہے ہیں کہ ماتمیوں کے چہروں سے خون پاک کیا جائے ڈاکٹر اور ادویہ ہر دستہ کے ساتھ ہے جہاں
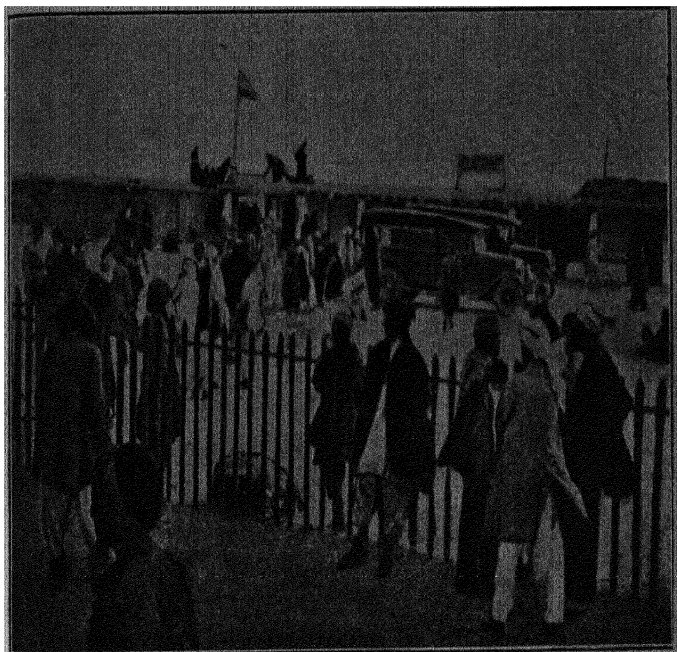
دزداب ریلوے اسٹیشن

کوئی بے ہوش اور کمزور ہوا فوراً ہسپتال پہنچایا جاتا ہے۔ یہاں اکثر زن و مرد یہ منت کرتے ہیں کہ اگر خداوند کریم بطفیل ائمہ ہم کو فرزند نرینہ عطا فرمائے تو ہم اس کو قمع کے ماتم کرنے والوں کے دستے میں شریک کریں گے۔ چنانچہ ایک عورت اسی قبیل کی منت کرنے والوں میں سے آئی اس کی گود میں کوئی سال ڈیڑھ سال کا بچہ تھا۔ ضریح کے محاذی کھڑے ہو کر اس نے بغل سے ایک چھری نکالی اور بچہ کی پیشانی کے اوپر چار پانچ چھری سے زخم لگائے بچہ تلملا کر رو دیا اور اس کی پیشانی سے خون جاری ہو گیا۔ خوش اعتقاد ماں نے اپنے بچہ کو صحن حرم کے برنجی کٹھرے سے تبرکاً مس کیا اور بوسہ دے کر خوشی خوشی اپنے گھر چلی گئی۔ ہر فرقہ اپنا اپنا دستہ نئی شان سے لے کر نکلتا ہے عاشورہ کو مختلف دستے مثل طہرانیوں کا۔ یزدیوں کا۔ کرمانیوں کا۔ آذربائیجانیوں کا۔ قفقازی ترکوں کا۔ کرہ باغی ترکوں کا۔ سادات کا۔ بخارا کا۔ اخوان کا۔ قصابوں کا۔ بقروں کا۔ نانبائیوں کا۔ علی ہذا القیاس بہت سارے دستے یکے بعد دیگرے صحن حرم میں آتے ہیں اور ماتم کناں اپنے اپنے تکیوں کو واپس چلے جاتے ہیں۔ ہر دستے کے ساتھ متعدد علم اور شبیہیں ہوتی ہیں مثلاً چار فٹ قطر کا ۵ فٹ اونچا تعزیہ لکڑی کا بنایا ہے ارد گرد مختلف رنگ کے ریشمی رومال اور چادریں ہیں۔ کاغذی پھول اور فانوس اندر رکھے ہیں۔ یہ ایک شخص اوٹھائے جاتا ہے اس کے بعد متعدد اشخاص نے صلیب نما علم اوٹھائے ہیں۔ انپہ مختلف قسم کے ریشمی یا کشمیری دل آویز گلو بند لٹک رہے ہیں

جن کے سہارے اٹھانیوالا اس علم کو سنبھالے ہوئے ہے اوپر
لوہے کی شمشیر نما باریک تبر کا علم کا پرچم ہے جو چھ فٹ اونچا
ہے اور چار فٹ بلند۔ دوسرے دو پرچم ہیں جو آگے پیچھے جھولتے
ہیں۔ نیچے کی لکڑی میں فانوس وچراغ اور دیگر اشیاء، اور ائمہ علیہم السلام
کی تصاویر لٹک رہی ہیں۔ اردگرد شتر مرغ کے بڑے بڑے
بیش قیمت پر لگائے ہیں جو ایک نہایت شاندار تاج معلوم دیتا
ہے اس کے چند لوگ گھوڑوں پر سوار ہیں۔ جو حضرت امام حسینؑ
حضرت عباسؑ۔ علی اکبرؑ۔ قاسمؑ۔ عونؑ ومحمد کی شبیہہ بنے ہیں
اور اسی طرح کچھ لوگ شمر عمر ابن سعد۔ خولی۔ وحرملہ وغیرہ ملاعنہ کی
شبیہہ بنتے ہیں۔ ایرانی اپنا پارٹ نہایت ہوشیاری اور صفائی سے
کرتا ہے۔ یہ قابلیت خدا داد ہے۔ شبیہہ بنانے میں سن وسال کا
بہت لحاظ کیا جاتا ہے۔ روایت کے بموجب ایسے ایسے لوگوں
اور بچوں کو تلاش کرتے ہیں۔ جو ان حضرات کے مطابق ہوں جنکی
وہ شبیہہ بنتے ہیں۔ شمر وعمر کی شبیہہ بننے کے لیئے اسی قسم کی خونخوار
اور درشت شکل وصورت کا آدمی چنا جاتا ہے۔ خاندان رسالت
کی شبیہہ صرف سادات جلیل القدر بنتے ہیں۔ واقعہ کربلا کے متعلق
ہر ضعیف اور مستند روایت کے بموجب شبیہہ بناتے ہیں مثلاً ایک
پالکی نما تخت میں ایک انگریزی لباس پہنے ہوئے ہر چار طرف
اضطراب کے ساتھ دوربین اٹھا اٹھا کر دیکھتا ہے اور اس کے
بعد ایک سر اٹھا کر اپنے رومال سے گردوغبار صاف کرتا ہے یہ
راہب کی شبیہہ ہے۔ ایک گروہ نوجوان بچوں کا زرد لباس پہنے

مختلف و مہیب اشکال میں پریشان جا رہا ہے یہ زعفر جن اور اس کے گروہ کی شبیہ ہے ایک تخت پر عربی سیاہ زنانہ لباس پہنے چہرے پر نقاب ڈالے بیٹھا ہوا سر پر بھوسہ اڑاتا جو تو برہ سے ایک سر بریدہ نکالکر دیکھتا ہے اور رو رو کر بیان کرتا ہے یہ جناب سیدہ صلواۃ اللہ علیہ اور سر امام حسین علیہم السلام کی شبیہہ ہے۔

ایک پالکی میں دس گیارہ برس کا لڑکا زنانہ لباس پہنے چہرے پر نقاب ڈالے کھڑا ہوا گہوارہ جنبانی کر رہا ہے۔ اور کبھی کبھی گہوارے سے ایک بڑی سی گڑیا اٹھا کر چاروں طرف نہایت حسرت و یاس سے دکھاتا ہے اور پھر گہوارے میں رکھ دیتا ہے۔ یہ حضرت علیؑ اصغر اور مادر علیؑ اصغر کی شبیہہ ہے۔ تخت پر ایک شخص بیٹھا گریہ و بکاہ کر رہا ہے اس کی گود میں ایک سر بریدہ لاش رکھی ہے جو زخموں سے چور چور ہے اور خون میں لاش تر بتر ہے۔ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے لاش علیؑ اکبر پر آنے کی شبیہہ ہے۔ ایک شیر کی کھال پہنے تخت پر بیٹھا۔ سر پر بھوسہ اوڑاتا ہوا ہو بہو شیر کی طرح بنا بیٹھا ہے اور اس کے قریب ایک لڑکا زنانہ لباس پہنے چہرے پر نقاب ڈالے کھڑا ہے یہ شبیہ بر روایت شیر و فضہ کی شبیہہ ہے۔ ایک شخص بدوی عرب کا لباس پہنے ہتھیار لگائے دو بچوں کو اسیر کرکے لیئے جاتا ہے یہ حارث اور پسران مسلم کی شبیہہ ہے۔ ایک شخص زرہ بکتر پہنے سر پر خود آہنی۔ نیزہ و شمشیر لگائے ایک ہاتھ میں تازیانہ اور دوسرے ہاتھ میں ریسماں جس سے چند سیاہ پوش بچے چہروں پر نقاب ڈالے بندھے

ہیں وہ انکو بار بار تازیانہ لگاتا ہے۔ یہ اسرا اور شمر کی شبیہہ ہے۔ ایک تختہ پر سر بریدہ لاش تیروں پر معلق رکھی ہے ایک وحشی بدوی عرب آتا ہے اور اپنے تیشہ سے لاش کا ہاتھ کاٹ کر لے جاتا ہے۔ یہ بعد شہادت امام حسین علیہ السلام کے جسد اطہر سے جمال ملعون کے انگشتری کے لیئے ہاتھ کاٹنے کی شبیہہ ہے۔ چند لاشیں سر بریدہ جنگی لباس پہنے ہتھیار لگائے تختوں پر اٹھا رکھی ہیں منجملہ ان کے ایک لاش دست و سر بریدہ علم و خشک مشکیزہ کے ہمراہ لیجاتے ہیں۔ یہ لاشہائے شہدا اور حضرت عباس علیہ السلام کی لاش کی شبیہہ ہے کچھ لوگ سروں پر متعدد خوان اٹھائے ہیں جن میں شمع فانوس۔ کنول اور کاغذی پھول مع دیگر سامان سانچق کے سجایا ہوا ہے۔ یہ حضرت قاسم علیہ السلام کی شادی کے مراسم کی شبیہہ ہے مکلّف پالکی میں ایک شخص امرائے عرب کا لباس پہنے۔ مغرور مسرور۔ مخمور بیٹھا ہے اس کے سامنے ایک خوبصورت لڑکا صراحی اور جام لیئے کھڑا ہے جو جام بھر بھر کر اس کو دیتا ہے۔ یہ مخمور سامنے جو ایک طشت میں سر رکھا ہوا ہے اس کی طرف گلاس کو جھٹکتا ہے یہ شراب خوار یزید اور سر امام حسین علیہ السلام کی شبیہہ ہے۔ بغیر کجاوہ و محمل کے اونٹ کی ننگی پشت پر ایک شخص سر برہنہ۔ گریبان چاک پیراہن پارہ پارہ طوق و بیڑی پہنے نہایت ضعیف و لاغر سوار ہے جس کے دونوں پاؤں اونٹ کے شکم سے بندھے ہیں یہ بیمار کربلا کی شبیہہ ہے۔ چند گھوڑوں کو ذوالجناح کی شبیہہ بناتے ہیں ذوالجناح کی چادر کے اوپر سرخ رنگ کے خونی نشان کثرت سے

ڈالتے ہیں۔ اور چادر پر ہزاروں تیر لٹک رہتے ہیں۔ زین پر صرف عمامہ رکھا ہے۔ کسی پر کوئی سفید کبوتر جس پر سُرخ رنگ کے نشانات ہیں سامنے بیٹھا ہے۔ کسی پر کوئی بچہ زین کے باہر پیچھے بیٹھا ہے غرضکہ میدان کربلا کے سارے واقعات دکھائے جاتے ہیں عاشورہ کا دن ختم ہونے کے بعد شب گیارہ کو شام غریباں کہتے ہیں۔ کوچہ و بازار و حرم کی تمام بیرونی روشنیاں گل کر دی جاتی ہیں۔ ایک بڑا دستہ محلہ نوقان سے ماتم کرتا ہوا حرم کو آتا ہے۔ رات کی تاریکی میں یہ دستہ نہایت خاموشی سے پچاس ساٹھ قدم راہ چلتا ہے اور پھر زمین پر بیٹھکر گریہ وزاری کرتا ہے اسی طرح صحن جدید سے حرم میں داخل ہوتا ہے۔ اندنوں حرم میں صرف چند شمع روشن ہوتی ہیں تاریکی اور خاموشی کا عجیب عالم ہوتا ہے۔ سوائے گریہ وزاری کی مدھم آواز کے کوئی دوسری آواز نہیں آتی جس طرح یہ دستہ بیٹھا ہوا اور ماتم کناں آیا تھا اسی طریقہ سے محلہ سراب کو واپس چلا جاتا ہے یہ ایک ایسا منظر ہے کہ جس کے دیکھنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور شام غریباں کا اس شب پر پورا اطلاق ہوتا ہے"

ہمارے مسافر خانہ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ریلوی اسٹیشن تھا یہ مختصر اور خوشنما ہے کوئٹہ سے ریل شام میں آتی ہے اور رات بھر یہیں ٹھہرے رہتی ہے۔ دوسرے روز صبح کے گیارہ بجے یہاں سے نکلتی ہے سیاح اور مسافرین پاس پورٹ کے معائنہ سے فارغ ہوکر اور کسٹم کے جھگڑے سے چھٹکارا حاصل کر کے انتظار کی سخت گھڑیاں ذرداب میں کاٹ کر اسٹیشن پر آتے ہیں عموماً ریل میں مسافروں کی

کثرت رہتی ہے بعض وقت جگہ نہیں ملتی اس وقت کی نا امیدی ناقابل برداشت ہوتی ہے کیونکہ چار روز رک جانا پڑتا ہے اسلیئے بہتر یہ ہے کہ پہلے ہی سے انتظام کر رکھیں تاکہ جگہ مل جائے۔

دزداب سے کوئٹہ (۴۵۶) میل ہے اور کل (۳۱) گھنٹوں کا سفر ہے۔ ریلوے لین قدیم سیستانی "تجارتی راہ" کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ ریل میں سوار ہو کر جانے والوں کو سڑک نظر آتی رہتی ہے۔ زراعت اور سرسبزی مطلق نہیں ہے ریتیلی زمین ہے اور چھوٹے چھوٹے ریت کے ٹیلے کہیں کہیں نظر آتے رہتے ہیں۔ گرمی شدّت کی ہوتی ہے جدھر نظر اٹھائے سراب کا دریا لہریں لیتا نظر آتا ہے۔ اس لین پر چند اسٹیشنیں ملتی ہیں عموماً ہر ریلوے اسٹیشن پر کچھ نہ کچھ کھانے کے لیئے مل جاتا ہے۔ مگر اس راہ میں کچھ نہیں ملتا حتیٰ کہ پانی بھی کافی نہیں ملتا کیونکہ ٹرین میں صرف ایک پانی کا ڈبہ لگا رہتا ہے اسی میں سے مسافروں کو احتیاط کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ دزداب سے ۴۸ گھنٹوں کی ضرورت کے موافق کھانا اور پانی ہمراہ لے لیں تو تکلیف سے بچتے ہیں ورنہ بہت زحمت اٹھانی پڑتی ہے چند چھوٹے اسٹیشنوں کے بعد میرجاوہ نامی اسٹیشن ملتا ہے جو کسی قدر بڑا ہے یہاں سرحد ایران ختم ہو جاتی ہے اور برٹش بلوچستان شروع ہوتا ہے۔ یہاں ہندوستانی ڈاکخانہ اور تار گھر بھی ہے تار کی فیس ہندوستان کے مماثل ہے۔

رات کے نو بجے کے قریب دالبندین نامی اسٹیشن ملتا ہے جو حال میں تحصیل ہو گیا ہے۔ یہاں ریل زیادہ ٹھہرتی ہے اس

اسٹیشن پر بمشکل چاء اور کچھ سوکھے کیک یا روٹی بہت ہی کم مقدار میں بڑی کوشش سے مل جاتی ہے دزداب سے کوئٹہ تک تقریباً تمام اسٹیشن چھوٹے کچے قلعہ نما ہوتے ہیں اور سپاہی معہ بندوق و کارتوس کے پہرہ پر رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امن کم ہے اور وحشی بلوچی اسٹیشن کے دفتر اور خزانہ پر چھاپا مارتے رہتے ہیں انھیں کے خوف سے یہ انتظام کیا گیا ہے۔ تہذیب یافتہ بلوچی بڑے خلیق مہمان نواز اور سخی ہوتے ہیں ہماری ناتجربہ کاری کے باعث جو کچھ کھانا اور پانی ہمارے ساتھ رکھا گیا تھا وہ بالکل کافی نہ تھا اور ہمیں یہ خیال بھی نہ ہوا کہ راستہ میں کچھ نہ ملے گا یہاں بھی ہم ہندوستان کے ریلوے اسٹیشنوں کا خیال کئے ہوئے تھے اس لیئے رات تو جوں توں چاء اور سوکھی روٹی پر گزر گئی دن کو مجبوری کا سامنا ہوا ہمیں کہا گیا کہ کوئٹہ پہنچنے تک ہمیں کچھ کھانے کو نہ ملے گا لیکن حسن اتفاق سے رات میں دالبندین اسٹیشن پر ایک بلوچی سردار ریل میں سوار ہوئے۔ یہ صاحب انگریزی اچھی جانتے تھے اور اردو بھی بولتے تھے صبح سردار صاحب نے چاء بنائی اور ہم کو اصرار سے ناشتہ کروایا۔ دوپہر کا کھانا بھی ہم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ ہی کھلوایا اور ہمارے ملازمین کو بھی محروم نہ رکھا اس طرح یہ تکلیف رفع ہو گئی۔

دزداب سے جب نکلتے ہیں تو دوسرے روز تین بجے ریل اسپیزن پہنچتی ہے جناب سید محمد حسن صاحب بلگرامی کوئٹہ جانیوالے تھے اور میں وطن واپس ہونا چاہتا تھا اس لیئے اسٹیشن سے جدا ہو گئے وہ اسی ریل سے سدھا کوئٹہ گئے اور میں یہاں اتر پڑا مولوی صاحب کے

اور میرے ہمسفر ہونے سے راستہ میں آرام ہی نہیں ملا بلکہ سفر لطف سے کٹا جس کی یاد ہمیشہ میرے دل میں تازہ رہیگی۔

الغرض اسپینرن پر اترنے والے مسافروں کو تین گھنٹے دوسری ریل کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ زرداب سے ریل کا سفر ہوتا ہے میں دوسرے باب میں لکھ چکا ہوں کہ ہندوستانی زائرین کو اپنے مستقر سے بمبئی یا کراچی آنے کے لیئے مختلف ریلیں ہیں اور ان ریلوں کے مختلف اوقات آمد و رفت اور مختلف شرح ٹکٹ ہے جس کی تفصیل طوالت سے خالی نہیں ریلوے ٹائم ٹیبل یا گائیڈ سے مدد لیکر بمبئی یا کراچی آجا سکتے ہیں۔ اسی طرح زرداب سے کوئٹہ یا اسپینرن سے ہندوستان کے کسی ایک مقام کو جا سکتے ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ کوئٹہ یا اسپینرن سے ریلوے ٹائم ٹیبل یا گائیڈ کے مشورہ سے اپنے منزل مقصود کا ٹکٹ لے لیں۔

پہنچکے منزل مقصد پہ ہاتھ منہ دھوئیں
تھکے ہوئے ہیں کئی دن کے چین سے سوئیں

میں اسپینرن سے چلا تو ۱۴ محرم کو بخیر و خوبی وطن پہنچا اور عزیزوں کو تندرست پاکر از حد خوشی ہوئی خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی توفیق سے مجھ میں اتنے طول طویل سفر کی ہمت پیدا ہوئی۔ سفر جس کو لوگ سقر کہتے ہیں میرے لئے حضر سے کچھ کم نہ تھا۔ آرام سے ہر جگہ گیا، دیکھا بھالا پھر صحیح و سالم گھر لوٹ آیا۔

تمام شد

اشاریہ

الف

پ

ت

ٹ

ث

ج

خ

د

ذ

ر

ز

س

ص

ض

ط

ع

غ

ف

ق

ک

ن

و

ھ

ی